تاریخ حدیث ومحدثین

جلد ثانی

تالیف

حکیم سید احمد اللہ ندوی

سابق مصحح دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

مقیم کراچی پاکستان

ماہ جمادی الآخرۃ ۱۳۹۱ ہجری

انجمن اشاعت قرآن عظیم جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی ۵

(انجمن پریس کراچی)

فہرست کتاب حدیث و محدثین جلد ثانی

مضمون صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ونسائی اللہ تعالیٰ ان یوفقنا الخیر ویھدینا الصراط المستقیم وبہ نستعین

پہلی جلد میں پہلی صدی ہجری تک کے وہ واقعات جو تاریخ حدیث کے متعلق تھے لکھے گئے ہیں اور بعض اُن اہم مباحث کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کا تعلق حدیث و سنت سے ہے، اس دوسری جلد میں پہلے چند اہم مباحث پر روشنی ڈالی جاتی ہے جو حدیث سے متعلق ہیں تاکہ معلوم ہو کہ تاریخ حدیث کے مختلف ادوار میں حدیث کے متعلق کتنے علوم پیدا ہوئے اور کیا کیا اصطلاحات وضع کی گئیں اور ہر صدی کے مشہور محدثین کے حالات لکھے گئے ہیں۔

حدیث کی بعض اصطلاحات

اسناد کے لحاظ سے حدیث کی قسمیں

۱۔ روایت: حدیث کے بیان کرنے کو روایت اور بیان کرنے والے کو راوی کہتے ہیں جس کی عربی میں جمع رُواۃ ہے جیسے قاضی کی جمع قُضاۃ ہے۔

۲۔ اسناد: جب کوئی راوی کسی دوسرے راوی کو دیکھ کے اور سُن کے حدیث بیان کرتا ہے تو اس روایتی تعلق کا نام اسناد ہے، اسناد سے پتہ چلتا ہے کہ کس راوی نے دوسرے راوی سے حدیث کو سُن کے بیان کیا ہے، بشرطیکہ دونوں راوی ایک ہی زمانے کے ہوں اور دونوں کی ملاقات بھی ثابت ہو اگر کوئی راوی اپنی پیدائش سے پہلے مرجانے والے راوی کا نام لیتا ہے تو اس کی روایت میں اسناد صحیح نہ ہوگا کیونکہ مُردہ شخص سے روایت نہیں ہو سکتی ہے اس لئے ایسی روایت رد کر دی جائے گی۔

اسناد کے لحاظ سے حدیث کی چند قسمیں ہیں، مُسند، مرفوع، مُرسل، موقوف، مُنقطع، مُعضل، مُدلّس، ان اصطلاحات کے مصدری الفاظ یہ ہیں:۔

اسنا، رفع، ارسال، وقف، انقطاع، اعضال، تدلیس۔

۳۔ مُسند: وہ حدیث ہے جس کے راویوں کا اسناد نیچے سے لے کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل اور ملا ہوا ہو، اتصال اسناد کا مطلب یہ ہے کہ تمام راویوں میں سے ہر ایک نے اپنے اوپر والے

راوی سے حدیث سنی ہے اور یہ سلسلہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ گیا ہے۔

۴۔ مرفوع، وہ حدیث ہے جس میں کوئی صحابی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، یا فعل، یا تقریر کو بیان کرے۔ اور پوری روایت میں سند متصل ہو، کسی صحابی کے فعل کو دیکھ کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت اور خاموشی کو تقریر کہتے ہیں۔ اس لئے صحابی کا ایسا فعل بھی سنت کے اندر داخل ہے، کیونکہ آپ کسی غیر شرعی بات پر خاموش نہیں رہتے تھے۔

۵۔ مرسل، وہ حدیث ہے جس میں تابعی حضور نبی کریم سے روایت کا سلسلہ ملادے، اس میں صحابی کا نام نہیں ہوتا ہے، اور صحابی کی جگہ سند منقطع یعنی کٹی ہوتی ہے۔

۶۔ موقوف، وہ حدیث ہے جس میں راوی صحابی تک سند کا سلسلہ بیان کرے اور اس سے اوپر نہ بڑھے۔

۷۔ منقطع، مرسل کی مانند ہے، مگر عموماً اس کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جبکہ تابعی سے نیچے کا راوی صحابی سے روایت کرے جیسے مالک بن انس حضرت عبداللہ بن عمر صحابی سے یا سفیان ثوری حضرت جابر بن عبداللہ صحابی سے یا شعبہ بن الحجاج حضرت انس بن مالک صحابی سے روایت کریں۔ بعض محدثین کی رائے ہے کہ اگر روایت کا سلسلہ تابعی اور اس سے کم درجہ تک آکے ٹھہر جائے تو وہ منقطع ہے۔

۸۔ معضل، وہ حدیث ہے جس میں تابع تابعی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اس میں تابعی اور صحابی کے دو سلسلے سند کی دو کڑیاں کٹی ہوتی ہیں اس لئے اس کا درجہ مرسل سے کمتر ہوتا ہے۔

۹۔ تدلیس لغت میں عیب کے چھپانے کو کہتے ہیں، تدلیس کرنے والے کو "مدلس" کہتے ہیں۔

مدلس وہ راوی ہے جو اپنے ایسے ہمعصر شخص سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات نہ ہوئی ہو یا ملاقات ہوئی ہے مگر اس سے کچھ سننے کا موقع نہ ملا ہو، ایسی روایت میں یہ وہم ہوتا ہے کہ راوی حدیث کو سن کے بیان کرتا ہے، حالانکہ راوی کو حدیث کی سماعت کا اس شخص سے موقع ہی نہیں ملا ہے، یہ اسناد میں تدلیس ہوئی اس لئے اس طریقہ کو "تدلیس فی الاسناد" کہتے ہیں، کبھی راوی اپنے شیخ (استاذ) کے نام یا کنیت یا مشہور نسبت اور یا ولدیت کو بدل دیتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے شیخ سے جو بدظنی اور بیزاری ہے وہ دور ہو جائے، یہ بھی تدلیس کی ایک قسم ہے اس طریقہ کی تدلیس کو "تدلیس فی الشیوخ" کہتے ہیں۔

تدلیس پر محدثین کی رائیں

اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث میں تدلیس مکروہ اور مذموم ہے، شعبہ بن الحجاج کہتے ہیں۔

التدليس اخو الكذب — تدلیس کذب اور جھوٹ کا بھائی ہے

نیز شعبہ کا قول ہے:

التدليس في الحديث اشدّ من الزنا ولأن اسقط من السماء احبّ اليّ من ان ادلّس. — حدیث میں تدلیس زنا سے بھی زیادہ سخت ہے میں آسمان گر جانا پسند کرتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ میں تدلیس سے کام لوں۔

جریر بن حازم کا قول ہے:

جرير بن حازم يقول ذكر التدليس والمدلسين فعابه وقال ان ما يكون فيه انه يرى الناس انه سمع ما لم يسمع — جریر بن حازم نے تدلیس اور مدلسین کا ذکر کرتے ہوئے اس کو معیوب بتایا اور کہا کہ تدلیس میں ادنیٰ بات یہ ہے کہ راوی لوگوں کو یہ دکھانا چاہتا ہے کہ اُس نے حدیث کی سماعت کی ہے حالانکہ اس نے حدیث کی سماعت نہیں کی ہے۔

ابو اُسامۃ کا قول ہے:

خرّب الله بيوت المدلسين ما هم عندي الا كذّابون — اللہ مدلسین کے گھروں کو ویران کر دے وہ میرے نزدیک کذّاب ہیں۔

حماد بن زید کا قول ہے:

التدليس كذب — تدلیس کذب اور جھوٹ ہے

ابن المبارک کا قول ہے:

لأن نخرّ من السماء احبّ اليّ من ان ندلّس حديثاً — ہم آسمان سے گر جانا پسند کرتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ حدیث میں تدلیس کریں۔

یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی بھی تدلیس کو بُرا سمجھتے تھے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ سعید بن عروبۃ نے حدیث کی سماعت حکم بن عُتَیبۃ سے کچھ بھی نہیں کی ہے اور نہ حماد، عمرو بن دینار، ہشام بن عُروۃ، اسمٰعیل بن ابی خالد، عبیداللہ بن عمر، ابو بشر، زید بن اسلم اور ابو الزناد میں سے کسی سے بھی حدیث کی سماعت کی ہے، لیکن وہ ان سب سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ

میں کوفہ آیا یہاں میں نے سوائے مسعر بن کدام اور شریک کے سب کو تدلیس کرتے ہوئے دیکھا۔

مانعین تدلیس کے مقابلہ میں اہل علم کا ایک طبقہ ہے جو تدلیس کی خبر کو مقبول قرار دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ تدلیس عدالت کو نہیں توڑتی ہے، اور یہ کہ تدلیس مراسیل کے قبیل سے ہے، یہ طبقہ کہتا ہے کہ اگر کوئی محدّث جس سے روایت کرتا ہے اس سے ملا نہیں ہے تو اس کی تدلیسی روایت مقبول نہ ہوگی، لیکن اگر لقا حاصل کرکے اور سماعت کرکے تدلیس کرتا ہے، اور جس سے روایت کرتا ہے وہ ثقہ بھی ہے تو ایسی تدلیس کی روایت مقبول ہوگی۔

محدّث ثوری حدیث کے امیر المؤمنین ہیں وہ بھی تدلیس سے روایت کرتے تھے، ابن عُیینہ، اعمش اور قتادہ بھی تدلیس کرتے تھے، ابن عُیینہ تدلیس کرتے وقت ثقہ راوی کا حوالہ دیدیتے تھے، بخلاف اعمش کے وہ تدلیس میں غیر شافی حوالہ دیتے تھے۔

شُعبہ کہتے ہیں کہ قتادہ جب ہم سے حدیث بیان کرتے تھے تو ہم پہچان جانتے تھے کہ کس حدیث میں سماعت کی ہے اور کس میں نہیں کی ہے، کیونکہ قتادہ سماعت والی حدیث میں ثنا انس، ثنا الحسن کہتے تھے یعنی ہم سے انس نے اور حسن بصری نے حدیث بیان کی ہے، اور جب وہ حدیث کی سماعت نہیں کرتے تھے تو کہتے تھے، قال سعید بن جبیر قال ابو قلابۃ، یعنی سعید بن جبیر نے اور ابو قلابۃ نے کہا۔

نیز شُعبہ کہتے ہیں کہ قتادہ سے حدیث کے لکھتے وقت ہم اُن کا مُنہ تکتے تھے، جب وہ کہتے "ثنا" یعنی اس نے ہم سے حدیث بیان کی تو ہم لکھتے تھے۔ اور جب وہ کہتے "حدّث" یعنی اس نے حدیث بیان کی، تو ہم نہیں لکھتے تھے (الکفایۃ)

حاکم نیشاپوری اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں لکھتے ہیں کہ اہل حجاز، حرمین، مصر، عوالی، اہل خراسان، الجبال، اصبہان، بلاد فارس، خوزستان، اور ماوراءالنہر کے علمائے حدیث تدلیس نہیں کرتے تھے، زیادہ تر محدثین کوفۃ تدلیس سے روایت کرتے تھے، اور بصرۃ کے تھوڑے اہل علم تدلیس کرتے تھے، اور بغداد میں صرف ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان باغندی واسطی تدلیس کرتے تھے، حاکم کے الفاظ باغندی کے متعلق یہ ہیں۔

فان أخذ احد من اهل بغداد التدلیس	اگر کسی نے بغداد میں تدلیس سے روایت کی ہے
فعن الباغندی وحدہ	تو صرف باغندی سے۔

باغندی تدلیس میں مشہور اور بدنام تھے۔

اسناد کی اہمیت

اسناد: مُسند متصل حدیث کے اتصالی سلسلہ کا نام ہے، حدیث کی روایت میں اسناد اصل ہے اس سے

حدیث کی صحت اور سقم کا علم ہوتا ہے۔

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے حضرت عثمان غنی خلیفۂ ثالث کے فتنۂ قتل تک کوئی کسی کی تکذیب نہیں کرتا تھا، کیونکہ لوگوں کے قلوب ایمان سے لبریز تھے، اور ہر شخص ثقہ اور قابل اعتماد سمجھا جاتا تھا، لیکن جب ۳۵ھ ہجری میں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا واقعہ رونما ہوا اور اس فتنہ نے مختلف گروہ اور فرقے پیدا کر دیئے اور اپنے دنیوی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے اہل اہواء اور اہل غرض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیثیں بنانی شروع کر دیں تو صحابہ اور تابعین اُن کی مقاومت اور مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور حدیث کی روایت میں اسناد کو لازم قرار دیا کیونکہ خبر میں سند کو وہی حیثیت حاصل ہے جس طرح سے کسی آدمی کے لئے نسب کی حیثیت ہوتی ہے، جلیل القدر تابعی محمد بن سیرین (۳۳ - ۱۱۰ھ) کا قول ہے کہ ابتدا میں لوگ اسناد کے متعلق پوچھا نہیں کرتے تھے، لیکن جب فتنۂ شہادت حضرت عثمان غنیؓ واقع ہوا تو لوگ کہنے لگے کہ تم اپنے راویوں کے نام بتاؤ رجال یعنی راویان حدیث کے نام معلوم کرنے کے بعد اگر وہ اہل سنت ہوتے تو اُن کی مروی حدیث قبول کی جاتی، اور اگر اہل بدعت ہوتے تو اُن کی مروی حدیث رد کر دی جاتی (۱)۔

ہشام بن عروۃ کا قول ہے:۔

اذا حدثک رجل بحدیث فقل عمن ھذا؟ (۲) — جب تم سے کوئی شخص حدیث بیان کرے تو تم پوچھو کس سے تم روایت کرتے ہو؟

امام زہری (۵۰ - ۱۲۴ھ) اسناد کے ساتھ حدیث بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے:۔

لا یصلح ان یرقی السطح الا بدرجۃ (۳) — چھت پر بغیر زینے کے چڑھنا مناسب نہیں ہے (یعنی اسناد حدیث میں بمنزلہ زینہ کے ہے۔)

امام اوزاعی کا قول ہے:۔

ما ذھاب العلم الا ذھاب الاسناد (۴) — اسناد کے چلے جانے سے علم (حدیث) بھی چلا جاتا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم مع شرح نووی ص ۱۴ ج ۱ از السنۃ قبل التدوین ص ۲۲۱ (۲) الجرح والتعدیل ص ۳۴ ج ۱ از السنۃ قبل التدوین (۳) از السنۃ قبل التدوین ص ۲۲۳ (۴) مقدمۃ التمہید ص ۵ اب از السنۃ قبل التدوین ص ۲۲۳

سفیان ثوری کا قول ہے:۔

الاسناد سلاح المؤمن فاذالم یکن معہ سلاح فبأی شئ یقاتل (۱)

اسناد مومن کا ہتھیار ہے ہتھیار نہ ہو تو وہ کس چیز سے لڑے گا۔

عبداللہ بن مبارک کا قول ہے:۔

الاسناد من الدین، ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء (۲)

اسناد دین میں داخل ہے، اگر اسناد نہ ہو تو ہر شخص جو چاہے کہے گا۔

اسناد کی پابندی کا اس قدر عمل تھا کہ ابو العالیۃ (مشہور محدث) کہتے ہیں کہ ہم بصرہ میں کسی صحابی کی مروی حدیث سنتے تھے تو اس وقت تک چین نہیں لیتے تھے جب تک سفر کر کے اس صحابی کے پاس پہونچ کے خود اُن کی زبان سے حدیث سُن نہ لیتے تھے۔

ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ امام شعبی نے ربیع بن خثیم سے یہ حدیث سُنی اور اس کے متعلق یہ تعریف سنی کہ جس نے دس بار یہ کلمہ پڑھا تو یہ چند یا ایک غلام کے آزاد کرنے کے برابر ہوگا، وہ کلمہ یہ ہے۔

لاالہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علی کل شئ قدیر۔

سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اُسی کا ملک ہے، اسی کے لئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

شعبی نے ربیع بن خثیم سے پوچھا تمہیں یہ حدیث کس نے سُنائی ہے؟ ربیع نے کہا عمرو بن میمون اودی نے، شعبی کہتے ہیں میں عمرو سے ملا اور دریافت کیا آپ نے یہ حدیث کس سے سُنی ہے؟ اُنہوں نے کہا ابو ایوب انصاری صحابی سے۔ (۳)

یحیٰ بن سعید کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ اسناد کے متعلق اتنی تفتیش اور چھان بین کی گئی (۴)

تابعین علم حدیث کے ساتھ ساتھ علم اسناد میں بھی کامل معرفت رکھتے تھے، ابو داود طیالسی کا بیان ہے ہم نے چار اشخاص کے پاس حدیث کو پایا وہ یہ ہیں زہری، قتادۃ، ابو اسحاق اور اعمش ان میں قتادۃ اختلاف حدیث کی

---

(۱) شرف اصحاب الحدیث مذہب مخطوطہ از السنۃ قبل التدوین ص۲۲۳ (۲) صحیح مسلم مع شرح نووی ص۱۲ ج ۱ از السنۃ قبل التدوین ص۲۲۳ (۳) مقدمۃ التمہید ابن عبدالبر ص۱۶ ب از السنۃ قبل التدوین ص۲۲۳ (۴) المحدث الفاصل ص۲۰ آ از السنۃ قبل التدوین

زیادہ واقفیت رکھتے تھے، زہری اسناد کے زیادہ عالم تھے، ابو اسحاق کو حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کی زیادہ واقفیت تھی، اور اعمش سب علوم کے جامع تھے۔(۱)

رفتہ رفتہ اسناد کی اہمیت عوام کے دلوں میں بھی جاگزیں ہو گئی تھی، اصمعی کا بیان ہے کہ میں مشہور محدث ابن عیینہ کے پاس موجود تھا اس وقت ایک اعرابی ان کے پاس آیا پہلے ان کی خیریت پوچھی، ابن عیینہ نے کہا خدا کا شکر ہے، خیریت ہے، پھر اعرابی نے سوال کیا کہ ایک حج کرنے والی عورت کو خانہ کعبہ کا طواف کرنے سے پہلے ماہواری آنے لگی اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ ابن عیینہ نے کہا سوائے خانہ کعبہ کے طواف کے حج کے تمام مناسک ادا کرے گی، اعرابی نے پوچھا کیا اس کا کوئی ثبوت ہے؟ سفیان بن عیینہ نے کہا ہاں، حضرت عائشہؓ کو خانہ کعبہ کے طواف سے پہلے ماہواری آ گئی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سوائے کعبہ کے طواف کے حج کے تمام ارکان ادا کرنے کا حکم دیا تھا اعرابی نے پوچھا اس کا کوئی اسناد بھی ہے؟ ابن عیینہ نے کہا ہاں، مجھ سے عبد الرحمٰن بن قاسم نے اور عبد الرحمٰن نے اپنے والد قاسم سے، اور قاسم نے حضرت عائشہؓ سے یہ روایت کی ہے، اس جواب سے اعرابی مطمئن ہو گیا، اور ابن عیینہ کو دعائیں دیں(۲)

المدائنی کا بیان ہے کہ ایک اعرابی نے ایک شخص سے بغیر اسناد کے حدیث سنی تو اعرابی نے کہا کیوں اسے بغیر لگام اور نکیل کے چھوڑ رکھا ہے؟

اس موقع پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جب تابعین اسناد متصل کے پابند تھے اور اس کا التزام کر رکھا تھا تو پھر وہ مراسیل کی روایت کیوں کرتے تھے؟ جواب یہ ہے کہ تابعین اکثر اختصار کے خیال سے مرسل روایت کرتے تھے لیکن جب ان سے اس کا اسناد طلب کیا جاتا تھا تو وہ اس وقت اس کا اسناد بیان کر دیتے تھے۔ چنانچہ ابن عبد البر اسناد متصل کی روایت کے سلسلے میں مالک بن انس کا واقعہ بیان کرتے ہیں، امام مالکؒ کا بیان ہے کہ ہم زہری اور محمد بن المنکدر کی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے، زہری کہتے تھے ابن عمر نے یہ اور یہ کہا ہے، ہم نے زہری سے دریافت کیا کہ آپ ابن عمر کی روایت کس نے بیان کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابن عمر کے بیٹے سالم نے۔

حبیب بن الشہید کا بیان ہے کہ مجھ سے محمد بن سیرین نے کہا کہ تم حسن بصری سے دریافت کرو کہ انہوں نے

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ صـ۱۰۸ ج ۱ (۲) الکفایۃ صـ۴۰۴

عقیقہ کی حدیث کس سے سُنی ہے؟ حسب ہدایت میں نے حسن بصری سے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ حدیث سمرۃ سے سُنی ہے، سمرۃ صحابی ہیں، حسن بصری اکثر کسی صحابی کا نام لئے بغیر مُرسل روایت کرتے تھے۔

معمر کا بیان ہے کہ ہم قتادۃ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، اور ہم کمسن تھے، جب قتادۃ سے حدیث کی سند دریافت کرتے تو ان کے پاس بیٹھے ہوئے مشائخ سند دریافت کرنے سے ہمیں روک دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ابوالخطاب (قتادۃ کی کنیت ہے) خود سند ہیں۔

شعبۃ کا بیان ہے کہ ہم قتادۃ کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، جب وہ کوئی حدیث بیان کرتے تو ہم کہتے تھے کہ اس کی سند کس طرح ہے؟ پاس والے مشائخ ہم سے کہتے کہ قتادۃ سند ہیں ہم خاموش ہو جاتے لیکن شرکت مجلس کی کثرت کے بعد جب ہمارے مرتبہ کا علم قتادۃ کو ہو گیا تو اُس کے بعد سے وہ ہم سے حدیث اسناد کے ساتھ بیان کرنے لگے، ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ ائمۂ حدیث اپنے شاگردوں کی کمسنی یا اور دوسرے موانع کی وجہ بغیر اسناد کے حدیث کی روایت کرتے تھے۔ لیکن جب موانع دور ہو جاتے تو وہ اسناد کے ساتھ حدیث کی روایت کرتے تھے تابعین کے عہد میں اسناد کی اتنی اہمیت تھی کہ بعض محدثین نے بغیر اسناد کی حدیث کی تشبیہ ایسے گھر سے دی ہے جس میں نہ چھت ہو اور نہ ستون ہو جسے نظم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

والعلم ان فاتہ اسنادُ مُسندہٖ　　کالبیت لیس لہ سَقف ولا طُنب

مسند حدیث کی روایت میں اگر سند نہ ہو　　تو وہ ایسے گھر کی مانند ہے جس میں نہ چھت ہو اور نہ خیمہ کی طناب ہو

تابعین اور علمائے حدیث نے اسناد کو اس لئے اہم قرار دیا تھا کہ وضّاعین (جھوٹی حدیث بنانے والے) کو موضوع حدیث کے بنانے کا موقع نہ ملے، اس لئے عہد تابعین کے ائمۂ حدیث صحیح، ضعیف اور موضوع احادیث کو زبانی یاد رکھتے تھے تاکہ صحیح اور غیر صحیح احادیث میں تمیز ہو سکے، جیسا کہ اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے یحیٰی بن معین کو جو دونوں باہم دوست تھے مقام صنعاء میں ایک گوشہ میں معمر کا صحیفہ لکھتے ہوئے دیکھا جس میں معمر کی روایت ابان سے اور ابان کی حضرت انسؓ سے تھی کوئی شخص یحیٰی بن معین کے پاس آتا تو وہ اُسے چھپا لیتے تھے، امام احمد بن حنبل نے یحیٰی بن معین سے کہا کہ تم معمر کا صحیفہ ابان کی روایت سے لکھ رہے ہو اور تم جانتے ہو کہ وہ صحیفہ جھوٹ کا طومار ہے اگر تم سے کوئی کہے کہ تم ابان پر کلام اور اعتراض کرتے ہو پھر بھی اس کی حدیث کو لکھتے ہو، تو کیا جواب دو گے؟ یحیٰی بن معین نے کہا اے ابو عبداللہ! (احمد بن حنبل کی کنیت ہے) تم پر اللہ رحم فرمائے میں یہ صحیفہ لکھ رہا ہوں عبدالرزاق کی روایت سے جو وہ معمر سے روایت کرتے ہیں اس کو میں زبانی یاد کر لوں گا اور میں

جان رہا ہوں کہ یہ موضوع ہے تاکہ کوئی شخص ابان کو ثابت کے نام سے بدل کر روایت نہ کرے اس وقت میں کہونگا تم جھوٹ بول رہے ہو معمر ابان سے روایت کرتے ہیں ثابت سے نہیں۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام سُنن اور احکام کی بابت بیان کرتے ہیں تو اسانید میں تشدد برتتے ہیں لیکن جب ہم فضائلِ اعمال اور غیر احکام کے متعلق روایت کرتے ہیں تو اسانید میں تساہل برتتے ہیں۔

شعبہ کہتے ہیں کہ جس علم (حدیث) میں اخبرنا اور حدثنا نہ ہو وہ خَل اور تُفل ہے یعنی سرکہ اور پھوک ہے۔ بعض روایت میں تُفل کی جگہ بقل ہے یعنی سبزی و ترکاری۔

اسناد اور مسند کی کچھ شرطیں اور اصطلاحات

۱۔ ایک شرط یہ ہے کہ اسناد میں اُخبرتُ عن فلان، حُدِّثتُ، بلغنی، رفعہ فلان اُظنُّہ مرفوعاً کے الفاظ میں سے کوئی نہ ہو اور محدث اپنے جس شیخ سے روایت کرتا ہو اس سے سماع اس طرح ہو کہ عمر کا احتمال بھی ہو اور اس کے شیخ کا سماع اپنے شیخ سے ہو یہاں تک کہ یہ اسناد کسی مشہور صحابی تک جا پہونچے اور صحابی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اسناد پہونچ جائے،

۲۔ اسناد اور مُسند کی ایک قسم یہ ہے کہ کوئی صحابی جس کی صحبت معروف اور مشہور ہو یہ کہے اُمِرنا بکذا (ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے) نُہینا عن کذا (ہمیں اس سے منع کیا گیا ہے) کُنّا نؤمر بکذا (ہمیں اس کا حکم دیا جاتا تھا) وننہی عن کذا (اور ہمیں اس سے منع کیا جاتا تھا) کُنّا نفعل (ہم یہ کیا کرتے تھے) کُنّا نقول ورسول اللہ فینا (ہم یہ کہا کرتے تھے اور رسول اللہ ہم میں موجود تھے) کُنّا لانری باساً بکذا (ہم اس میں کوئی اندیشہ نہیں دیکھتے تھے) کان یُقال بکذا (ایسا کہا جاتا تھا) عن السُنّۃ بکذا (سُنت میں ایسا ہی ہے) جب اس قسم کے الفاظ اور جملے کسی ایسے صحابی سے صادر ہوں جس کی صحبتِ نبی مشہور ہو تو وہ مُسند حدیث ہے اور اُس کی تخریج مُسند احادیث میں شمار ہوگی۔

۳۔ مُسند کی ایک قسم "مُعنعَن" ہے، اس قسم کا نام "عَنعَنہ" ہے جو عَن سے حدیث شروع کی جائے جیسے کوئی راوی یہ کہے حدثنا فلان عن فلانٍ عن فلانٍ یعنی فلاں شخص نے فلاں شخص سے اور فلاں نے فلاں شخص سے روایت کی ہے اور اس میں سماع کا کوئی طریقہ مذکور نہ ہو ایسی صورت میں اگر حدیث کے سب راویان قابل وثوق ہیں اور صدق کے ساتھ مشہور ہیں اور تدلیس کی نسبت ان کی طرف نہیں ہے اور نہ تدلیس اُن کے مسلک میں داخل ہے تو اُن کی روایت بھی مقبول اور معمول بہ ہے۔

۴۔ مسند کی ایک قسم کا نام مسلسل ہے یہ محدثین کی اصطلاح ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث کے سامع کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور حالت کے روایت میں اول سے آخر تک تمام راویان کیفیت کی ادا میں مشترک ہوں مثلاً روایت کرتے کے وقت داڑھی پکڑنے کی حالت ہو۔ جیسے حدثنی فلان ویدہ علی لحیتہ قال وحدثنی فلان ویدہ علی لحیتہ قال وحدثنی فلان ویدہ علی لحیتہ۔ مجھ سے فلاں شخص نے حدیث بیان کی اس وقت اس کا ہاتھ اس کی ڈاڑھی پر تھا اور فلاں نے مجھ سے حدیث بیان کی اس وقت اس کا ہاتھ اس کی ڈاڑھی پر تھا اور فلاں شخص نے مجھ سے حدیث بیان کی اس وقت اس کا ہاتھ اس کی ڈاڑھی پر تھا۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک روایت ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک حدیث ارشاد فرماتے وقت آپ کی ریش مبارک پر تھا اس کیفیت کو اول سے آخر تک تمام راویان حدیث نے برقرار رکھا۔

اسناد عالی اور نازل

نیز اسناد کی دو قسمیں اور ہیں جن کا نام ہے عالی اور نازل، اسناد عالی کی طلب مسنون ہے جس کی دلیل یہ ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اونٹ پر سوار ہو کے آیا اور سواری سے اترنے کے بعد آپ کو مخاطب کر کے پوچھا

یا محمد أتانا رسولک فزعم انک تزعم ان اللہ ارسلک۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا ایلچی ہمارے پاس آیا اس کا خیال ہے کہ آپ کا گمان ہے کہ اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا۔

آپ نے اس بدوی کے سوال کی تصدیق کی یہ مطول حدیث صحیح مسلم میں ہے، اس بدوی کو جس کا نام ضمام ابن ثعلبہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کی بات کو سنکر اکتفا کر لینا چاہئے تھا لیکن وہ درمیانی واسطے کو چھوڑ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچا اور اپنے تمام سوالات کی تصدیق حاصل کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو برا نہیں خیال فرمایا، اسناد عالی کی طلب کی مثال میں محدثین اسی حدیث کو پیش کرتے ہیں۔

علو اسناد کی چند صورتیں

۱۔ جس میں راویوں کے عدد میں کمی کا لحاظ کیا جائے۔

۲۔ جس میں ثقہ راویوں کا خیال کیا جائے۔

۳۔ جس میں فقیہ راوی ہوں اسے ترجیح دی جائے۔

۴۔ جس میں مشہور راوی ہوں۔

۵۔ جس میں تمام مذکورہ اوصاف یا اکثر اوصاف پائے جائیں۔

راویوں کے عدد میں کمی کی مثال بخاری کی ثلاثیات ہیں، بخاری نے اپنے ثلاثیات کی جن راویوں سے روایت کی ہے اُن کی تعداد تین ہے۔

راویوں کے ثقہ کا مطلب یہ ہے کہ رُواۃ صدق میں معروف، امانت، صحت نقل اور روایت میں مشہور ہوں ان میں کسی طرح کی تہمت، جرح اور شک کی گنجائش نہ ہو جیسے امام بخاری اور امام مسلم کے مشائخ ہیں جن سے ان دونوں نے اپنی صحاح کی کتابوں میں احادیث کی تخریج کی ہے، اگرچہ راویوں کی تعداد زیادہ ہو پھر بھی ان کا اسناد عالی سمجھا جائے گا۔

فقیہ راویوں کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے سب راوی یا بعض راوی فقیہ ہوں، جیسے سعید بن المسیب محمد بن شہاب زہری، سفیان ثوری اور مالک بن انس اور ان کے جیسے فقیہ ائمہ ہیں، اگر ان لوگوں کے طریقے سے حدیث مروی ہو تو وہ عالی ہے اگرچہ راویوں کی تعداد زیادہ ہو۔

علی بن خشرم سے وکیع نے پوچھا کہ دو اسنادوں میں سے کون سا اسناد آپ کے نزدیک محبوب ہے؟

۱۔ الاعمش عن ابی وائل عن عبداللہ بن مسعودؓ۔ یا

۲۔ سفیان عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ بن مسعودؓ۔

علی بن خشرم نے کہا الاعمش عن ابی وائل عن عبداللہ ابن مسعود۔ کیونکہ اس میں راویوں کی تعداد کم ہے۔ وکیع نے کہا سبحان اللہ! الاعمش شیخ ہیں، ابو وائل شیخ ہیں، اس کے مقابلے میں سفیان فقیہ ہیں، منصور فقیہ ہیں، ابراہیم فقیہ ہیں، علقمہ فقیہ ہیں اس بنا پر جو حدیث فقہاء کے درمیان میں متداول ہو وہ شیوخ کی متداول حدیث سے بہتر سمجھی جاتی ہے، کیونکہ شیوخ سے فقہاء کا درجہ زیادہ ہے اگرچہ فقہاء کے طریقہ سے ابن مسعود تک راویوں کی تعداد رُباعی ہے اور شیوخ کے طریقے سے ثنائی ہے پھر بھی رُباعی کو فقہ رجال کی وجہ سے ثنائی پر مقدم رکھا جاتا ہے۔

اسناد کی وہ صورت جس میں راوی مشہور ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ راوی خود بھی مشہور ہو اور جس سے

روایت کرتا ہے وہ بھی مشہور ہوں جیسے علقمہ، اور ابو وائل ہیں جو ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں، اور قاسم ابن محمد اور عروۃ ہیں جو حضرت عائشہ رضی سے روایت کرتے ہیں، اسی طرح ابراہیم روایت کرتے ہیں علقمہ سے اور ہشام روایت کرتے ہیں عروۃ سے اسی قسم کے اور دوسرے راوی ہیں یہ سب مشہور ہیں اور یہ لوگ جن سے روایت کرتے ہیں وہ بھی مشہور ہیں اسی لئے ایسے راویوں کے اسناد کو عالی کہیں گے، اگرچہ ان کی روایت میں رجال کی کثرت ہو۔

ان تمام صورتوں اور مراتب میں اسناد کا اعلیٰ مرتبہ کون ہے اس میں اختلاف ہے، ہر محدث اپنے نظریہ کی طرف مائل ہوتا ہے، اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ وہ اسناد زیادہ عالی ہے جس میں یہ تمام اوصاف ہوں پھر جس میں فقہاء ہوں، پھر جس میں ثقات ہوں، پھر جس میں عدد کی کمی ہو جبکہ تمام اوصاف نہ ہوں۔

ان مذکورہ باتوں سے جس نے عالی اسناد کو سمجھ لیا ہے اس کے لئے نازل اسناد کا سمجھنا آسان ہے کیونکہ نازل عالی کی ضد ہے۔

مسند متصل کی مثال

مسند متصل کی مثال حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں لکھی ہے وہ یہ ہے۔

حدثنا ابو عمرو عثمان بن احمد السماک ببغداد ثنا الحسن بن مکرم ثنا عثمان بن عمر اخبرنا یونس عن الزہری عن عبد اللہ بن کعب بن مالک عن ابیہ انہ تقاضی ابن ابی حدرد دیناً کان علیہ فی المسجد فارتفعت اصواتہما حتی سمعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخرج حتی کشف ستر حجرتہ فقال یا کعب ضع من دینک ھذا واشار الیہ ای الشطر فقال نعم فقضاہ۔

کعب بن مالک نے مسجد نبوی میں ابن حدرد سے اپنے قرض کی ادائی کا مطالبہ کیا جو اس پر واجب الادا تھا اس مطالبہ میں دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنیں باہر آنے کے لئے اپنے حجرے کا پردہ اٹھایا اور فرمایا کعب! اپنے قرض میں سے اتنا کم کر دو اور اشارہ کیا کہ آدھا کم کر دو، کعب نے کہا بہتر، ابن ابی حدرد نے قرض ادا کر دیا

حاکم نیشاپوری اس حدیث کے راویوں کی اس طرح تخریج کرتے ہیں کہ میری سماعت ابن السماک سے اور ان کی سماعت حسن بن مکرم سے اور ان کی عثمان بن عمر سے اور ان کی یونس بن یزید سے اور ان کی زہری سے اور ان کی ابن کعب بن مالک سے اور ابن کعب کی اپنے والد سے اور کعب بن مالک کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماعت

اور صحبت معروف اور مشہور ہے اس لئے یہ حدیث مسند متصل ہے۔

اس کے برخلاف ایک حدیث کی روایت ہے جو بظاہر دیکھنے میں مسند متصل معلوم ہوتی ہے لیکن وہ منقطع ہے اس کی مثال حاکم نے دی ہے وہ یہ ہے۔

حدثنا ابو عبداللہ محمد بن علی الصنعانی بمکة ثنا الحسن بن عبد الاعلی الصنعانی ثنا عبدالرزاق انا معمر عن محمد بن واسع عن ابی صالح عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اقال نادما اقال اللہ نفسہ یوم القیامة ومن کشف عن مسلم کربة کشف اللہ عنہ کربة من کرب یوم القیامة واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی نادم شخص کو معاف کردے اللہ بھی اس کے قصور کو بروز قیامت معاف کردے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے اللہ بھی اس کے قیامت کے مصائب میں سے اس کی مصیبت کو دور کردے گا، اللہ اپنے بندے کی مدد اس وقت تک کرتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

امام حاکم نیساپوری فرماتے ہیں جو حضرات اس صنعت علم الرجال سے واقف نہیں ہوتے ہیں وہ اس حدیث کی سند اور صحت میں کبھی شک نہیں کرتے حالانکہ اس کی سند ایسی نہیں ہے کیونکہ اس کے راویوں میں معمر بن راشد الصنعانی ثقہ اور مامون تو ہیں مگر ان کی سماعت محمد بن واسع سے نہیں ہے، اس طرح محمد بن واسع ثقہ اور مامون ہیں لیکن ان کی سماعت ابو صالح سے ثابت نہیں ہے اس کی سند میں دو جگہ انقطاع ہے اس لئے یہ حدیث مسند متصل نہیں ہے، نیز حاکم نے فرمایا اس حدیث کی روایت میں دو جگہ علت ہے جس کی تشریح مطول ہے اس لئے اس کی علت کو بیان نہیں کیا۔

مسند حدیث کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ موقوف ہو نہ مرسل، اور نہ معضل اور اس کی روایت میں کوئی مدلس بھی نہیں ہو۔

اصح الاسانید کون سے ہے؟

معرفت علوم الحدیث میں امام حاکم نیساپوری کہتے ہیں کہ اصح الاسانید کے بارے میں ائمہ حدیث

کا اختلاف ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ محمد بن اسماعیل بخاری کا قول ہے کہ اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔

اور ابو ہریرہ کی روایت میں اصح الاسانید ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ہے۔

۲۔ ابو بکر بن ابی شیبۃ کا قول ہے اصح الاسانید الزہری عن علی بن الحسین عن ابیہ عن علیؓ ہے۔

۳۔ عمرو بن علی کا قول ہے اصح الاسانید محمد بن سیرین عن عبیدۃ عن علی ہے۔

۴۔ سلیمان بن داؤد کا قول ہے اصح الاسانید یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ ہے۔

۵۔ اسحاق بن ابراہیم الحنظلی کا قول ہے اصح الاسانید الزہری عن سالم عن ابیہ ہے۔

حجاج بن الشاعر کا بیان ہے کہ ایک روز احمد بن حنبل یحییٰ بن معین اور علی بن المدینی کا ایک جماعت کے ساتھ اجتماع ہوا، اس اجتماع میں اجود الاسانید کا بیان ہونے لگا۔

۶۔ اس جماعت کے ایک شخص نے کہا اجود الاسانید شعبۃ عن قتادۃ عن سعید بن المسیب عن عامر اخی ام سلمۃ عن ام سلمۃ ہے۔

۷۔ علی بن المدینی نے کہا، اجود الاسانید ابن عون عن محمد عن عبیدۃ عن علی ہے۔

۸۔ احمد بن حنبل نے کہا، اجود الاسانید الزہری عن سالم عن ابیہ ہے۔

۹۔ یحییٰ بن معین نے کہا، اجود الاسانید الاعمش عن ابراہیم عن علقمۃ عن عبداللہؓ ہے۔

امام حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں کہ ان ائمہ حفاظ نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اصح الاسانید کے بارے میں رائے ظاہر کی ہیں نیز وہ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ ہر صحابی کے راویوں میں تابعین ہیں اور ان تابعین کے اتباع ہیں جن میں اکثر رواۃ ثقہ ہیں اس لیے کسی صحابی کی روایت کے سلسلے میں اصح الاسانید کا قطعی فیصلہ ناممکن ہے۔

امام حاکم کہتے ہیں کہ میری اپنی ذاتی رائے یہ ہے، اللہ توفیق عطا فرمائے کہ:۔

۱۔ اہل بیت میں اصح الاسانید جعفر بن محمد (الباقر) عن ابیہ عن جدہ عن علی ہے بشرطیکہ جعفر کے راوی ثقہ ہوں۔

۲۔ حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی روایت میں اصح الاسانید اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن ابی بکرؓ ہے۔

۳۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کی روایت میں اصح الاسانید الزہری عن سالم عن ابیہ عن جدہ ہے۔

۴۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں اصح الاسانید الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرۃ ہے۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمرؓ ہے

۷۔ حضرت عائشہؓ کی روایت میں اصح الاسانید عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن القاسم بن محمد بن ابی بکر عن عائشہؓ ہے نیز حضرت عائشہؓ کی روایت میں اصح الاسانید الزہری عن عروۃ عن عائشہؓ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت میں اصح الاسانید سفیان بن سعید الثوری عن منصور بن المعتمر عن ابراہیم بن یزید النخعی عن علقمہ عن عبد اللہ بن مسعودؓ ہے۔

۸۔ حضرت انسؓ کی روایت میں اصح الاسانید مالک بن انس عن الزہری عن انسؓ ہے۔

۹۔ مکیین کی اصح الاسانید میں سفیان بن عیینۃ عن عمرو بن دینار عن جابرؓ ہے۔

۱۰۔ یمانیین کی اصح الاسانید میں معمر عن ہمام بن منبہ عن ابی ہریرۃؓ ہے۔

۱۱۔ مصریین کے اثبت اسناد میں لیث بن سعد عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الخیر عن عقبۃ بن عامر الجہنی ہے۔

۱۲۔ شامیین کے اثبت اسناد میں عبد الرحمٰن بن عمرو الاوزاعی عن حسان بن عطیہ عن الصحابۃ ہے۔

۱۳۔ خراسانیین کے اثبت اسناد میں الحسین بن واقد عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ ہے، بریدۃ بن حصیب شہر مرو میں مدفون ہیں۔

حاکم تحریر فرماتے ہیں کہ یہاں چند اصح الاسانید کا بیان بطور مثال کے کیا گیا ہے ورنہ اصح الاسانید اور بھی بہت ہیں۔

مرسل کی بحث

مرسل حدیث وہ ہے کہ کوئی محدث متصل اسانید کے ساتھ تابعی تک روایت کرے جس کے بعد تابعی کہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی تابعی درمیان میں کسی صحابی کا نام لئے بغیر سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دے اس طرح سے سند بیان کرنے کو ارسال اور حدیث کو مرسل کہتے ہیں۔

مختلف شہروں میں حدیث مرسل روایت کرنے میں جو محدث زیادہ مشہور ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ اہل مدینہ میں سعید بن المسیب۔

۲۔ اہل مکہ میں عطاء بن ابی رباح۔

۳۔ اہل مصر میں سعید بن ابی ہلال

۴۔ اہل شام میں مکحول دمشقی۔

۵۔ اہل بصرۃ میں الحسن البصری۔

۶۔ اہل کوفہ میں ابراہیم بن یزید نخعی۔

تمام مراسیل میں صحیح تر سعید بن المسیب کے مراسیل ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ سعید صحابی کی اولاد سے ہیں ان کے

والد مسیب بن حزن اصحابِ شجرۃ اور بیعتہ الرضوان سے ہیں، سعید نے عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور ان کے بعد کے عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا ہے، تابعین میں سوائے سعید اور قیس بن ابی حازم کے کوئی بھی نہیں ہے جس نے ان سب صحابہ کا زمانہ پایا ہو اور ان سے حدیث کی سماعت کی ہو، اس کے علاوہ سعید فقیہ ہیں اور حجاز کے فقہائے سبعہ میں ایک ہیں یحییٰ بن معین جو رجالِ حدیث کے بڑے ناقد ہیں، کہتے ہیں کہ صحیح تر سعید بن المسیب کے مراسیل ہیں، نیز تمام ائمہ متقدمین نے ان کے مراسیل کو بغور دیکھا اور جانچا تو ان کے مراسیل کے اسناد کو صحیح پایا۔

مراسیل کے قبول کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے، ابو حنیفہؒ مالک بن انسؒ ابراہیم نخعی، حماد بن ابی سلیمان، ابو یوسف، محمد بن الحسن اور ان کے بعد کے کوفہ کے ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ مراسیل مقبول اور قابلِ حجت ہیں، اس کے مقابلہ میں تمام اہلِ حدیث یا ان کا بڑا طبقہ مراسیل کو واہی اور ناقابلِ حجت قرار دیتا ہے اور اسی کی طرف امام شافعی اور امام احمد بن حنبل گئے ہیں۔

جو لوگ مراسیل کو رد کرتے ہیں ان میں بھی ایسے لوگ ہیں جو صحابی کے مرسل کو قبول کرتے ہیں کیونکہ صحابی دوسرے صحابی سے روایت کرتے ہیں اور سب صحابی عدول ہیں۔

امام شافعی کا یہ قول بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صرف سعید بن المسیب کے مراسیل کو قبول کرتے ہیں کیونکہ وہ مسند کے برابر ہیں۔

مراسیل کے رد کرنے کے بارے میں مختار قول یہ ہے کہ تابعی اور صحابی کے متعلق صراحت سے یہ معلوم ہو جائے کہ وہ صرف صحابی ہی سے راوی ہے تو اس کا مرسل مقبول ہوگا اور اگر بالتصریح نہ معلوم ہو تو مرسل مقبول نہ ہوگا کیونکہ کبھی تابعی اعرابی سے روایت کر دیتا ہے جسے صحبت نبوی حاصل نہیں ہوتی ہے۔

(حسن بصریؒ سے یونس بن عبید نے پوچھا کہ آپ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کے روایت کرتے ہیں (یعنی مرسل حدیث) حالانکہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا ہے، حضرت حسن بصریؒ نے جواب دیا آپ نے مجھ سے ایسی بات پوچھی ہے کہ آج تک کسی نے یہ بات نہیں پوچھی ہے، اگر آپ کی قدر و منزلت میرے نزدیک نہیں ہوتی تو میں نہیں ظاہر کرتا، بات یہ ہے کہ میں ایسے زمانہ میں ہوں کہ حضرت علی کا نام نہیں لے سکتا (یعنی حجاج کا زمانہ جو حضرت علیؓ کا سخت مخالف تھا) جب میں حدیث کی روایت میں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہوں تو سمجھ لو وہ روایت حضرت علیؓ سے ہے) (مقدمۃ الحفاظ)

موقوف کی بحث

موقوف وہ حدیث ہے جس کے اسناد کا سلسلہ اتصال کے ساتھ کسی صحابی تک جاکر رک جائے موقوف کی کئی قسمیں ہیں:۔ ۱۔ ایک قسم یہ ہے کہ حدیث مسند کسی صحابی تک روایت کی جائے اور راوی کہے

انہ کان یقول کذا	وہ صحابی ایسا کہتے تھے
یا کان یفعل کذا	وہ صحابی اس طرح کرتے تھے
یا کان یامر بکذا او کذا	وہ صحابی ایسا یا ایسا حکم دیتے تھے، اور اس طرح کے الفاظ ہوں۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے۔ صحابی سے پہلے کسی راوی پر روایت رک جائے مثلاً حدیث کا کوئی راوی یہ کہے قال ابن مسعودؓ، لیکن اس راوی نے حضرت ابن مسعودؓ صحابی کا زمانہ نہ پایا ہے تو یہ روایت اس راوی پر موقوف ہوگی، اگرچہ اس میں ابن مسعود صحابی کا نام موجود ہے، یہ مرسل کی ایک قسم ہے اور منقطع کی بھی ایک قسم ہوئی اس میں راوی اور صحابی کے درمیان میں انقطاع واقع ہوا ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ روایت کسی راوی پر موقوف ہو حالانکہ دراصل وہ مسند ہے کسی نے درمیان میں اسناد کے سلسلے کو روک دیا ہے اور مرفوع نہیں کیا، حاکم نے اس کی مثال یہ دی ہے:۔

حدثنا ابو زکریا یحییٰ بن محمد العنبری ثنا ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم العبدی ثنا امیۃ بن بسطام ثنا یزید بن زریع ثنا روح بن القاسم ثنا منصور عن ربعی بن حراش عن ابی مسعود قال انما حفظ الناس من اخر النبوۃ اذا لم تستحی فاصنع ما شئت۔

لوگوں کی حفاظت نبوۃ کی آخری بات میں سے ہے اگر تجھ میں حیا نہیں تو تو جو چاہے کر۔

حاکم کہتے ہیں کہ اس حدیث کو ثوری اور شعبۃ وغیرہ نے منصور سے بطریق مسند بیان کیا ہے لیکن روح ابن القاسم نے اسے محدود کر کے موقوف کر دیا ہے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ روایت کے الفاظ سے وہم ہوتا ہے کہ حدیث مسند ہے حالانکہ وہ مسند نہیں ہے بلکہ موقوف ہے جیسے مغیرۃ بن شعبہ کی روایت ہے۔

قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرعون بابہ بالاظافیر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کے دروازے کو ناخنوں سے کھٹکھٹاتے تھے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے وہم ہوتا ہے کہ مُسند ہے حالانکہ یہ مسند نہیں ہے یہ صحابی پر موقوف ہے جو وہ اپنے دوسرے اقران اور ہم جنس صحابہ کے فعل کی حکایت کر رہے ہیں۔

مُعضل کی بحث

مُعضل وہ روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ اسناد میں تابعی سے نیچے دو راویوں کا ارسال ہو یعنی دو راویوں کے اسناد مذکور نہ ہوں اس طریقے کی روایت کو اعضال کہتے ہیں۔ جس کی مثال حاکم نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں یہ دی ہے:-

حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب انا محمد بن عبد اللہ ابن عبد الحکم ثنا ابن وھب اخبرنی

مخرمۃ بن بکیر عن ابیہ عن عمرو بن شعیب	اُحد کی جنگ میں ایک غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
قال قاتل عبدٌ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا آپ نے اس غلام سے دریافت
یوم اُحد فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	فرمایا کیا تیرے آقا نے تجھے جنگ کرنے کی اجازت دی ہے
اذن لک سیدک؟ قال: لا: فقال لو قُتلت	اُس نے کہا نہیں: آپ نے فرمایا اگر تو مارا گیا تو آگ میں
لدخلت النار قال سیدہ، فھو حُرٌّ یا رسول اللہ	ڈالا جائے گا اس کے آقا نے اسی وقت کہا وہ آزاد
فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الآن فقاتل	کر دیا گیا یا رسول اللہ آپ نے فرمایا اب تو جنگ کر۔

اس حدیث میں عمرو بن شعیب نے اعضال کیا ہے۔

عمرو کا نسب یہ ہے: عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص، عبد اللہ بن عمرو بن العاص مشہور صحابی ہیں عمرو نے روایت میں نہ شعیب سے اسناد کا اور نہ اس کے بعد کے اسناد کا ذکر کیا ہے اس لئے یہ حدیث مُعضل ہے اور کسی طریق سے اس کے وصل اور ارسال کا علم نہیں ہوا ہے، محدثین کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ ابو عمر شعیب نے اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت نہیں کی ہے جس کی وجہ سے بعض فقہی مسائل میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے ذریعہ حدیث کی روایت کو محدثین مرفوع تسلیم نہیں کرتے ہیں لیکن امام ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کے ترجمہ میں لکھا ہے۔

حدث عنہ ابو عمرو شعیب بن محمد حفیدہ ۔	حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے ان کے پوتے
	ابو عمرو شعیب بن محمد نے حدیث کی روایت کی ہے۔

سه جہاد جب حدود میں فرض کفایہ ہے وہاں تک تو یہ حکم واجب التعمیل ہے لیکن جب جہاد فرض عین ہوا ...

امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں لکھتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی روایت جو دوسری روایت کے مشابہ ہو وہ معضل ہو کیونکہ کبھی اتباع تابعین اور ان کے اتباع ایک وقت میں حدیث کو اعضال کے طور پر روایت کرتے ہیں پھر اسی حدیث کو دوسرے وقت میں موصول یا مرسل روایت کرتے ہیں جیسے

انا ابو بکر بن ابی نصر الداربردی بمرو ثنا احمد بن محمد بن عیسی القاضی ثنا القعنبی عن مالک انہ قد بلغہ ان ابا ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للمملوک طعامہ وکسوتہ بالمعروف ولا یکلف من العمل الا ما یطیق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مملوک غلام کے لیے کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہو اور اس سے کام طاقت سے زیادہ نہ لیا جائے۔

یہ حدیث روایت کے لحاظ سے معضل ہے، امام مالک نے اپنی کتاب مؤطا میں اسی طرح بیان کیا ہے لیکن انہوں نے مؤطا سے باہر اس حدیث کی روایت موصول طریقے سے کی ہے وہ یہ ہے۔

اخبرنا ابو الطیب محمد بن عبد اللہ الشعیری حدثنا محمش بن عصام المعدل ثنا حفص بن عبد اللہ ثنا ابراھیم بن طھمان عن مالک بن انس عن محمد ابن عجلان عن ابیہ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للمملوک طعامہ وکسوتہ بالمعروف ولا یکلف من العمل الا ما یطیق۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مملوک غلام کے لئے کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ہو اور اس سے کام طاقت سے زیادہ نہ لیا جائے۔

اس روایت میں امام مالک نے محمد بن عجلان اور ان کے والد عجلان کا اضافہ کرکے روایت کو مرفوع کردیا ہے اس لئے ایسی حدیث کی روایت میں جس میں راوی نے ایک وقت میں اعضال کرکے اور پھر دوسرے وقت میں بطریق وصل کے بیان کیا ہے تمیز کرنا چاہیئے۔

رواۃ کے احوال سے علم جرح و تعدیل کی بنیاد پڑی

صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین راویان حدیث کے احوال معلوم کرنے کو ضروری سمجھتے تھے تاکہ ان کے جھوٹ اور سچ کا پتہ چل سکے۔ اس لئے وہ راویوں کے حالات زندگی، تاریخ ولادت، تاریخ وفات کے معلوم کرنے کی کوشش کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ ان میں احفظ اور اضبط کون ہے اور شیخ کی صحبت

ہیں کتنے دنوں تک وابستہ رہے، ان کا علمی سفر کس قدر تھا، کس کس صحابی اور اپنے اوپر کے راویوں سے ملے اور کہاں ملے۔

سفیان ثوری کہتے ہیں:۔

لما استعمل الرواة الکذب استعملنا لھم التاریخ۔ جب راویوں نے کذب کا سلسلہ شروع کیا تو ہم نے اُن کی تاریخ لکھنی شروع کی۔

محدثین حدیث کی روایت میں اپنے باپ بھائی اور بیٹے کی بھی پروا نہیں کرتے تھے، اگر ان میں کوئی عیب ہوتا تو وہ ظاہر کر دیتے تھے، اور اُن سے حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے، چنانچہ زید بن اُنیسہ نے کہا میرے بھائی سے حدیث کی روایت نہ کرو، کسی نے علی بن المدینی سے اُن کے باپ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا، میرے باپ کے متعلق دوسروں سے سوال کرو، پھر دوبارہ اُن کے باپ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اپنا سر جھکا لیا پھر سر اٹھا کے کہا یہ دین کی بات ہے، میرے باپ ضعیف راوی ہیں۔

وکیع بن الجراح کے والد چونکہ بیت المال میں ملازم تھے اس لئے بنظر احتیاط جب اُن سے حدیث کی روایت کرتے تو دوسرے شریک راوی کو بھی اپنے باپ کے نام کے ساتھ ملا لیتے تھے۔

محدثین اپنے طلبہ اور اخوان سے کہتے تھے کہ راویوں کے حالات بیان کیا کرو اور اُن کی غلطیوں کو اچھی طرح سے ظاہر کرو اور جو حدیث میں متہم ہیں اُن کا حال بھی معلوم کر کے بیان کرو۔

عبدالرحمٰن بن مہدی مشہور محدث کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ، ابن المبارک، سفیان ثوری اور مالک بن انس سے ایک شخص کے متعلق جو حدیث میں متہم بالکذب تھا پوچھا تو ان سب نے کہا کہ اس شخص کے کذب کی خوب تشہیر کی جائے کیونکہ یہ دین کی بات ہے (۱)

طلاب علم ائمہ کو خط لکھ کے رُواۃ کے متعلق دریافت کیا کرتے تھے، چنانچہ امام مسلم اپنے اسناد سے عبیداللہ بن معاذ عنبری سے روایت کرتے ہیں کہ عبیداللہ کے والد نے شعبہ کو خط لکھ کے ابو شیبہ قاضی واسط کے متعلق دریافت کیا، شعبہ نے جواب دیا کہ اُن سے روایت حدیث کی کتابت نہ کرو اور میرا یہ خط چاک کر دینا۔

نقاد (یعنی ناقدین) حدیث کا حال یہ تھا کہ وہ رجالِ حدیث کے بارے میں جو حکم دیتے تھے اس میں بہت زیادہ

---

(۱) مقدمۃ التمہید ... [illegible]

تحقیق و تدقیق سے کام لیتے تھے، اور ہر محدث کے ماله وما علیه سے واقف ہوتے تھے۔

۵. محدث شعبی کا بیان ہے کہ بخدا اگر میں ننانوے دفعہ درستی سے کام کروں اور صرف ایک دفعہ غلطی کروں تو لوگ میری اسی ایک غلطی کو شمار کریں گے۔

۶. نقادِ حدیث شریعت اسلامی کی خدمت کی خاطر خالصاً لوجہ اللہ خدمت انجام دیتے تھے، دُنیا کے طمطراق انہیں کبھی دھوکے نہیں دے سکتے تھے، اُن کا ضمیر نہایت پاک ہوتا تھا وہ حق و باطل کے بیان کرنے میں بے باک تھے۔

ابوبکر بن خلّاد کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان سے کہا کیا آپ کو اس کا خوف نہیں ہے کہ آپ نے جن لوگوں کی حدیثیں ترک کر دی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی مخاصمت کریں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے خصومت کریں بہ نسبت اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصومت مجھ سے ہو، اور آپ سوال فرمائیں کہ تو نے میری حدیث جھوٹ جان کے بھی روایت کی۔ اس طرح سے علم جرح و تعدیل کی بنیاد بڑے بڑے صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین نے کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرتے ہوئے شریعت کی روشنی میں رکھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

یاایها الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علیٰ ما فعلتم نادمین	اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی بدکار آدمی خبر لائے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم پر نادانی سے ٹوٹ پڑو اور پھر تمہیں اپنے فعل پر نادم ہونا پڑے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کی جرح میں فرمایا:۔

بئس اخو العشیرة	یہ اپنے قبیلہ کا بُرا آدمی ہے

اور تعدیل میں فرمایا:۔

انّ عبد الله رجلٌ صالح	بیشک عبد اللہ صالح آدمی ہے۔

۷. فاطمہ بنت قیس کو جب اُس کے شوہر ابو عمرو بن حفص نے طلاق دیدی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عدت گزر جانے کے بعد آئی اور کہا کہ معاویہ بن ابو سفیان اور ابو جہم نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ابو جہم کا ڈنڈا اس کے کندھے سے اترتا ہی نہیں ہے، رہ گئے معاویہ تو وہ فقیر بے زر ہیں، اس لئے تم اُسامہ بن زید سے نکاح کر لو چنانچہ فاطمہ بنت قیس نے اسامہ سے نکاح کیا اور خوش خوش رہنے لگی۔

اس حدیث میں ابوجہم اور معاویہ بن ابوسفیان میں جو قابل جرح بات تھی بیان کی گئی ہے۔

ان واضح دلائل سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ شریعت اسلامیہ میں مشورہ کے وقت کسی شخص کے پوشیدہ عیوب کو ظاہر کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اولیٰ اور انسب ہے تاکہ مفاسد کی بیخ کنی ہو سکے اور حلّت و حرمت کے اجراء میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

ناقدین رجال کی تعداد

سخاوی کا بیان ہے کہ رجال کے بارے میں جن لوگوں نے کلام کیا ہے اُن کی تعداد اتنی ہے کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہے صحابہ میں عمرؓ، علیؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن سلامؓ، عبادۃ بن الصامتؓ، انسؓ اور عائشہ رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین میں شعبی، ابن سیرین، سعید بن المسیب، ابن جبیر ہیں، لیکن اس طبقہ میں رجال کے بارے میں کلام کرنے والوں کی تعداد کم ہے کیونکہ ان کے متبوعین میں ضعفاء کی تعداد بہت کم ہے، ان میں زیادہ تر صحابہ ہیں جو عدول ہیں اور وہ جرح و قدح سے بری ہیں، اور غیر صحابہ متبوعین میں ثقات زیادہ ہیں، قرن اول میں جو صحابہ اور کبار تابعین کا زمانہ ہے ضعیف راوی گویا پایا ہی نہیں جاتا ہے بجز ایک دو کے جیسے حارث اعور اور مختار کذاب۔

دوسرے قرن کے اوائل میں، اوساط تابعین میں ضعیف راویوں کی تعداد میں ایک جماعت داخل ہے، ان کا ضعف غالباً ضبط حدیث کی کمی کی وجہ سے ہے لیکن اس طبقہ کے آخری عصر میں جو ۱۵۰ھ ہجری کی حدود میں واقع ہے رجالِ حدیث پر ائمہ کی ایک جماعت نے راویوں کی توثیق اور تجریح پر کلام کیا ہے، امام ابوحنیفہ نے کہا میں نے جابر جعفی سے زیادہ کاذب کسی کو نہیں دیکھا ہے، اعمش نے ایک جماعت کی توثیق کی یا ضعیف بتایا، شعبہ نے رجال پر کڑی تنقید کی وہ سوائے ثقہ کے غیر ثقہ سے روایت ہی نہیں کرتے تھے، یہی حال امام مالک کا تھا، معمر ہشام دستوائی، اوزاعی، ثوری، ابن ماجشون، حماد بن سلمہ، لیث بن سعد، اُن ناقدین میں سے تھے جن کا قول راویوں کے متعلق مقبول سمجھا جاتا ہے۔ اس طبقہ کے بعد دوسرا طبقہ ناقدین رجال کا وہ ہے جس میں ابن مبارک ہشیم، ابواسحاق فزاری، معافی بن عمران موصلی، بشر بن مفضل اور ابن عیینہ وغیرہ داخل ہیں۔ ان طبقات کے ناقدین نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ کس راوی کی روایت قبول کی جائے اور کس کی نہیں، نہایت وضاحت سے عدالت اور اس کے موجبات، جرح اور اس کے اسباب پر کلام کیا ہے۔

امام شافعی کا بیان ہے کہ "ابن سیرین، ابراہیم نخعی، طاؤس اور دوسرے تابعین کا یہ مسلک تھا کہ وہ بجز ثقہ کے جو معروف اور قوی الحافظہ ہوتا اور کسی کی روایت قبول نہیں کرتے تھے، اور میں نے کسی صاحب حدیث کو

اس مسلک کے خلاف نہیں دیکھا۔

علم جرح و تعدیل کی تکمیل

اس طرح سے علماء اور فضلائے علم نے صدر اسلام سے تدوین و تصنیف کے عہد تک اپنی غیر معمولی صلاحیتوں اور کوششوں سے رُواۃ کے احوال کو بیان کیا، ان رُواۃ میں جو مقبول یا متروک تھے اُن کو ظاہر کیا جس کی وجہ سے علم جرح و تعدیل مکمل ہوا، رواۃ کے متعلق ضخیم کتابیں لکھی گئیں، جن میں رُواۃ کے متعلق ناقدین فن کے اقوال درج کئے گئے، جس سے عدول اور ثقات کے مقابلے میں کاذب اور ضعیف رُواۃ علیحدہ علیحدہ نگاہوں کے سامنے آگئے، اور ضعفاء اور متروکین رواۃ کے متعلق بھی علیحدہ خصوصی کتابیں لکھی گئیں، جس سے ہر دور اور ہر عصر کے اصحاب حدیث پر طیب اور خبیث کی تمیز کرنے میں آسانی ہوگی۔

علمائے حدیث نے صرف اسناد ہی کے التزام پر اکتفا نہیں کیا بلکہ طویل علمی سفر کر کے صحابہ اور کبار تابعین سے مل کے حدیث کے درجات معلوم کئے اور یہ دریافت کیا کہ کون حدیث مقبول یا مردود ہے اور کون قوی یا ضعیف ہے، یہ سب جاننے کے بعد حدیث کی تقسیم صحیح، حسن اور ضعیف پر کی، اور ہر ایک کی تعریف بیان کی، اور اس کے مندرجات کو بتایا، یہاں تک بتایا کہ قرن ثانی ہجری تک حسن حدیث معروف اور مشہور نہ تھی، حسن حدیث کی معرفت میں ترمذی کی کتاب اصل قرار دی گئی، اگرچہ ترمذی کے اساتذہ امام بخاری اور امام احمد کے کلام میں اور ان سے پہلے کے طبقہ میں جستہ جستہ حسن حدیث کا ذکر ملتا ہے، اور اصحاب حدیث نے حدیث کے انواع ضعف اور اسباب ضعف کو سند اور متن کے لحاظ سے بیان کیا ہے ابن حبان نے انواع حدیث کی انتالیس ۴۹ قسمیں قائم کی ہیں اور عراقی نے شرح الفیہ میں بیالیس ۴۲ قسمیں لکھی ہیں ان کے علاوہ دوسروں نے اس تعداد سے بڑھا کر بھی بتایا ہے (۱)

رواۃ کے اوصاف اور شرائط

اقتباس از مقدمہ جامع الاصول لابن اثیر

حدیث کے رُواۃ کے لئے کچھ اوصاف اور شرائط ہیں جن کی تکمیل کے بغیر اُن کی روایت کو قبول کرنا جائز نہیں ہے اور وہ چار ہیں (۱) اسلام (۲) تکلیف (۳) ضبط (۴) عدالت۔

اور یہی اوصاف مذکورہ شہادت کے شرائط میں بھی داخل ہیں، ان کے علاوہ بعض مزید شرطیں بھی شہادت

---

(۱) از سنت قبل التدوین۔

میں ہیں جو رعایت میں نہیں ہیں جیسے حریت، یہ شہادت کے لئے شرط ہے لیکن روایت کے لئے شرط نہیں ہے، اور عدد، ایک کی روایت مقبول ہے مگر ایک کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ بجز نادر حالت کے۔

بعض لوگوں نے روایت میں بھی عدد کی شرط کو برقرار رکھا ہے اور دو سے کم کی روایت کو قبول نہیں کیا ہے جیسا کہ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی کتاب یعنی صحیحین میں دو راویوں کی روایت کا التزام کیا ہے مذکورہ بالا چاروں شرطوں کی کچھ تفصیلات درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اسلام، کافر کی روایت مقبول نہیں ہے، کیونکہ وہ دین میں متہم ہے۔

۲۔ تکلیف، یعنی راوی کا مکلّف ہونا، اس بنا پر بچے کی روایت مقبول نہیں ہے، لیکن طفل اگر روایت کے وقت امتیازی حالت کو پہونچا ہو تو اس کی روایت مقبول ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے نوخیز افراد کی روایتوں کو قبول کیا ہے، جیسے ابن عباس، ابن الزبیر، ابو الطفیل، اور محمود بن الربیع اور دوسرے اطفال کی روایتوں کو۔ اس لئے سلف صالح بچوں کو روایت کی مجلسوں میں بھیجا کرتے تھے، اور ان کی روایت حدیث کے لئے یہ اصطلاح رکھی تھی کہ صغیر سن بچوں کے لئے حضور کا لفظ استعمال کرتے تھے اور جو نوجوان اور ممیّز ہوتے تھے اُن کے لئے سماع کا لفظ رکھتے تھے۔

۳۔ ضبط، اس کا مطلب یہ ہے کہ سماع حدیث کے وقت علم حاصل ہو اور علم کے بعد تکلم کے وقت حفظ بھی رہے، اگر کسی نے حدیث کی سماعت کی اور کچھ نہ سمجھ سکا اور نہ جان سکا تو وہ معتبر نہیں ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے بے معنی آواز سنی ہو، جب لفظ کے حقیقی معنی کو نہ سمجھ سکا تو ضبط کس چیز کا کرے گا، اور جب راوی کے سماع حدیث کے بعد اس کے سماع میں شک واقع ہو جائے جب بھی ضبط نہیں ہوگا۔

۴۔ عدالت، اس سے مراد ہے کہ سیرت اور دین میں استقامت ہو اور نفس میں ایسی راسخ ہیئت حاصل ہو جو تقویٰ اور مروت کو لازم کر دے اور لوگوں کے نفوس میں راوی کی صداقت کا اعتماد پیدا ہو جائے اور وہ ثقہ سمجھا جائے، یہاں تک کہ وہ بازاروں میں کھانے پینے اور راستوں میں بول و براز کرنے سے بھی احتیاط کرے۔

روایت میں یہی چار شرطیں معتبر ہیں، ان کے علاوہ علم، اور فقہ وغیرہ راوی کے لئے اوصاف بنائے جاتے ہیں وہ شرائط میں داخل نہیں ہیں بلکہ محسنات اور مکملات میں شمار کئے جاتے ہیں (۱)

(۱) از مقدمہ جامع الاصول لابن اثیر

تحدیث

یعنی

روایتِ حدیث کی اصطلاحات

ثنا۔ نا۔ یہ لفظ جہاں حدیث میں واقع ہوگا وہ مخفف حدّثنا کا ہوگا۔

انا۔ یہ مخفف اخبرنا کا ہوگا۔

ح۔ یہ حرف جہاں ہوگا اس سے مراد تحویل ہے۔ (تحویل اس کو کہتے ہیں کہ جہاں ایک متن حدیث کے دو اسناد ہوں یا زائد ہوں اور ایک سند سے دوسری سند کی طرف نقل کی جائے۔ اس مقام اتصال کو تحویل کہتے ہیں۔

قال۔ یہ لفظ ہر حدثنا یا اخبرنا یا انبانا یا حدثنی یا اخبرنی یا انبانی کے پہلے کہا جانا ضروری ہے، مگر جو لفظ الفاظ مذکورہ سے ابتدائے اسناد میں واقع ہوتا ہے اس کے پہلے کہنا ضروری نہیں ہے (حدثنا یا حدثنی کے ساتھ اس وقت روایت کی جاتی ہے جبکہ الفاظ زبانِ شیخ (استاذ) سے سُنے ہوں۔ اخبرنا یا اخبرنی کے ساتھ اس وقت روایت کی جاتی ہے جبکہ شیخ کو حدیث سُنائی گئی ہو۔

صیغہ جمع متکلم مع الغیر جیسے اخبرنا۔ اکثر سمع مع الغیر پہ دال ہے اور کبھی تعظیم پر۔

یَنمی۔ جہاں حدیث کے مرفوع ہونے کا یقین ہے۔

عن ابیہ عن جدِّہ۔ جہاں کہیں حدیث میں آئے وہاں ضمیر راوی کی طرف راجح ہے اور یہ بھی احتمال ہے ابیہ کی طرف راجع ہو۔

مثلہ سے اس وقت تعبیر کرسکتے ہیں جبکہ متابعت لفظاً اور معناً ہو۔

نحوہ سے اس وقت تعبیر کی جاتی ہے جبکہ متابعت صرف لفظاً ہو۔

قراءۃ علیہ جہاں کہیں اسناد میں واقع ہوتا ہے وہاں شیخ کو سُنانا مُراد ہوتا ہے۔

لا یصح فی ھذا الباب۔ جہاں واقع ہوتا ہے وہاں ضعفِ حدیث یا حدیث کا موضوع ہونا مراد ہوتا ہے۔

ہٰذا حدیث مُسند سے مرفوع صحابی مُراد ہے۔

مِنَ السُّنَّۃ کذا سے موقوف صحابی مراد ہے۔

اصح مافی الباب جہاں کہیں آتا ہے وہاں اس سے ارجح اور اقل ضعف مراد ہوتا ہے۔

اعتبار جس سے متابع، شاہد، منکر، شاذ وغیرہ کی معرفت ہو جائے۔

غیر مَرّۃ یا غیر واحد جہاں کہیں آتا ہے وہاں کئی بار یا کئی شخصوں سے مروی ہونا مراد ہوتا ہے (۱)

(معنی الفاظ۔ حدثنا کے معنی ہیں اس نے ہم لوگوں سے حدیث بیان کی۔ اخبرنا کے معنی ہیں ہم سے خبر سُنی گئی۔ خبر حدیث نبوی کو اور اثر حدیث صحابہ کو کہتے ہیں۔ حدثنی اور اخبرنی یہ دونوں الفاظ حدثنا اور اخبرنا کا واحد ہے، مجھ سے حدیث بیان کی یا مجھ سے خبر سنی۔ انبأنا اور اخبرنا دونوں کے معنی ایک ہیں)

خطیب بغدادی کی کتاب الکفایۃ سے اس سلسلے کی چند ضروری باتیں درج ذیل ہیں:۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ حمیدی نے بیان کیا کہ ابن عُیینۃ کے نزدیک حدثنا، اخبرنا، انبأنا اور سمعتُ سب ایک ہی چیز ہے۔

اسحاق بن ابراہیم کا قول ہے کہ انا، ثنا اور انبأنا سب کا مطلب ایک ہی ہے۔

ابن خزیمۃ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن عبدالرحمٰن سے اُن کے چچا عبداللہ بن وہب مصری صاحب مالک بن انس کا یہ قول سُنا کہ صرف یہ چار الفاظ ہیں (۱) جب میں حدثنی کہتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے حدیث کی سماعت تنہا عالم سے کی ہے (۲) اور جب حدثنا کہتا ہوں تو اس کا مقصد یہ ہے کہ میں نے جماعت کے ساتھ سماعت کی ہے (۳) اور جب اخبرنی کہتا ہوں تو اس کی مراد یہ ہے کہ میں نے محدث کے سامنے حدیث پڑھی ہے (۴) اور جب اخبرنا کہتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ محدث کے سامنے کسی دوسرے نے حدیث پڑھی اور میں نے سماعت کی۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ محدث جب کہے حدثنا یا حدثنی یا حدثنا کے بدلے میں اخبرنا و اخبرنی کہے یا نہیں کہے؟ یہ تبدیلی ان اہل علم کے نزدیک ممنوع ہے جن کے نزدیک روایت میں الفاظ کی اتباع واجب ہے، لیکن جن کے نزدیک تحدیث بالمعنی مباح ہے ان کے نزدیک حدثنا و حدثنی کی تبدیلی اخبرنا و اخبرنی سے جائز ہے۔

حدیث کے اقسام

قبول اور رد کے لحاظ سے

حدیث کی دو قسمیں مقبول، اور مردود۔

(۱) تاریخ الحدیث مصنفہ قاضی عبدالصمد صارم ص ۱۹۰

خبر مقبول، وہ حدیثیں جن کو باعتبار روایت و درایت ائمہ نے قابل حجت قرار دیا ہے۔

خبر مردود: جن روایتوں کو ائمہ نے باعتبار روایت و درایت ناقابل حجت ٹھہرایا ہے۔

ان دونوں کی دو قسمیں ہیں لذاتہ اور لغیرہ۔

صحیح لذاتہ: جس کے راوی اعلیٰ درجہ کے ہوں اور معلل و شاذ نہ ہو۔

صحیح لغیرہ: راوی صحیح لذاتہ سے کم درجہ کے ہوں، متعدد طرق سے ہو، اسناد متصل ہوں شاذ نہ ہو۔

حسن لذاتہ: جس کے راوی حدیث صحیح کے راویوں سے صفت ضبط میں کم ہوں لیکن کثرت طرق سے ہو۔

حسن لغیرہ: جس کے راوی حسن لذاتہ سے کم درجہ کے ہوں مگر متعدد طرق سے ہو۔

قوی: جس کے سب راوی عقیل، قوی الحافظہ اور ثقہ ہوں۔

شاذ و محفوظ: اگر ثقہ راوی نے کسی ایسے راوی کے خلاف روایت کی جو اس سے راجح ہے تو اس حدیث کو شاذ کہیں گے، اور اس کے مقابل کو محفوظ۔

منکر و معروف: اگر ضعیف راوی نے قوی راوی کے خلاف روایت کی تو اس کی حدیث کو منکر اور مقابل والی کو معروف کہتے ہیں۔

متابع: حدیث فرد کے جس راوی کے متعلق گمان تفرد تھا اگر اس کا کوئی موافق مل گیا تو اس موافق کو متابع اور اس موافقت کو متابعت کہتے ہیں۔

اگر متابعت نفس منفرد راوی کے لئے ہے تو اس کو متابعت تامہ کہتے ہیں، اور اگر اس کے شیخ یا اوپر کے راوی کے لئے ہے تو متابعت قاصرہ کہتے ہیں۔

شاہد! اگر کسی دوسرے صحابی سے ایسا متن مل گیا جو کسی حدیث فرد کے ساتھ لفظاً و معناً یا صرف معناً مشابہ ہے تو اسے شاہد کہتے ہیں۔

خبر مقبول کی دوسری تقسیم

محکم: جس حدیث مقبول کی کوئی حدیث معارض نہ ہو۔

مختلف الحدیث۔ اگر کسی خبر مقبول کے معارض کوئی خبر مقبول ہے اور ان دونوں میں بطریق اعتدال تطابق ممکن ہے تو اس کو مختلف الحدیث کہتے ہیں۔

ناسخ و منسوخ: جس غیر مقبول کے معارض کوئی خبر مقبول ہو اور ان میں تطابق ممکن نہ ہو تو جو حدیث مقدم ثابت ہوگی وہ منسوخ سمجھی جائے گی اور دوسری کو ناسخ۔

متوقف فیہ: جن دو حدیثوں میں تعارض ہو اور تطبیق ممکن نہ ہو اور شان نزول کے ذریعہ سے اس کو ناسخ و منسوخ بھی قرار نہ دیا جاسکے تو دونوں پر عمل کرنے میں توقف کیا جائے گا۔

تقسیم خبر مردود

حدیث کے مردود ہونے کی دو وجہیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ اس کے اسناد سے ایک یا کئی راوی ساقط ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس کا کوئی راوی بلحاظ دیانت و ضبط مجروح ہو۔

بلحاظ طعن راوی

موضوع: جس کا راوی حدیثیں بنانے والا مشہور ہو۔

متروک: جس کو جھوٹی روایت کرنے والے راوی نے روایت کیا ہو۔

منکر: جس کا راوی بکثرت غلطیاں کرتا ہو۔

معلل: جس حدیث کی سند میں ایسی علتیں ہوں جو سند کی صحت میں خلل انداز ہوتی ہیں۔

مدرج: اس کی دو قسمیں ہیں ایک مدرج الاسناد دوسرے مدرج المتن۔

مدرج الاسناد: جس کی سند میں تغیر کیا گیا ہو۔

مدرج المتن: متن حدیث میں صحابی یا تابعی کا قول ملا دیا گیا ہو۔

مقلوب: جس حدیث کی سند میں اسماء مقدم مؤخر ہو گئے ہوں یا متن میں الفاظ مقدم مؤخر ہو گئے ہوں۔

المزید فی متصل الاسناد: جس کی سند میں کوئی راوی زیادہ کر دیا گیا ہو۔

مضطرب: راوی میں اس طرح تبدیلی کر دی گئی ہو کہ ایک روایت کو دوسرے پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو یا راوی کو سلسلۂ رواۃ یا عبارت متن حدیث مسلسل یاد نہ رہی ہو۔

مصحف و محرف: اسمائے رواۃ میں یا الفاظ میں باوجود بقائے صورت خطی تغیر کر دیا گیا ہو جیسے شریک کو سریک کر دیا گیا ہو تو اس کو مصحف کہتے ہیں، اور اگر اسمائے رواۃ میں اس طرح تغیر ہوا کہ جیسے حفص کا جعفر ہو گیا تو اس کو محرف کہتے ہیں۔

مستور: جس کو ایسے راوی نے روایت کیا ہو کہ جس کا حافظہ متغیر ہو گیا ہو اور یہ تحقیق نہ ہو سکتا ہو کہ یہ روایت

اس کے کسی زمانہ کی ہے، قبل از عارضہ یا بعد از عارضہ۔

شاذ: جس کا راوی ہمیشہ بد حافظہ رہا ہو۔

مختلط: جس کے راوی کو کسی وجہ سے سہو و نسیان کا عارضہ لاحق ہوگیا ہو، ایسے راوی کی روایت جو قبل از عارضہ ہوگی وہ لی جائے گی اور جو عارضہ کے بعد ہوگی وہ قبول نہ کی جائے گی (۱)

اخبار احاد کی قسمیں

اخبار آحاد کی تین قسمیں ہیں، مشہور، عزیز اور غریب۔

مشہور: جس حدیث صحیح کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم تین ضرور ہوں یا جس کی روایت عہد صحابہ و تابعین میں کم ہوئی ہو اور بعد کو کچھ زیادہ ہوئی ہو۔ اس میں یہ ضرور نہیں کہ رُواۃ کا سلسلہ ابتداء سے انتہا تک یکساں ہو۔ اگر مشہور کے رُواۃ کا سلسلہ ابتداء سے انتہا تک یکساں ہے تو اس کو مستفیض کہیں گے۔

عزیز: وہ حدیث صحیح جس کے سلسلۂ رُواۃ میں ہمیشہ دو ہی راوی پائے جائیں، گو کتنے ہی طرق سے مروی ہو مگر ہر طریق میں انہیں دو راویوں میں سے کوئی ایک راوی پایا جائے۔

غریب: وہ حدیث جس کے اسناد میں کسی جگہ صرف ایک ہی راوی ہو اس کو فرد بھی کہتے ہیں۔

فرد کی دو قسمیں ہیں فرد مطلق، فرد نسبی۔

فرد مطلق وہ ہے جس کی سند میں صحابی سے جو روایت کرتا ہے وہ منفرد ہے اس کو غریب مطلق بھی کہتے ہیں۔

فرد نسبی وہ ہے جس میں صحابی سے روایت کرنے والے کے بعد کوئی راوی منفرد ہے (۲)

بعض اصطلاحات

روایۃ الاقران: دو ہمعصروں کا ایک دوسرے سے روایت کرنا۔

روایۃ الاکابر عن الاصاغر: چھوٹے سے بڑے کا روایت کرنا مثلاً باپ کا بیٹے سے یا استاد کا شاگرد سے روایت کرنا اس کے خلاف کو روایت اصاغر عن الاکابر کہتے ہیں۔ یعنی بڑے سے چھوٹے کا روایت کرنا

روایت سابق ولاحق: اگر دو آدمی ایک ہی شیخ سے روایت کرتے ہیں ان میں سے ایک دوسرے سے پہلے مر گیا تو

---

(۱) از تدوین حدیث مولانا عبد الصمد صارم سیوہاروی۔

(۲) از تدوین حدیث مولانا صارم سیوہاروی۔

مرنے والی کی روایت کو روایت سابق اور دوسرے کی روایت کو روایت لاحق کہتے ہیں۔

مُسلسل: اگر ایک سند کے تمام رُواۃ نے ایک ہی لفظ اور کیفیت سے ایک حدیث روایت کی اس کو مسلسل کہتے ہیں

اجازت: روایت حدیث کے لئے کسی محدث سے اجازت لینا ضروری ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔

اجازت بالمشافہ: اگر کسی شیخ نے کسی کو مخصوص حدیث اپنے سے روایت کرنے کی زبانی اجازت دیدی تو اس کو مجازاً اجازت بالمشافہ کہتے ہیں۔

اجازت بالمکاتبہ: شیخ نے روایت حدیث کی اجازت لکھ کر دیدی۔

مُناولہ: شیخ اپنا اصل نسخہ حدیث یا اس کی نقل طالب کو دیدے۔

وجادہ: طالب کو کوئی ایسی کتاب مل گئی جس کا کاتب محدث ہو تو اُسے وجادہ کہتے ہیں، جب تک کاتب سے اجازت حاصل نہ کرے اس وقت تک اخبرنی فلاں کہہ کر روایت نہیں کر سکتا۔

متفق و مفترق: اگر چند راویوں اور اُن کے باپ دادوں کے نام و نسب و کنیت ایک ہی ہوں تو اُن کو متفق و مفترق کہا جاتا ہے۔

مُؤتلف و مختلف: اگر متعدد اسماء خط میں متفق اور تلفظ میں مختلف ہوں (یہ اختلاف کبھی نقطوں میں ہوتا ہے۔ جیسے یحیٰی و یحیٰی، کبھی شکل سے ہوتا ہے جیسے حفص و جعفر)

متشابہ: راویوں کے نام خط و تلفظ میں متفق ہوں مگر اُن کے آباء کے نام بلحاظ تلفظ مختلف و بلحاظ خط متفق ہوں، جیسے محمد بن عَقیل بفتح عین و محمد بن عُقیل بضم عین۔

طبقہ رُواۃ: ہمعصر اشخاص اور وہ اشخاص جو ایک شیخ سے روایت کرنے میں شریک ہوں (استاد بھائی)

تزکیہ: کسی راوی کے اوصاف کا اس طرح بیان کرنا کہ اس پر جرح باقی نہ رہے۔

امر: جو حکم دیا گیا قرآن میں یا حدیث میں۔

تخریج: تلاش کر کے کسی حدیث کی سند صحیح نکالنا اور کسی حدیث کو مع سند ذکر کرنا۔

اصول الروایت: وہ قواعد جن سے سند حدیث کی جانچ کی جاتی ہے۔

اصول الدرایت: وہ قواعد جن سے نفس حدیث کی جانچ کی جاتی ہے۔

تعدیل: اوصاف بیان کرنا۔

جرح: ذمائم بیان کرنا۔

ضبطِ صدر: حفظ قلبی و نگہداشت ذہنی۔

ضبطِ کتاب: تحریر کا تا وقت روایت محفوظ رکھنا۔

متروک الحدیث: جس راوی کی حدیث ترک کردی جائے کسی عیب کی وجہ سے۔

اصح الاسانید: جس روایت کے تمام راوی اعلیٰ درجہ کے ہوں۔

سلسلۃ الذہب: امام مالک کی سند جس کو وہ نافع سے اور نافع حضرت ابن عمر سے روایت کریں۔

ثلاثیات: وہ روایتیں جس میں راوی اور رسول کریمؐ کے درمیان تین واسطے ہوں۔

شیخین: امام بخاری و امام مسلم۔

شرط شیخین: امام بخاری و امام مسلم نے صحت حدیث کے لئے جو شرائط مقرر کئے ہیں۔

امام: جو حدیث و فقہ اور تمام علوم دینیہ میں صاحب کمال ہو۔

حجت: جس کو تین لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔

حاکم: جس کو تمام احادیث مرویہ مع متن و سند و جرح و تعدیل و تاریخ کے معلوم ہوں۔

مجتہد: جو قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کر سکتا ہو۔

قطعی الثبوت: جو حدیثیں اپنی سندِ روایت کے اعتبار سے صحیح ہیں عام اس سے کہ وہ متواتر ہوں یا آحاد اپنے ثبوت کے اعتبار سے قطعی الثبوت ہیں۔

ظنی الثبوت: جو حدیثیں اپنی سندِ روایت کے اعتبار سے حسن لذاتہ ہیں وہ ثبوت کے اعتبار سے ظنی الثبوت ہیں۔

قطعی الدلالت: جو روایت کسی مدلول اور معنی پر اپنی عبارۃ النص کے اعتبار سے صاف صاف بلا تاویل صریح لفظوں میں دلالت کرے۔

ظنی الدلالۃ: جو اپنے مدلول پر دلالت کرنے میں تاویل کی محتاج ہو۔

قلیل الحدیث: جس راوی سے بہت کم روایت کی گئی ہو۔

اُمّ الاحادیث: سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مباح، گناہ صغیرہ، مکروہ جن کو ائمہ نے کہا ہے ان تمام احکام کی حدیثیں مُحکمات اور اُمّ الاحادیث کہلاتی ہیں۔

مُستملی: شیخ کے درس میں طلبہ کا ہجوم کثیر ہو تو شیخ کسی ہوشیار قابل طالب علم کو درمیان میں کھڑا کرتا ہے جو شیخ

کے الفاظ دوسروں تک پہونچاتا ہے، اس شخص کو مستملی کہتے ہیں۔

مُقری: پڑھنے والا۔

تعلیق: سقوط راوی۔

نص: آیت قرآن۔ حدیث۔

سُنّت: قول و فعل رسول و اصحاب۔ سُنت کی دو قسمیں ہیں عادی، عبادی۔

عادی: وہ افعال جو دنیوی مصلحت یا وقتی و ذاتی ضرورت سے کئے گئے۔

عبادی: وہ افعال جو بہ نیت ثواب مذہبی طور سے کئے گئے۔

عبادی کی دو قسمیں ہیں ایک ایکدی جس کو مؤکدہ بھی کہتے ہیں۔ دوسرے سنت الزوائد جس کو مُستحبّہ بھی کہتے ہیں۔ سُنت مؤکدہ جس کو لازمی طور سے کیا گیا اس کا ترک کرنے والا گنہگار ہوتا ہے، سُنت مُستحبّہ جس کو کبھی کیا اور کبھی ترک کیا، اس کو ترک کرنے سے گناہ نہیں ہوتا ہے۔

تعامل: عملدرآمد۔

توارث: قدامتِ عمل۔

طُرق: سلسلۂ رُواۃ۔

وضّاع: حدیثیں گھڑنے والا

وُحدان: وہ راوی جس سے ایک ہی راوی نے روایت کی ہو۔

سِیَر: وہ علم جس میں تاریخی حدیثیں ہوں (۱)

الفاظ جرح و تعدیل

راویوں کے اظہار اوصاف کے لئے الفاظ مقرر ہیں جو کتب اسماء الرجال میں ہر راوی کے نام کے ساتھ لکھے گئے ہیں جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ کس درجہ کا راوی ہے اس کے چھ درجے تعدیل میں مقرر کئے گئے ہیں اور چھ جرح میں۔

اور ان اوصاف میں تین درجے ملحوظ رکھے گئے ہیں اشد۔ اوسط۔ اضعف۔

---

(۱) از تدوین حدیث مؤلفہ مولانا مناظر احسن گیلانی

الفاظ تعدیل

۱۔ متقی۔ فہیم، قوی الحفظ، ماہر علوم، صحیح العقیدہ کے لئے:۔

اوثق الناس، اضبط الناس، لا اعرف له نظیراً، امام الدنیا، جبل الاتقان، الیه المنتهی فی التثبت وغیرہ۔

۲۔ مرتبہ اول سے کم والوں کے لئے۔ لا یُسأل عنه وغیرہ۔

۳۔ مرتبہ دوم سے کم والوں کے لئے۔ ثقة ثقة، حُجة حُجة، حافظ عالم، فقیه فاضل وغیرہ۔

۴۔ مرتبہ سوم سے کم والوں کے لئے۔ ثقة۔ ثبت عدل وغیرہ۔

۵۔ مرتبہ چہارم سے کم والوں کے لئے۔ صدوق۔ لا بأس به۔ صدوق نعم، له اوهام، لیس به بأس وغیرہ۔

۶۔ مرتبہ پنجم سے کم والوں کے لئے۔ صدوق انشاء اللہ، ارجو لا بأس، صالح، صالح الحدیث، مقارب الحدیث حسن الحدیث، روی عنه الناس۔

۷۔ چھٹے مرتبہ سے کم والوں کے لئے، فیه مقال، فیه ضعف، یعرف ینکر، هو لیس کذالک۔ لیس بقوی، سیئ الحفظ، مستور، مجهول الحال، لیس بالحافظ، لیس بثقة، لیس بحجة وغیرہ۔

۸۔ ساتویں سے کم والوں کے لئے۔ لا یحتج فیه، مضطرب، منکر الحدیث، وغیرہ۔

۹۔ آٹھویں سے کم والوں کے لئے۔ رُد حدیثه، مردود الحدیث۔ لا یکتب حدیثه وغیرہ۔

۱۰۔ نویں سے کم والوں کے لئے۔ یسرق الحدیث، متهم بالکذب، ساقط، متروک، ذاهب الحدیث۔

۱۱۔ دسویں سے کم والوں کے لئے۔ کذّاب، دجّال۔ وضاع، وغیرہ۔

۱۲۔ گیارہویں سے کم والوں کے لئے۔ اکذب الناس، رکن من ارکان الکذب، معدن الکذب وغیرہ (۱)

دوسری صدی ہجری اور حدیث کی تالیف و تصنیف

دوسری صدی ہجری کے پہلے سال میں خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے دو سال پانچ ماہ سریر آرائے خلافت رہنے کے بعد وفات پائی، اس مختصر سی مدت میں آپ نے امام زہری کے تعاون سے سرکاری طور پر اور سرکاری مالی اخراجات سے تدوین حدیث کی ابتدا کی اور حدیث کا کافی ذخیرہ مرتب کر کے اور دفتروں میں لکھوا کے بلاد اسلامیہ میں پھیلا دیا۔

---

(۱) از تدوین حدیث مولانا احمد ...

امام زُہری کی تدوین مکمل طور سے نہیں ہوئی تھی کیونکہ حدیث کا تمام ذخیرہ امام زُہری کے پاس نہ تھا بلکہ حدیث کا وافر ذخیرہ دوسرے تابعین اور اکابر محدثین کے سینوں اور سفینوں میں محفوظ تھا جو مختلف بلادِ اسلامیہ کے دور دراز مقامات میں پھیلے ہوئے تھے، اگر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کچھ مدت تک اور زندہ رہتے تو یقیناً وہ تمام تابعین اور اکابر محدثین سے بقیہ حدیثوں کا وافر ذخیرہ بھی حاصل فرما لیتے اور حدیث کی تدوین آپ ہی کے عہدِ خلافت میں مکمل ہو جاتی، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی یہی تھی کہ تدوینِ حدیث کی تکمیل آنے والے ائمہ محدثین کے ذریعہ انجام پائے خواہ ان میں اسلامی حکومت کی سرپرستی حاصل نہ ہو اور ایسا ہی ہوا، بعد کے آنے والے ائمہ محدثین نے بلادِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں نہایت جوش و خروش، پختہ عزم و ارادہ، نہایت جانفشانی اور جانکاہی اور اولوالعزمی سے صحیح حدیث کی حفاظت و صیانت نشر و اشاعت اور تالیف و تصنیف میں منہمک ہو گئے، کیونکہ دوسری صدی ہجری میں بھی سیاسی انقلابات اور حکومت کے تغیر کے سلسلے میں بکثرت وضاعین حدیث (جھوٹی حدیث بنانے والے) پیدا ہو گئے تھے۔ وضاعین حدیث میں چار قسم کے لوگ تھے (۱) زنادقہ (بے دینی جماعت) (۲) سیاسی گروہ (۳) قصاص یعنی قصہ گو (۴) زاہدین زنادقہ کا مقصد مسلمانوں کو دین سے گمراہ کرنا تھا تاکہ اسلام کی قوت زائل ہو جس کے بعد وہ اپنی من مانی کارروائی پوری کر سکیں۔ سیاسی گروہ کا مقصد اپنی تائید کے لئے عام مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کرنا تھا اور قصاص کا مقصد وضعِ حدیث کے ذریعہ معاش حاصل کرنا تھا۔ زاہدین کی جماعت کا مقصد مسلمانوں کو دین کی طرف مائل کرنے کے لیے ترغیبی اور ترہیبی حدیثوں کا بنانا تھا۔ یہ چاروں جماعتیں بکثرت حدیثیں وضع کرنے لگیں جن کی سرکوبی اور قلع و قمع کرنے کے لئے اکابر محدثین کی بڑی جماعت اٹھ کھڑی ہوئی اور وضاعین حدیث کا مقابلہ کیا اور ان کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی تدوین حدیث کی ابتداء کی وجہ سے کتابتِ حدیث کی تحریک علمائے حدیث میں تیز ہو گئی، پہلے علمائے حدیث مختلف احادیث بغیر تبویب کے صحیفوں اور کراسوں (کاپیوں) میں جمع کرتے تھے مگر اب وہ احادیث کو ابواب پر مرتب کرنے لگے۔ ان کی یہ تصنیفات سنن اور متعلقات سنن پر مشتمل ہوتی تھیں، جن کا نام بعض نے مصنف، بعض نے جامع، یا مجموع وغیرہ رکھا، اس بارے میں اختلاف ہے کہ دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے کس نے تصنیف اور تبویب کی، اس سلسلہ میں بلادِ اسلامیہ کے مختلف مقامات کے اہلِ حدیث مصنف کے نام لئے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ مکہ میں عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ...

۲۔ مدینہ میں مالک بن انس (۹۳ – ۱۷۹ھ)

۳۔ مدینہ میں محمد بن اسحاق (– ۱۵۱ھ)

۴۔ مدینہ میں محمد بن عبدالرحمن بن ابی ذئب (۸۰ – ۱۵۸ھ) انہوں نے موطا نامی کتاب لکھی جو امام مالک کی موطا سے بڑی تھی۔

۵۔ بصرۃ میں سعید بن ابی عروبۃ (– ۱۵۶ھ)

۶۔ بصرۃ میں ربیع بن صبیح (– ۱۶۰ھ)

۷۔ بصرۃ میں حماد بن سلمہ (– ۱۶۷ھ)

۸۔ کوفہ میں سفیان ثوری (۹۷ – ۱۶۱ھ)

۹۔ یمن میں معمر بن راشد (۹۵ – ۱۵۳ھ)

۱۰۔ شام میں امام عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی (۸۸ – ۱۵۷ھ)

۱۱۔ خراسان میں عبداللہ بن مبارک (۱۱۸ – ۱۸۱ھ)

۱۲۔ واسط میں ہشیم بن بشیر (۱۰۴ – ۱۸۳ھ)

۱۳۔ رے میں جریر بن عبدالحمید (۱۱۰ – ۱۸۸ھ)

۱۴۔ مصر میں عبداللہ بن وہب (۱۲۵ – ۱۹۷ھ) (۱)

پھر ان ہی اہل حدیث کی اتباع اور طرز میں دوسرے ان کے ہم عصر علمائے حدیث نے احادیث کی تصنیف کی مگر ان سب کی تبویب مضامین کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ نہیں تھی مختلف ابواب کی حدیثوں کو مؤلف اور جامع میں ملا دیتے تھے، ہاں جلیل القدر تابعی عامر شعبی (۱۹ – ۱۰۳ھ) کو سبقت حاصل ہے کہ انہوں نے ایک ہی باب میں ایک ہی مضمون کی حدیث کو جمع کیا تھا۔

ان تمام مصنفات اور مجموعوں میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ صحابہ اور تابعین کے فتووں کو بھی جمع کر دیا تھا جیسا کہ امام مالک بن انس کی موطا سے ظاہر ہے۔

مسانید کی ابتداء

بعض علمائے حدیث نے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جداگانہ طور پر خاص مؤلف میں جمع کرنے کی

(۱) السنۃ قبل التدوین صہ ۳۳۷

بنیاد ڈالی اور مسانید لکھنی شروع کیں، ان مسانید میں سوائے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین کے فتاوے شریک نہیں ہیں، ان مسانید میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کا اس طرح التزام کیا کہ ایک صحابی سے جس قدر احادیث مختلف مضامین کی ہیں اسی کی روایت سے لکھیں پھر دوسرے صحابی سے اس کی تمام مرویہ احادیث تحریر کیں، ان مسانید میں کسی نے حروف تہجی کے اعتبار سے صحابی کے نام کے پہلے حرف کا لحاظ کر کے ترتیب وار صحابہ کی مسند روایتوں کو درج کیا، اور کسی نے صحابہ کے اسلام لانے کے زمانے کا خیال کر کے اول اور پھر اول صحابی کی مسانید کو جمع کیا، خواہ مختلف موضوع اور مضمون کی حدیثیں ایک صحابی کی مسند میں جمع کیوں نہ ہو جائیں، ان مسانید سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ تمام حدیثیں احاطۂ تحریر میں آگئیں، مگر مشکل یہ پیدا ہوگئی کہ ایک ہی مضمون مثلاً صلاۃ کی حدیثیں مختلف صحابہ کی مرویات میں جدا جدا پھیل گئیں جن سے استفادہ ماہرین حدیث ہی کر سکتے ہیں عام مطالعہ کرنے والوں کو ایک ہی مضمون کی حدیثیں تلاش کرنے میں پوری کتاب پڑھنی پڑتی ہے۔ بہر حال مسندات کی تالیف بھی احادیث نبوی کی صیانت و حفاظت میں بہت مفید اور معاون ثابت ہوئی ہے، نیز ان مُسندات میں ہر حدیث کے متعدد طُرق کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن کے ذریعہ سے اس علم کے ماہرین صحیح حدیث کو ضعیف سے اور قوی کو معلول سے معلوم کر لیتے ہیں۔

مُسند کی پہلی کتاب

سب سے پہلے جس نے مُسند لکھی وہ ابوداؤد سلیمان بن جارود طیالسی (۱۳۲-۲۰۴) ہیں۔ پھر ان کے بعد اُن کے معاصرین نے جو اتباع تابعین اور ان کے اتباع تھے مُسند لکھنے میں طیالسی کی اتباع کی۔ جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ مُسند اسد بن موسیٰ اموی　(- ۲۱۲ھ)

۲۔ مُسند عبید اللہ بن موسیٰ العبسی　(- ۲۱۳ھ)

۳۔ مُسند مسدد بصری　(- ۲۲۸ھ)

۴۔ مُسند نعیم بن حماد خزاعی بصری　(- ۲۲۸ھ)

۵۔ مُسند احمد بن حنبل　(۱۶۴-۲۴۱ھ)

۶۔ مُسند اسحاق بن راہویہ　(۱۶۱-۲۳۸ھ)

۷۔ مُسند عثمان بن ابی شیبہ　(۱۵۶-۲۳۹ھ)

ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات نے بھی مسانید لکھیں، ان تمام مسانید میں امام احمد بن حنبل کی مُسند

زیادہ بہتر اور وسیع ہے (۱)

جب حسنِ ترتیب اور جامعیت کے لحاظ سے حدیث کی نئی نئی تالیفات اور تصنیفات عمل میں آنے لگیں تو ان سے پہلی تصنیفات و تالیفات کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹنے لگی یہانتک کہ پہلی صدی اور اوائل دوسری صدی کی اکثر تالیفات و تصنیفات دنیا سے ناپید ہو گئیں، امام زہری کی مجموعہ احادیث کا دفتر بھی گمنام ہے البتہ امام زہری کی تمام حدیثیں جو سینہ اور سفینہ میں تھیں اُن کو آنے والے محدثین نے زبانی حفظ کرکے اور اپنی تصنیفات میں نقل در نقل کر کے محفوظ رکھا ہے جس طرح کہ دوسرے تابعین اور اتباع تابعین کی حدیثوں کو محفوظ رکھا، کیونکہ کتابت حدیث کی اباحت کے نتیجہ میں جو لوگ حدیثیں لکھتے تھے وہ تو لکھتے ہی تھے لیکن ان کے علاوہ صحابہ، تابعین اور اتباعِ تابعین کے ہر دور میں محدثین کا ایک ایسا طبقہ بھی موجود رہا ہے جو کتابتِ حدیث کو کراہت کی نظر سے دیکھتا تھا، اور ممانعت کتابتِ حدیث کو پیش نظر رکھ کر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے میں حفظ کے ذریعے محفوظ رکھنے کو انسب قرار دیتا تھا، چنانچہ سعید بن عبد العزیز اپنے حفظ پر فخر کرتے تھے۔

امام اوزاعی (۔ ۱۵۷ھ) اگرچہ اپنے طلاب کو حدیث کا املا کراتے تھے اور پھر ان کے املاء کی تصحیح کرتے تھے تاکہ روایت کی انہیں اجازت دے سکیں، تاہم وہ کتاب پر اعتماد کرنے کو ناپسند کرتے اور اس سے نفرت دلاتے تھے، اور سلف کا جو طریقہ زبانی روایت کا تھا اسی کو پسند کرتے تھے ان کا قول ہے:۔

کان ھذا العلم شریفا اذ کان من افواہ الرجال فیتلقونہ ویتذاکرونہ فلما صار فی الکتاب ذھب نورہ وصار الیہ غیر اھلہ (۲)

یہ علم (حدیث) شریف تھا لوگ رجال کے دہن سے اُسے حاصل کرتے تھے اور آپس میں مذاکرہ کرتے تھے، لیکن جب یہ علم کتاب میں آگیا تو اس کا نور چلا گیا، اور نا اہلوں کے پاس یہ علم جا پہونچا۔

سفیان ثوری (۔ ۱۶۱ھ) اور حماد بن سلمہ (۔ ۱۶۷ھ) حفظِ حدیث پر اعتماد کرتے تھے، اور جو کچھ لکھتے تھے یاد کرنے کے بعد اس کتابت کو محو کرا دیتے تھے۔

---

(۱) السنۃ قبل التدوین ص ۳۲۸ و ص ۳۲۹۔

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ ص ۶۸ ج ۱ منقول از السنۃ قبل التدوین ص ۳۳۵

خالد الحذاء (م ۔ ۱۴۱ ۔) سے مروی ہے۔

ماکتبت شیئاً قط الاحدیثا طویلا فاذا حفظته محوته (۱)
میں نے کبھی نہیں لکھا۔ بجز ایک طویل حدیث کے جن کو حفظ کرنے کے بعد مٹا دیا۔

شعبہ بن الحجاج نے اپنے فرزند کو وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کے بعد ان کی کتابیں دھو کر فنا کردی جائیں۔ ان تمام واقعات سے معلوم ہوا کہ اباحت کتابتِ حدیث کے بعد کتابتِ حدیث کو یوماً فیوماً فروغ حاصل ہوتا رہا تھا تاہم حفظ کے ذریعہ سے بھی حدیث کی صیانت و حفاظت کا سلسلہ جاری رہا جس طرح سے قرآن مجید حفظ کے ذریعے اب تک محفوظ چلا آرہا ہے، اگرچہ اب کتابت طباعت کے ذریعہ سے بھی قرآن اور حدیث کی حفاظت قائم رکھی گئی ہے۔

دوسری صدی ہجری کے پہلے پچاسویں سال میں علمائے حدیث میں تدوین نہایت تیزی سے جاری ہوگئی تھی یہاں تک کہ ہر عالم کے پاس کتاب ہوتی جس میں ابواب حدیث میں سے بعض ابواب ضرور ہوتے تھے، یہ کتاب خود اس عالم کی ہوتی یا کسی دوسرے شخص کی تصنیف ہوتی تھی جسے وہ اپنے پاس رکھتا تھا جس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

۱۔ یحییٰ بن ابی کثیر (م ۔ ۱۲۹ ھ) کے پاس کتاب پائی گئی یہ امام زہری کے معاصر تھے (۲)

۲۔ محمد بن سوقہ (م ۔ ۱۳۵ ھ) کے پاس کتاب تھی (۳)

۳۔ زید بن اسلم (م ۔ ۱۳۶ ھ) کے پاس تفسیر کی ایک کتاب تھی شاید اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بکثرت حدیثیں تھیں (۴)

۴۔ موسیٰ بن عقبہ (م ۔ ۱۴۱ ھ) کے پاس نافع مولیٰ ابن عمر کی حدیثیں تھیں جو ایک صحیفہ میں لکھی گئی تھیں (۵)

۵۔ اشعث بن عبدالملک الحمرانی (م ۔ ۱۴۲ ھ) کی ایک کتاب تھی جو سلیمان صاحب البصری کی طرف منتقل کردی گئی تھی (۶)

---

(۱) السنۃ قبل التدوین

(۲) معرفۃ علوم الحدیث صہ ۱۱۰۔ المحدث الفاصل صہ ۴۲ منقول از السنۃ قبل التدوین

(۳) تقدمۃ الجرح والتعدیل صہ ۷، وتہذیب التہذیب صہ ۲۱۱ ج ۹ از السنۃ قبل التدوین

(۴) تذکرۃ الحفاظ صہ ۱۲۴ ج ۱ وتہذیب التہذیب صہ ۳۹۵ ج ۳ از السنۃ قبل التدوین

(۵) الکفایۃ صہ ۲۶۶

(۶) المحدث الفاصل صہ ۳۶: ب

۶۔ عقیل بن خالد بن عقیل (۔ ۱۴۲ھ) نے امام زہری سے بکثرت حدیثیں لکھیں یہ زہری کی حدیث سے زیادہ واقف تھے (۱)

۷۔ یحییٰ بن سعید انصاری (۔ ۱۴۳ھ) کی ایک کتاب تھی جو حماد بن زید کی طرف منتقل کردی گئی۔ (۲)

۸۔ عوف بن ابی جمیلۃ العبدی (۔ ۱۴۶ھ) نے اطراف حدیث لکھی جس میں حسن بصری کی روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی۔ (۳) یہ اطراف بعد کو یحییٰ بن سعید القطان (۱۲۰۔ ۱۹۸ھ) کے پاس پہنچ گئی (۴)

۹۔ حضرت جعفر صادق بن محمد باقر (۸۰۔ ۱۴۸ھ) کے پاس رسائل، احادیث اور نسخے تھے، یہ ثقہ محدث تھے (۵)

۱۰۔ یونس بن یزید بن ابی النجاد (۔ ۱۵۲ھ) کی ایک کتاب تھی جس کی صحت کی شہادت ابن المبارک نے دی تھی (۶)

۱۱۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبۃ مسعودی (۔ ۱۶۰ھ) کی کئی کتابیں تھیں جن کو شعبہ بغداد سے لے آئے تھے۔ (۷)

۱۲۔ زائدۃ بن قدامۃ (۔ ۱۶۱ھ) کی کئی کتابیں تھیں جن کو سفیان ثوری کی خدمت میں پیش کیا تھا اور یہ زائدۃ شعبۃ بن الحجاج کے مماثل واقع ہوئے تھے (۸)

۱۳۔ سفیان ثوری (۹۷۔ ۱۶۱ھ) کی بہت سی کتابیں تھیں جن میں جامع کبیر اور جامع صغیر دونوں حدیث میں تھیں (۹)

(۱۴ و ۱۵) ابراہیم بن طہمان (۔ ۱۶۲ھ) اور سکری یعنی ابو حمزۃ (۔ ۱۶۷ھ) ان دونوں کے پاس صحیح کتابیں تھیں جن کی تصدیق ابن المبارک نے کی تھی۔ (۱۰)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ص ۲۶۶

۲۔ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۷۸ از السنۃ قبل التدوین

۳۔ تہذیب التہذیب ص ۱۶۷ ج ۸ منقول از السنۃ قبل التدوین

۴۔ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۲۳۶ از السنۃ قبل التدوین

۵۔ تہذیب التہذیب ص ۱۰۴ ج ۲ از السنۃ قبل التدوین

۶۔ تہذیب التہذیب ص ۴۵۰ ج ۱۱ و تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۲۷۲ از السنۃ قبل التدوین

۷۔ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۴۵ از السنۃ قبل التدوین

۸۔ از السنۃ قبل التدوین ص ۳۵۹

۹۔ فہرست ابن الندیم ص ۳۱۵ از السنۃ قبل التدوین۔

۱۰۔ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۲۷۰ منقول از السنۃ قبل التدوین۔

(۱۶) شُعبتہ بن الحجاج (۔۱۶۰ھ) کی اپنی تصنیف کردہ کتاب الغرائب فی الحدیث تھی (۱)

(۱۷) عبدالعزیز بن عبداللہ الماجشون (۔۱۶۴ھ) کے پاس اپنی تصنیف کردہ کتابیں تھیں جن کی روایت ابن وہب نے الماجشون سے کی تھی (۲)

(۱۸) عبداللہ بن عبداللہ بن ادریس (۔۱۶۹ھ) جو امام مالک کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی بھی تھے ان کی اپنی تصنیف کردہ کتابیں تھیں، جو ان کے فرزند اسماعیل کے پاس آگئی تھیں۔ (۳)

(۱۹) سلیمان بن بلال (۔۱۷۲ھ) نے اپنی کتابوں کے متعلق وصیت کی تھی کہ عبدالعزیز بن ابی حازم کو دیدی جائیں (۴)

(۲۰) علی بن لہیعتہ (۔۱۷۴ھ) محدث دیار مصری نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں جو ۱۶۹ھ ہجری کی آتش زدگی میں جل کر تباہ ہوگئیں۔ یہ سب کتابیں صحیح واقع ہوئی تھیں، ابن لہیعتہ کے پاس حدیث میں ایک صحیفہ تھا جو مجموعات حدیث میں قدیم ترسمجھا جاتا تھا، یہ صحیفہ بردی کے مجموعہ اوراق کے ضمن میں موجود ہے (۵)

(۲۱) لیث بن سعد (۹۴-۱۷۵ھ) دیار مصر کے شیخ وعالم کے پاس اپنی بہت سی تصنیف کردہ کتابیں تھیں (۶)

(۲۲) دوسری صدی ہجری کے دوسرے پچاسویں دور میں ایک مشہور ومعروف ناقدِ حدیث علی بن عبداللہ المدینی (۱۶۱-۲۳۴ھ) جو ابن المدینی اور کبھی علی بن المدینی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور امام بخاری کے شیخ ہیں انہوں نے حدیث کے مختلف ابواب پر کتابیں لکھی ہیں جو رجالِ حدیث، غریبِ حدیث، شاذ وعلل حدیث پر مشتمل ہیں ان کتابوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے جن میں ۳۵ سے زیادہ تصنیف کا ذکر محمد بن صالح ہاشمی نے کیا ہے، اور ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری صاحب مستدرک نے بھی اپنی کتاب معرفتہ علوم الحدیث میں متعدد کتابوں کا ذکر کیا ہے، ہر کتاب کئی اجزاء اور بعض کتاب تیس اجزاء پر مشتمل ہے (۷)

---

(۱) الرسالتہ المستطرفتہ ص ۸۵ از السنتہ قبل التدوین

(۲) ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

(۳) تہذیب التہذیب ص ۲۸۰ ج ۵ از السنتہ قبل التدوین

(۴) تذکرۃ الحفاظ ص ۲۴۷ ج ۱

(۵) تذکرۃ الحفاظ ص ۲۲ ج ۱

(۶) تذکرۃ الحفاظ ص ۳۹ ج ۱

انہیں علی بن المدینی کا قول ہے:۔

نظرت فاذا الاسناد یدور علی ستۃ	میں نے اسناد کو چھ اشخاص کے درمیان میں دائر پایا وہ چھ یہ ہیں۔
فلاھل المدینۃ ابن شہاب (۔ ۱۲۴ھ)	اہل مدینہ میں ابن شہاب (۔ ۱۲۴ھ)
ولاھل مکۃ عمرو بن دینار (۴۶ - ۱۲۶ھ)	اہل مکہ میں عمرو بن دینار (۴۶ - ۱۲۶ھ)
ولاھل البصرۃ قتادۃ بن دعامۃ (۔ ۱۱۷ھ)	اہل بصرہ میں قتادہ بن دعامہ سدوسی (۔ ۱۱۷ھ)
ویحیی بن ابی کثیر (۔ ۱۲۹ھ)	اور یحیی بن ابی کثیر (۔ ۱۲۹ھ)
ولاھل الکوفۃ ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ السبیعی (۳۲ - ۱۲۷ھ)	اہل کوفہ میں ابو اسحاق بن عمرو عبد اللہ السبیعی (۳۲ - ۱۲۷ھ)
وسلیمان بن مہران الاعمش (۶۱ - ۱۴۸ھ)	اور سلیمان بن مہران اعمش (۶۱ - ۱۴۸ھ)

قال ابن المدینی ثم صار علم ھؤلاء الستۃ الی اصحاب الاصناف

پھر علی ابن المدینی نے کہا کہ انہیں چھ اشخاص کا علم حدیث مختلف اصناف کے حاملین میں جا پہونچا۔ دوسری صدی ہجری میں وہ محدثین جو حدیث کے ساتھ ساتھ رجال حدیث کے علم میں بھی بہت زیادہ مبصر اور ناقد مشہور تھے اُن کے نام یہ ہیں:۔

امام مالک بن انس (۔ ۱۷۹ھ) امام اوزاعی (۔ ۱۵۶ھ) امام سفیان ثوری (۔ ۱۶۱ھ) سفیان بن عیینۃ (۔ ۱۹۳ھ) عبد الرحمٰن بن مہدی (۔ ۱۲۸ھ) یحیٰ بن سعید القطان (۔ ۱۸۹ھ) عبد الرزاق ابن ہمام (۔ ۲۱۷ھ) شعبۃ (۔ ۱۶۰ھ) امام شافعی (۱۵۰ -) وکیع (۔ ۱۹۷ھ) ابو حنیفہ (۸۰ - ۱۵۰ھ) معمر (۔ ۱۵۳ھ) ہشام الدستوائی (۔ ۱۵۴ھ) حماد بن سلمہ (۔ ۱۶۷ھ) لیث بن سعد (۔ ۱۷۵ھ) ابن المبارک (۔ ۱۸۱ھ) ہشیم بن بشیر (۔ ۱۸۸ھ) ابو اسحاق فزاری (۔ ۱۸۵ھ) معافی ابن عمران موصلی (۔ ۱۸۵ھ) بشر بن المفضل (۔ ۲۰۲ھ) ابو عاصم الضحاک النبیل بن مخلد (۔ ۲۱۲ھ)

دوسری صدی ہجری میں سیاسی انقلاب اور اس کا اثر حدیث پر

۱۳۲ھ میں حکومت بنو امیہ کے کھنڈر پر عباسی حکومت قائم ہوئی سیاسی انقلاب کا یہ زمانہ بڑا اہم تھا جس میں ایک عرب خاندان سے دوسرے عرب خاندان میں اسلامی خلافت منتقل ہوئی، یہ انتقال حکومت اچانک نہیں ہوا بلکہ ایک عرصہ پہلے سے انقلابی عوامل کارفرما تھے، پہلے سے نہایت مخفی طور پر انقلاب حکومت کی تحریک چلائی گئی تھی، جو کبھی ظاہر ہو جاتی اور کبھی روپوش ہو جاتی یہ انقلابی تحریک دوسری صدی کے اوائل میں

شروع کی گئی۔ جس کے لئے بارہ نقیب چنے گئے، جن کے پیچھے ستر آدمی اور تھے جو اپنے بارہ نقیبوں کی ہدایت اور اشاروں پر نہایت ہوشیاری سے کبھی تاجروں کے بھیس میں اور کبھی حاجیوں کی صورت میں کام کرتے اور اموی حکومت کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے تھے۔ یہاں تک ۱۲۷ھ ہجری میں ایک نہایت سیاسی چابکدست لسان زعیم یعنی رہنما ابومسلم خراسانی نے نہایت اہم انقلابی کردار ادا کیا اور دولت بنو امیہ کو الٹنے اور عباسی حکومت قائم کرنے میں ایک بڑا کھیل کھیلا۔ یہ شخص بلادِ خراسان میں انقلابی حرکت کا بانی قرار پایا، اس نے خراسان کے مسلمانوں میں آلِ بیعت رسول خصوصاً آلِ عباس کے حق میں دعوتِ خلافت کی تحریک چلائی اور بہت جلد خراسانی مسلمانوں کو اپنا ہم نوا بنا لیا، اس مہم میں بکثرت موضوع حدیثیں بنو امیہ کے خلاف اور بنو عباس کی موافقت میں بنائی گئی۔ اور تشہیر کی گئیں، جس کا اثر یہ ہوا کہ خراسانی مسلمانوں کا ایک لشکر جرار حکومت بنو امیہ کے خلاف تیار ہو گیا اور برسرپیکار آ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کافی خون خرابہ کے بعد حکومت بنو امیہ کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، اور اس کا بالکل خاتمہ ہو گیا، اور ابوالعباس سفاح جو آلِ عباس کا ایک فرد تھا خلیفہ بنایا گیا اور عباسی حکومت قائم ہو گئی اور دار الخلافت دمشق سے بغداد منتقل کر دیا گیا۔ بکثرت مسلمانوں کے قتل کے ساتھ اموی خاندان کے تمام شہزادے چن چن کے مارے گئے صرف ایک شہزادہ عبدالرحمٰن کسی طرح بچ گیا جو جان بچا کر بھاگا اور چھپ کر مہینوں کا سفر طے کر کے افریقہ کے راستے سے اندلس (اسپین) جا پہونچا، جہاں اموی حکومت پہلے قائم تھی اور وہاں کے عہدہ دار اور عمال عبدالرحمٰن اموی شہزادے سے واقف تھے، جن کی مدد سے عبدالرحمٰن اندلس کی اموی حکومت کا تاجدار بنایا گیا، اسی لئے ایک عباسی خلیفہ غالباً مامون عبدالرحمٰن اموی کو صقر قریش (قریش کا شکرا) کے لقب سے یاد کرتا تھا، کہ وہ دمشق سے اڑا اور اندلس جا پہونچا اور اپنے چنگل سے اموی حکومت کو شکار کر کے اس پر قابض ہو گیا اور تاج و تخت کا مالک بن گیا۔ اسی انقلاب حکومت کی تحریک کے سلسلے میں آلِ عباس کی فضیلت یا ان کی مذمت میں بکثرت حدیثیں بنائی گئیں۔ مثال کے طور پر چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

ھذا العمّ ابو الخلفاء الاربعین اجود قریش کفا	یہ میرے چچا چالیس خلفاء کے باپ ہیں جو سب کے سب قریش
اجملھا من ولدہ السفاح والمنصور والمھدی یا	ہیں کف کے لحاظ سے بہتر اور حسین ہیں ان کی اولاد میں سفاح
عمی بی فتح اللہ ھذا الامر و یختمہ برجل منک	منصور اور مہدی ہوں گے اے چچا میرے ذریعہ سے اللہ نے اس کو
وللذلک۔ (یہ حدیث موضوع ہے)	کو فتح کیا اور آپ کی اولاد میں سے ایک شخص کے ذریعہ اس کو ختم کر دے گا

سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ جب خراسان کے قریب ترممالک مفتوح ہو گئے تو عمر بن الخطابؓ رونے لگے۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان سے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ نے اتنی بڑی فتح آپ کو عطا کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا میں کیوں نہ روؤں بخدا مجھے محبوب ہے کہ ہمارے اور ان خراسانیوں کے درمیان آگ کا دریا حائل ہو جائے کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے،

اذا اقبلت رایات ولد العباس من عقاب خراسان جاء وا بنعي الاسلام فمن صار تحت دائهم لم تنله شفاعتی یوم القیامۃ۔

جب اولاد عباس کے جھنڈے خراسان کی طرف سے آئیں تو خراسانی اسلام کو مٹانے آئیں گے، جو اس جھنڈے کے نیچے ہوگا اسے بروز قیامت میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ (یہ حدیث موضوع ہے)

جب عجمیوں کے تعاون سے عباسی حکومت قائم ہوئی تو عرب اور عجم میں باہم منافرت پیدا ہوگئی، اہل عرب عجمی زبان سے بھی بیحد نفرت کرنے لگے، اس وقت اہل عجم بھی عجمی زبان کی تعریف میں حدیثیں وضع کرنے لگے۔ چنانچہ بطور مثال کے یہ موضوع حدیث یہاں لکھی جاتی ہے:۔

انّ کلام الذین حول العرش بالفارسیۃ وان اللہ اذا اوحیٰ امرا فیہ لین اوحاہ بالفارسیۃ واذا اوحیٰ امرا فیہ شدۃ اوحاہ بالعربیۃ (۱)

عرش کے اطراف میں جو ہستیاں ہیں ان کی زبان فارسی ہے اور جب اللہ کسی آسان بات کی وحی کرتا ہے تو فارسی میں کرتا ہے اور جب کسی سخت بات کی وحی کرتا ہے تو عربی زبان میں کرتا ہے۔

اہل عرب نے بھی اس کے جواب اور فارسی زبان کی تنقیص میں حدیث وضع کی وہ یہ ہے:۔

ابغض الکلام الی اللہ الفارسیۃ، وکلام الشیاطین الخوزیۃ، وکلام اھل النار البخاریۃ وکلام اھل الجنۃ العربیۃ (۲)

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض کلام فارسی ہے اور شیطانوں کا کلام خوزی زبان ہے، اور دوزخیوں کی زبان بخاری ہے اور جنتیوں کی زبان عربی ہے۔

وضع حدیث زبان کی حد تک نہیں رہی بلکہ رفتہ رفتہ ائمہ کے مناقب اور مثالب میں بھی حدیثیں وضع کی گئیں۔

---

(۱) السنۃ قبل التدوین

(۲) تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ص ۱۳۶ ج ا منقول از السنۃ قبل التدوین ص ۲۰۹

امام ابو حنیفہ کا نسبی تعلق عجم سے تھا اس لئے عجمیوں نے ان کی تعریف میں حدیث وضع کی اور امام شافعی کا نسبی تعلق عرب سے تھا اس لئے اہلِ عجم نے اُن کی مذمت میں حدیث وضع کی وہ یہ ہے :۔

یکون فی اُمتی رجل یقال له محمد بن ادریس اضر علی اُمتی من ابلیس، ویکون فی امتی رجل یقال له ابو حنیفه هو سراج اُمتی (۱)

میری اُمت میں ایک شخص پیدا ہوگا جو محمد بن ادریس کے نام سے موسوم ہوگا وہ میری اُمت کے لئے ابلیس سے زیادہ ضرر رساں ہوگا اور میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام ابو حنیفہ ہوگا وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

وسیاتی من بعدی رجل یقال له النعمان بن ثابت ویکنی ابا حنیفة یحیین دین الله وسُنتی علی یدیه (۲)

میرے بعد ایک شخص آئے گا جس کا نام نعمان بن ثابت ہوگا اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی وہ اللہ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔

اسی قسم کی اور حدیثیں وضع کی گئیں جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

دوسری صدی ہجری میں وضعِ حدیث کی مہم اتنی تیز تھی کہ علمائے حدیث کو پوری توانائی کے ساتھ اٹھنا پڑا اور اپنی اجتماعی قوت سے نہایت شدّت کے ساتھ واضعین حدیث کا انہوں نے مقابلہ کیا، اور رجالِ حدیث کے احوال کو معلوم کرنے کے لئے اصولِ روایت و درایت مرتب کئے جس کے بعد سے رجالِ حدیث کا علم ایک مستقل علم بن گیا جس کی روشنی میں تمام سچے اور جھوٹے راویانِ حدیث ظاہر ہو گئے اور صحیح اور غیر صحیح حدیث منکشف ہو گئی۔

امام مالک کا زمانۂ ابتلاء

اسی دوسری صدی ہجری میں جب عباسی حکومت کی تاسیس عمل میں آئی تو خلیفہ عباسی منصور کے عہد میں اس کے لئے تمام بلاد اسلامیہ میں مسلمانوں سے بیعت لی جانے لگی، حاکم مدینہ کو بھی وہاں کے مسلمانوں سے بیعت لینے کے لئے حکم دیا گیا حاکمِ مدینہ نے بیعت کو استوار اور پختہ کرنے کے لئے یہ اُپج نکالی کہ ہر مسلمان سے بیعت لیتے وقت یہ اقرار بھی لیتا کہ اگر کوئی مسلمان خلیفہ منصور کی بیعت توڑ دے تو اس کی بیوی کو طلاق بائن ہو جائے گی، اس جبری طلاق (جسے طلاق مُکرہ کہتے ہیں) کے خلاف امام مالک نے فتویٰ دیا کہ جبری طلاق از روئے شرع ناجائز ہے اس فتویٰ

---

(۱) تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ ص ۳۰۷ ج ۱ از السنۃ قبل التدوین

(۲) السنۃ قبل التدوین

کی زد خلیفہ منصور کی بیعت پر پڑتی تھی اس لئے حاکم مدینہ مشتعل ہو گیا اور اس نے امام مالک کو ستر کوڑے لگوائے جب اس کی اطلاع منصور کو دی گئی تو وہ خفا ہوا اور حاکم مدینہ کو معزول کر دیا، دوسرے سال خلیفہ منصور حج کو آیا تو وہ امام مالک کی خدمت میں نیازمندانہ حاضر ہوا اور معذرت خواہ ہوا اور کہا حاکم مدینہ نے جو کچھ کیا میرے منشا کے خلاف تھا، پھر خلیفہ منصور نے امام مالک کو انعام و اکرام سے نوازا۔

علمائے حدیث کی وضاعین حدیث کے خلاف کارروائیاں

علمائے حدیث کسی عہد اور دور میں واضعانِ حدیث کے خلاف اپنی مساعی سے غافل نہیں رہے اور ہر موقع پر موضوع حدیث بنانے والے کی سرزنش فرماتے اور ان کی بنائی حدیثوں کو مشتہر کرتے رہے اور ان کی تادیب فرماتے رہے حضرت عامر شعبیؒ ایک شخص ابو صالح مفسر کے پاس سے گذرے اس کا کان پکڑ کے کہا تیری خرابی ہو تو قرآن کی تفسیر لکھتا ہے حالانکہ تو قرآن بھی ٹھیک طرح سے نہیں پڑھ سکتا۔

محدث شعبہ کذابین کے لئے نہایت سخت واقع ہوئے تھے، وہ جھوٹی حدیث بنانے والوں کے پاس جاتے اور کہتے خبردار! حدیث نہ بناؤ ورنہ تمہیں حکومت کے ذریعہ پکڑوا دوں گا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں صحیح حدیث کا رواج نہ ہوتا۔

مشہور محدث عبدالرحمٰن بن مہدی نے عیسیٰ بن میمون واضع حدیث کو سخت دھمکی دی تو اس نے توبہ کی اور کہا آئندہ ایسا نہ کروں گا۔

امام سفیان ثوری بھی وضاعین کے مقابلے میں سخت متشدد واقع ہوئے تھے، اور ان کے عیوب کو ظاہر کرتے رہتے تھے۔ امام سفیان ثوری کے زمانے میں کسی کو حدیث بنانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی عیینہ بن سعید کہتے ہیں اگر سفیان ثوری نہ ہوتے تو تقوی ختم ہو گیا ہوتا۔

حماد مالکی کذاب کے پاس عمرو انماطی آئے اور اسے سختی سے کہا کہ تجھے ابھی پکڑوائے دیتا ہوں، اس نے اقرار کیا کہ حسن بصری سے اس نے حدیث کی سماعت نہیں کی ہے اور قسم کھائی کہ آئندہ وہ حدیث نہیں بیان کرے گا۔ عمرو انماطی نے اس سے یہ بیان لکھوا لیا اور گواہوں سے گواہی بھی لکھوا لی۔

امام مسلم متصل اسناد سے حمزۃ الزیات سے روایت کرتے ہیں کہ مرۃ ہمدانی نے حارث اعور کذاب سے کچھ حدیثیں سنیں، انہوں نے حارث سے کہا کہ دروازے پر ٹھہرے رہو میں آتا ہوں، گھر میں گئے اور تلوار ہاتھ میں لی، حارث تاڑ گیا اور وہاں سے فرار ہو گیا۔

ابن حجر یزید بن ہارون سے روایت کرتے ہیں کہ جعفر بن زبیر اور عمران بن حُدیر ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ جعفر بن زبیر کے پاس لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی، اور عمران بن حُدیر کے پاس کوئی نہیں جاتا تھا ایک دن شعبۃ ان دونوں کے پاس سے گزرے اور لوگوں کو دیکھ کے کہا ہائے افسوس! لوگوں کے حال پر بہت بڑے جھوٹے شخص کے پاس لوگ جمع رہتے ہیں اور بہت بڑے سچے شخص کو چھوڑ رکھا ہے شعبۃ کا یہ کہنا تھا کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد عمران کے پاس لوگوں کی بھیڑ رہنے لگی اور جعفر کے پاس کوئی نہیں جاتا۔

غرض کہ محدثین اور علمائے حدیث کی سخت دار وگیر سے وضاعین کا قلع قمع ہوتا رہا اور صحیح حدیث کی حفاظت پوری طرح سے ہوتی رہی۔

قرائن جن سے وضع حدیث کا ثبوت ملے
(روایت میں وضع کے قرائن)

۱۔ راوی ایسے شخص سے روایت کرتا ہو جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ ہو، یا ایسے شہر کے شیخ سے روایت کرتا ہو جس شہر میں وہ کبھی نہ گیا ہو، یا ایسے شیخ سے روایت کرتا ہو جس کی وفات کے بعد راوی کی پیدائش ہوئی ہو یا شیخ کی اس وقت وفات ہوئی ہو جبکہ راوی بچہ ہو اور شیخ سے نہ ملا ہو۔ محدث شعبۃ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ عثمان بن ابو الیقظان (یعنی عثمان بن عمیر) سے روایت کیوں نہیں کرتے؟ شعبۃ نے جواب دیا ایسے شخص سے کیسے روایت کر سکتا ہوں جس کے پاس میں بیٹھا تھا اور میں نے اس کی عمر پوچھی اس نے اپنا سنہ پیدائش بتایا پھر ایسے شخص سے حدیث بیان کی جو اس شخص کی پیدائش سے پہلے مر چکا تھا، اسی لئے شیوخ کا سنہ پیدائش، وفات، سفری شہروں کے نام جہاں انہوں نے سفر کیا اور جہاں جہاں اقامت کی ان سب باتوں کا جاننا محدثین ضروری سمجھتے تھے، اور یہ سب معلومات رکھتے تھے، اسی بنا پر حفص بن غیاث کا بیان ہے کہ جب کوئی شیخ متّہم ہو تو تاریخ سے اس کا محاسبہ کرو، یعنی اس کی عمر معلوم کرو اور جس سے کتابت کی ہے اس کا سنہ دریافت کرو۔

حسّان بن زید کا بیان ہے کہ تاریخ کے ذریعہ ہم نے کذّابین کے معلوم کرنے میں بڑی مدد حاصل کی ہے، ہم شیخ سے پوچھتے ہیں اس کی عمر کیا ہے، کس سنہ میں پیدائش ہوئی ہے؟ اگر وہ اپنے مولد کا اقرار کرتا تو اس کے صدق و کذب کا پتہ چل جاتا۔

۲۔ راوی جو کذب میں مشہور ہو کسی حدیث کی روایت میں منفرد ہو اور سوائے اس کے کسی دوسرے ثقہ راوی سے اس کی روایت نہ ہو۔

متنِ حدیث میں وضع کے قرائن

۱۔ مروی حدیث کے لفظ میں یا معنی میں رکاکت ہو کیونکہ کوئی رکیک لفظ یا معنی کی رکاکت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت کے خلاف ہے، مثلاً یہ موضوع احادیث ہیں۔

(ا) الباذنجان شفاء من کل داءٍ — بیگن ہر مرض کے لئے شفا ہے۔

(ب) من اتخذ دیکًا ابیض لم یقربہ شیطان ولا سحر۔ — جو شخص سفید مُرغ رکھے اس کے قریب نہ شیطان آئے گا اور نہ جادو۔

(ج) ثلاثۃ تزید فی البصر النظر الی الخضرۃ والماء الجاری، والوجہ الحسن۔ — تین چیزوں کے دیکھنے سے بصارت تیز ہوتی ہے، سبزی، بہتا پانی اور حسین چہرہ۔

۲۔ صحیح شواہد حدیث کے باطل ہونے پر دلالت کرتے ہوں:۔
جیسے عوج بن عنق طویل کی حدیث جس میں کہا گیا ہے کہ اس شخص کا طول تین ہزار ذراع (ہاتھ) سے زیادہ تھا۔ اور طوفان نوح کا پانی اس کے ٹخنے تک نہ پہونچ سکا الخ

۳۔ جو کتاب، سنت اور اجماع قطعی کے مخالف ہو جیسے
دنیا کی مقدار عمر سات ہزار برس ہے۔ یہ کتاب اور سنت کے مخالف ہے، کیونکہ قرآن میں ہے کہ اللہ ہی کے نزدیک قیامت کا علم ہے، اور حدیث میں ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔

۴۔ تاریخی حقائق کے خلاف ہو جیسے یہ دعویٰ کہ یہود خیبر سے جزیہ معاف کر دیا گیا ہے، یہودیوں کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا تھا، کیونکہ یہودیوں نے ایک جعلی وثیقہ بنا کر اموی حکومت کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا تھا جس میں مندرج تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے جزیہ معاف کر دیا ہے، اس وثیقہ میں کاتب کا نام امیر معاویہ لکھا گیا تھا، اور گواہوں میں سعد بن معاذ کا نام درج تھا۔ یہ وثیقہ جعلی اس لئے قرار دیا گیا کہ خیبر ۷ھ ہجری میں فتح ہوا تھا اس وقت تک امیر معاویہ اسلام نہیں لائے تھے، وہ فتح مکہ ۸ھ ہجری میں اسلام لائے اس لئے اُن سے کتابت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیسے کرا سکتے تھے، اور سعد بن معاذ کی وفات ۵ھ ہجری میں واقع ہوئی تھی، اس لئے ان کی گواہی اس وثیقہ میں نہیں ہوئی ہے، جزیہ کا حکم غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوا جو فتح خیبر کے بعد پیش آیا تھا علامہ ابن قیم نے اس وثیقہ کو دس دلیلوں سے جعلی قرار دیا ہے۔

اسی طرح یہ حدیث موضوع ہے جسے بطور مثال کے امام مسلم نے ابو وائل کی سند سے بیان کیا ہے۔

خرج علینا ابن مسعود بصفین — ابن مسعود جنگ صفین میں ہمارے سامنے برآمد ہوئے۔

موضوع اس لئے ہے کہ ابن مسعود کی وفات ۳۲ ہجری میں ہوئی تھی اور جنگ صفین ۳۷ ہجری میں واقع ہوئی کیا ابن مسعود وفات کے بعد زندہ ہو گئے تھے؟

۵۔ کوئی اہم واقعہ ہو اس کی خبر ایک ہی راوی سے منقول ہو جیسے قافلہ حجاج کو خانہ کعبہ کے طواف سے دشمن روک دے یا منبر پر کسی خطیب کو قتل کر دیا جائے، جب مجمع کثیر کے سامنے کوئی واقعہ پیش ہو تو اس واقعہ کے راویوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہونی چاہئے، نہ کہ صرف ایک راوی۔

۶۔ چھوٹے عمل کے بدلے میں عظیم ثواب کا ملنا ظاہر کیا جائے، مثلاً جس نے یہ عمل کیا اُسے جنت میں ستر ہزار حور و قصور ملیں گے، وغیرہ۔

علماء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی دراست (درس و تدریس) حفاظت اور ممارست سے ایسا ملکۂ خاص پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ صادق و مصدوق کی حدیث کو پہچان لیتے ہیں چنانچہ ابن جوزی کہتے ہیں:

الحدیث المنکر یقشعر له جلد الطالب للعلم و ینفر منه قلبه فی الغالب۔ (۱) — منکر حدیث سے طالب علم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُس کا دل اکثر اس منکر حدیث سے متنفر ہو جاتا ہے۔

اور جلیل القدر تابعی الربیع بن خثیم جو ابن مسعودؓ کے اصحاب میں سے ہیں ان کا قول ہے۔

ان من الحدیث حدیثا له کضوء النهار نعرفه به وان من الحدیث حدیثا له ظلمة کظلمة اللیل نعرفه بها (۲) — (صحیح) حدیث کی روشنی دن کی روشنی کی طرح ہوتی ہے جس سے ہم صحیح حدیث کو پہچان لیتے ہیں اور (موضوع) حدیث کی ظلمت رات کی تاریکی کی مانند ہوتی ہے جس سے ہم (موضوع) حدیث کو معلوم کر لیتے ہیں۔

رُواۃ کے طبقات

رُواۃ (راویان حدیث) کے طبقات کا علم اور ان طبقات کے مدارک کے مراتب کی معرفت نہایت مشکل اور غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ اس کی واقفیت کے بعد ہی صحیح حدیث کی تخریج کی جا سکتی ہے۔ ماہرین اور ناقدین حدیث ہی اپنی مزاولت و ممارست حدیث اور اپنی فہم و ذکاء کی بدولت رُواۃ کے مدارک

---

(۱) الباعث الحثیث ص ۹ منقول از السنۃ قبل التدوین (۲) معرفۃ علوم الحدیث للحاکم

کے مراتب کی معرفت میں عبور رکھتے ہیں، حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی (ر۔ ۵۸۴ھ) نے امام زہری کے تلامذہ کے طبقات کی مثال دے کے سمجھایا ہے، اس مثال سے دوسرے شیوخ حدیث کے تلامذہ کے طبقات کے مراتب معلوم کیے جا سکتے ہیں، حازمی موصوف اپنی کتاب میں ائمہ خمسہ کی شروط کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ اصحابِ زہری کے پانچ طبقے ہیں اور ہر طبقہ کو اپنے بعد والے طبقہ پر مزیت اور خصوصیت حاصل ہے، وہ پانچ طبقے یہ ہیں:۔

۱۔ پہلا طبقہ:۔ رُواۃ کی وہ جماعت ہے جس کے افراد عدول ہونے کے ساتھ ساتھ حفظ اور اتقان کے جامع تھے، امام زہری کی صحبت میں طویل مدت تک رہے یہاں تک کہ سفر و حضر میں بھی ان کے ساتھ رفاقت کی ایسے لوگ صحت کی انتہائی درجہ پر فائز تھے جیسے مالک بن انس، ابن عُیینۃ، یونس ایلی، عقیل ایلی، شعیب بن ابی حمزۃ وغیرہم۔

۲۔ دوسرا طبقہ:۔ رُواۃ کی وہ جماعت ہے جس کے افراد عدول تھے، لیکن زُہری کی صحبت میں تھوڑی مدت تک رہے اسی لئے وہ زُہری کی حدیث کی سماعت و ممارست زیادہ نہ کر سکے اور حفظ و اتقان میں بھی طبقہ اولیٰ کے درجے سے کم تھے۔ جیسے اوزاعی، لیث بن سعد، نعمان بن راشد، عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر وغیرہم

۳۔ تیسرا طبقہ:۔ رُواۃ کی وہ جماعت ہے جس کے افراد زُہری کی صحبت میں طبقہ اولیٰ کی طرح طویل مدت تک رہے لیکن وہ جرح کی آفات اور غوائل سے نہ بچ سکے ایسے رُواۃ قبول اور رد کے بین بین ہیں جیسے سفیان ابن حسین اسلمی، جعفر بن برقان، عبداللہ بن عمر بن حفص العمری، زمعہ بن صالح مکی وغیرہم۔

۴۔ چوتھا طبقہ:۔ رُواۃ کی وہ جماعت ہے جس کے افراد غوائل جرح کی عدم سلامتی میں تیسرے طبقہ سے شرکت رکھتے ہیں اور زُہری کی صحبت میں طویل عرصہ تک نہیں رہے، جس کی وجہ سے زُہری کی حدیث کی ممارست اور مشق نہ کر سکے، جیسے اسحاق بن یحییٰ الکلبی، معاویہ بن یحییٰ صدفی، اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ مدنی، ابراہیم ابن یزید مکی، مثنیٰ بن صباح وغیرہم۔

۵۔ پانچواں طبقہ:۔ رُواۃ کی وہ جماعت ہے جس کے افراد ضُعفاء اور مجہولین میں سے ہیں، جو محدث ابواب پر حدیث کی تخریج کرتے ہیں اُن کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس قسم کے رُواۃ سے حدیث کی تخریج کریں، ہاں اعتبار اور استشہاد کے لئے ابو داؤد، نسائی اور ترمذی کے مسلک پر کر سکتے ہیں لیکن شیخین (بخاری و مسلم) کے مسلک پر نہیں کر سکتے جیسے بحر بن کنیز السقا، حکم بن عبداللہ ایلی، عبدالقدوس بن حبیب دمشقی، محمد بن سعید مصلوب وغیرہم۔

راقم کہتا ہے کہ رُواۃ کے طبقات کی مثال زُہری کے اصحاب کی ہے اسی پر دوسرے شیوخ کے اصحاب کو قیاس کرنا چاہیے۔

ناقلینِ حدیث کے طبقات

حسین بن محمد ابو علی الجیانی کا بیان ہے کہ ناقلینِ حدیث کے سات طبقے ہیں:۔

۱۔ پہلا طبقہ:۔ ائمہ اور حفاظِ حدیث کا ہے ان کا تفرد مقبول ہے، وہ اپنے مخالفین پر حجّت کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے زُہری، مالک، یحیٰی القطان، احمد، بخاری۔

۲۔ دوسرا طبقہ:۔ وہ ہے جس کے افراد پہلے طبقہ کے ناقلین سے حفظ اور ضبط میں کم ہیں اور اس طبقہ کے لوگوں میں کچھ وہم بھی لاحق ہو گیا ہے۔

۳۔ تیسرا طبقہ:۔ اس طبقہ میں وہ ناقلین داخل ہیں جن کا صدق اور معرفت ثابت ہے لیکن یہ لوگ مذہب اہواء کی طرف مائل ہو گئے ہیں تاہم ان میں غلو نہیں ہے اور نہ مذہب اہواء کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ تینوں طبقے مقبول ہیں۔

۴۔ چوتھا طبقہ:۔ وہ ہے جو کذب اور وضع حدیث میں متہم ہے۔

۵۔ پانچواں طبقہ:۔ اہل بدعت کا ہے جس نے بدعت میں غلو کیا اور روایات میں تحریف کی ہے۔

۶۔ چھٹا طبقہ:۔ وہ ہے جس پر خطا اور غلط غالب آگیا ہے۔

یہ آخری تینوں طبقے مردود ہیں۔

۷۔ ساتواں طبقہ:۔ مجہولین کا ہے جو اپنی روایات میں منفرد ہیں، اس طبقہ کی روایات کو کسی نے قبول کیا ہے اور کسی نے رد کر دیا ہے۔

کتبِ احادیث کے طبقات

شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا قول "عجالہ نافعہ" میں نقل کیا ہے۔

"باید دانست کہ کتب حدیث باعتبار صحت و شہرت و قبول بر چند طبقہ می شوند"

صحت کی شاہ صاحب نے یہ تعریف کی ہے کہ اس کے مصنف نے پوری کوشش کرکے صحیح حدیثیں جمع کی ہوں اگر دوسری قسم کی حدیث لایا ہو تو اس کے ضعف و غرابت و شذوذ وغیرہ نقائص کو ظاہر کر دیا ہو شہرت کی شاہ صاحب نے یہ تعریف کی ہے کہ ہر زمانے کے ماہرینِ فن اس کو پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں اور اس کی حدیثوں اور راویوں

کی جانچ کرتے رہے ہوں۔

قبول کی یہ تشریح کی ہے کہ علماء نے ان کتابوں کو معتبر و مستند قرار دیا ہو، فقہاء نے اُن سے تمسک کیا ہو۔

طبقہ اول:۔ مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، آخر الذکر دونوں کتابوں کو صحیحین کہتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ تمام کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح ہیں لیکن مثل قرآن مجید کے محفوظ نہیں ان کو صحیح باعتبار اغلبیت کہا جاتا ہے، شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ صحیحین کی شان یہ ہے کہ تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ ان میں جو حدیثیں مرفوع متصل ہیں وہ سب یقیناً صحیح ہیں اور یہ دونوں کتابیں اپنے اپنے مضمون تک متواتر ہیں (حجۃ اللہ البالغہ) ان کتابوں میں قریب دو ثلث کے درجہ اول و دوم کے راویوں کی روایتیں ہیں جن کا زیادہ تر تعلق احکام سے ہے، اور ایک ثُلث میں درجہ سوم کے راوی بھی ہیں مگر درجہ چہارم کے راوی نہیں یہ

طبقہ دوم:۔ جامع ترمذی سنن ابی داود، سنن نسائی، مسند احمد بن حنبل، جامع الاصول ابن اثیر، مؤطا امام محمد، ان میں سے اول الذکر تینوں کتابوں میں قریب نصف کے درجہ سوم کے راوں کی روایتیں ہیں باقی نصف میں سے دو ثلث میں درجہ اول و دوم کے راویوں کی روایتیں ہیں اور ایک ثلث میں درجہ چہارم کے راویوں کی روایتیں ہیں، باقی کتب میں درجہ سوم کے راویوں کی روایتیں نصف سے کچھ زیادہ ہیں۔

طبقہ سوم:۔ سنن ابن ماجہ، مسند شافعی، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند ابو داؤد طیالسی، مُسند دارمی، مسند ابو یعلیٰ، مسند عبد بن حمید، سُنن دار قطنی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، کتب بیہقی کتب طحاوی، تصانیف طبرانی، معجم صغیر و کبیر، سنن سعید بن منصور، مُسند حارث، سُنن مسلم، مسند بزار، معجم ابن قانع، مسند امام اعظم، ان میں ایک ثلث سے کم درجہ اول و دوم کے راویوں کی روایتیں ہیں اور ایک ثلث سے زیادہ درجہ سوم کی اور ایک ثلث درجہ چہارم کی، ان میں بعض کتابیں باعتبار روایت ایک دوسرے سے قوی مانی گئی ہیں۔

طبقہ چہارم:۔ کتاب الضعفاء لابن حبان، کتاب الضعفاء للعقیلی، تصانیف حاکم، کتاب الکامل لابن عدی، تصانیف ابن مردویہ، تصانیف خطیب، تصانیف لابن شاہین، تفسیر ابن جریر، تصانیف فردوس دیلمی، تصانیف ابن نعیم، تصانیف جوزقانی، تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابو الشیخ، تصانیف ابن نجار، اور بہت سی کتابیں ہیں جو اسی طبقہ میں شامل ہیں مثل طبقات کبری واقدی، تاریخ طبری، سیرت شامی،

ابو الفداء، مسعودی، مواہب لدنیۃ، زرقانی شرح مواہب، تاریخ الخمیس خصائص کبریٰ، دلائل نبوت، روضۃ الاحباب، مدارج النبوۃ، نزہتہ المجالس، مسامرۃ الاخبار، سیرت حلبیۃ، تاریخ کامل، شواہد نبوت، معارج نبوت، دلائل ابونعیم، ابن خلدون، ابن خلکان، شرح اربعین۔

ان میں بعض کتابیں ایک دوسرے سے باعتبار روایات قوی مانی گئی ہیں۔

طبقہ سوم کی تمام کتب حدیث کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"احادیثے کہ جماعت از علماء متقدمین بر زبان بخاری و مسلم و معاصرین آنہا یا لاحقین بہ آنہا در تصانیف خود روایت کردہ اند و التزام صحت نمودہ و کتب آنہا در شہرت و قبول در مرتبہ طبقہ اولیٰ و ثانیہ نرسیدہ ہر چند مصنفین آن کتب موصوف اند بہ تبحر در علوم حدیث و وثوق و عدالت و ضبط احادیث صحیح، حسن و ضعیف بلکہ بالوضع نیز دراں کتب یافتہ می شود و در رجال آن کتب بعضے موصوف بعدالت اند و بعضے مستور و بعضے مجہول و اکثر احادیث معمول بہ نزد فقہاء نشدہ اند بلکہ اجماع بخلاف آنہا منعقد گشتہ و درین کتب ہم تفاضل و تفاوت است بعضہا اقویٰ من بعض (عجالہ نافعہ)

طبقہ چہارم کے متعلق فرماتے ہیں، احادیثکہ نام و نشان آنہا در قرون سابقہ معلوم نبود و متاخرین آنرا روایت کردہ اند پس حال آنہا از دوشق خالی نیست یا سلف تفحص کردند آنرا اصلے نیافتہ اند تا مشغول بروایت آنہا می شدند یا یافتند و دراں قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ آنہا را بر ترک آنہا و علی کل تقدیر این احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود، و این قسم احادیث را بسیارے محدثین زدہ است و بجہت کثرت طرق این احادیث کہ درین قسم کتب موجود اند مغرور شدہ حکم بتواتر آنہا نمودہ و در مقام قطع و لقین بداں تمسک جستہ برخلاف احادیث طبقات اول و ثانیہ و ثالثہ مذہبے برآوردہ اند و درین قسم احادیث کتب بسیار مصنف شدہ اند و بیشتر مسالہ و دمنع احادیث و اکثر مسائل نادرہ از ہمیں کتب می برآیدو مایہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی در رسائل و نوادر خود ہمیں کتابہا است اشتغال بہ احادیث این کتب و استنباط احکام از آنہا لاطائل می نمایند و معہذا اگر کسے را رغبت تحقیق این کتب باشد میزان الضعفاء للذہبی و لسان المیزان ابن حجر عسقلانی برائے احوال رجال این کتب بکارش می آید و برائے شرح غریب و توجیہات عبارات آں مجمع البحار شیخ محمد طاہر بوہرہ گجراتی مغنی است (عجالہ نافعہ)

اس طبقہ کی کتابوں میں قریب ایک ثمن کے درجہ اول و دوم کی اور قریب دو ثمن کے درجہ سوم کی باقی

پانچ تین میں درجہ چہارم کے راویوں کی روایتیں ہیں۔

چونکہ ہر درجہ کے رُواۃ باعتبار روایت اعلیٰ و ادنیٰ ہیں لہٰذا ان کتابوں میں درجہ اول و دوم وسوم کے ادنیٰ رُواۃ کی روایتیں ہیں (۱)

اہلِ کلام اور اصحابِ حدیث کی نزاع

اور اس کا حدیث پر اثر

اہلِ کلام اس گروہ کا نام تھا جو ہر چھوٹے اور بڑے دینی مسئلہ میں اپنی عقل کو دخل دیتا تھا اور جو بات اور جو مسئلہ اس کی عقل کے خلاف نظر آتا تھا اس کو رد کر دیتا تھا۔ سب سے پہلے اہلِ کلام اور اصحابِ حدیث کے درمیان نزاع مشہور بصرہ میں شروع ہوئی جس کی صورت یہ ہوئی کہ واصل بن عطا (۔۱۳۱ھ) خواجہ حسن بصریؒ کا شاگرد تھا ان کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا رفتہ رفتہ وہ اپنے شیخ خواجہ حسن بصریؒ کے خلاف اصولِ دین اور عقائد میں اپنی عقل کو دخل دینے لگا اور ہر مسئلہ میں عقل ہی کو حکم قرار دیا اور ایسے اصول قرار دیئے جو خواجہ حسن بصری اور سلف کے خلاف تھے جس کی وجہ سے حضرت خواجہ حسن بصریؒ اس سے خفا ہو گئے اور اس سے فرمایا "اعتزل عنی" مجھ سے جدا ہو جا۔ اعتزال کے معنی جدا ہونے اور دور ہونے کے ہیں اس وقت سے واصل اور اس کے متبعین کا نام معتزلہ ہو گیا۔ یعنی جدا ہونے والا فرقہ۔

معتزلین کے سرگروہوں کے نام

واصل کے بعد اعتزال کے جو سرگروہ پیدا ہوئے ان کے نام یہ ہیں:۔

عمرو بن عبید (۔۱۴۳ھ) اس کے بعد ابو الہذیل العلاف (۔۲۳۵ھ) نظام (۔۲۲۱ھ) بشیر المریسی (۔۲۱۸ھ) عمرو بن بحر الجاحظ (۔۲۲۵ھ) ثمامہ بن اشرس سب کے سب اصحاب آرا، و اقوال تھے۔

نزاع کے اہم مسائل دو تھے

اہلِ کلام کے نزاعی مسائل میں دو اہم مسائل ایسے تھے جو نزاع کا سبب بنے۔ اگرچہ وہ اصولِ دین کے بکثرت مسائل میں اپنی عقل اور آراء سے فیصلہ کرتے تھے جو جمہور مسلمانوں کے مسلک کے خلاف تھا، ان دو اہم مسائل میں

---

(۱) منقول از تاریخ الحدیث مؤلفہ قاضی عبد الصمد صارم سیوہاروی

ایک مسئلہ تھا بندوں کے افعال کا اور دوسرا مسئلہ تھا اللہ تعالیٰ کی صفات کا۔

بندوں کے افعال کے متعلق معتزلہ کا فرقہ کہتا تھا کہ بندے کے تمام افعال خود بندے کے پیدا کردہ ہیں اللہ کو بندے کے افعال کے پیدا کرنے میں کوئی دخل نہیں ہے اسی لئے بندے ثواب اور عذاب کے مستحق ہوں گے اس کے مقابلے میں جمہور کا قول یہ تھا کہ بندوں کے تمام افعال اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں۔ بندوں کا تعلق ان کے افعال میں اسی قدر ہے کہ اُن کے کسب اور اختیار سے سرزد ہوتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ جو نزاعی تھا وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تھا، معتزلہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قائم رہنے والی تمام صفات کے ثبوت سے منزہ ہے جیسے سمع، بصر، حیات، قدرت اور کلام وغیرہ صفات الٰہی ہیں، وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے اگر اس کی صفات بھی قدیم مانی جائیں تو کئی قدیم چیزیں ہو جائیں گی اس سے تعدد قدماء لازم آئے گا جو محال ہے۔ اس کے خلاف جمہور مسلمان کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سمع، بصر اور دوسری صفات الٰہی قدیم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے بذاتہ قائم ہیں یہ صفات نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات۔

قرآن مجید کے قدیم ہونے کی بحث

مسئلہ صفات الٰہی کے اختلاف کے سلسلہ میں دوسرا جو شدید نزاع اختلاف رونما ہوا وہ قرآن کے کلام الٰہی کی قدامت اور حدوث کا مسئلہ تھا، جمہور کہتے تھے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کلام قدیم ہے اس لئے قرآن بھی قدیم ہے اور غیر مخلوق ہے، اس کے مقابلہ میں معتزلہ کہتے تھے کہ قرآن جو اللہ کا کلام ہے حادث اور مخلوق ہے جس طرح دوسری مخلوقات ہیں، اللہ تعالیٰ قرآن کے حروف اور اصوات کو حادث جسم میں پیدا کرتا تھا جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سماعت فرماتے تھے۔

معتزلہ عقل کو تمام دینی مباحث، عقائد اور احکام میں حکم اور دخیل بناتے تھے، یہاں تک کہ وہ احادیث نبوی میں بھی اپنی عقل کو دخل دینے لگے، جب کوئی حدیث کا مسئلہ ان کی سمجھ اور عقل کے خلاف ہوتا اور اس کی تاویل نہیں ہو سکتی تو وہ حدیث کو رد کر دیتے تھے، لیکن وہ عام مسلمانوں کے خوف سے تیسری صدی ہجری کے اوائل تک علانیہ اپنے عقائد اور خیالات کا اظہار نہیں کرتے تھے، اور خلفائے اسلام بھی جمہور مسلمانوں کے خوف سے معتزلہ کی علانیہ حمایت نہیں کرتے تھے، لیکن جب تیسری صدی ہجری کا آغاز ہونے لگا اور عباسی خلیفہ مامون سریر آرائے خلافت ہوا جس کا زمانہ خلافت ۱۹۸ھ سے ۲۱۸ھ تک تھا جس نے بیس سال تک حکومت کی تو اس کے عہد حکومت میں اہل کلام کو عروج حاصل ہوا، مامون اگرچہ کتاب و سنت کا عالم تھا اور سمجھ بوجھ رکھتا تھا مگر وہ ..... عقل کو

دخیل کار بنانے کو اچھا سمجھتا تھا وہ فطرۃ بحث و مناظرہ میں آزاد پسند واقع تھا اس کے عہدِ حکومت میں حکمائے فارس اور فلاسفۂ یونان کی کتابوں کے ترجمے جو پہلے سے ہو رہے تھے بہت زیادہ ہوئے اور اہلِ علم مسلمانوں نے ان ترجمہ شدہ کتابوں کا مطالعہ بہت شوق سے کیا جس کی وجہ سے یہ مطالعہ کرنے والے لوگ بھی کافی تعداد میں مذہب کے اصول اور مابعد الطبیعات کے مسائل میں عقل کو دخل دینے لگے، اور خلیفہ مامون نے بھی اہلِ کلام کو بحث و مناظرہ کی پوری آزادی دیدی اور ان کا طرفدار بن گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مامون کے عہدِ حکومت میں اہلِ کلام اور اصحابِ حدیث کے درمیان میدان کارزار گرم ہوگیا اور بڑے بڑے ہولناک حوادث رونما ہوئے۔ مامون کا مقصد یہ تھا کہ اصحابِ حدیث اور اہلِ کلام کے درمیان بحث و مباحثے کے بعد جو مسائل اتفاقِ رائے سے طے ہو جائیں ان پر تمام مسلمانوں کو قائم رکھا جائے۔

مامون نے مسائل میں عقائد، امامت اور بالخصوص خلقِ قرآن کے مسئلہ کو زیادہ اہمیت دی اور ۲۱۲ھ میں خلقِ قرآن کے متعلق اپنے عقیدہ کو علانیہ ظاہر کیا اس کا خیال تھا کہ علما اور فقہائے امت اور تمام محدثین مامون کی رائے کی پُرزور تائید کریں گے، لیکن نتیجہ اس کے برعکس ظاہر ہوا، تمام علماء اور محدثین نے مامون پر بدعت کا الزام لگایا جس کے بعد سے رد و قدح اور دار و گیر کا زبردست سلسلہ شروع ہوگیا یہانتک کہ ۲۱۸ھ ہجری میں جب مامون بسلسلہ جنگ بلادِ روم میں تھا وہاں اس نے اپنے حاکم بغداد کو کئی طویل خطوط لکھے جن میں تاکید سے لکھا تھا کہ تمام محدثین کو اپنے پاس طلب کرکے خلقِ قرآن کے متعلق اُن کی رائیں معلوم کرے۔ اگر وہ خلقِ قرآن کی تائید کریں تو ان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئے اور اگر وہ اس کی تردید کریں تو ان کے ساتھ سختی برتی جائے۔ چنانچہ حاکمِ بغداد نے تمام علمائے اُمت اور محدثین کو باری باری سے طلب کرکے خلقِ قرآن کے متعلق اُن کے عقیدہ کو دریافت کیا سب نے کہا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اور کلام اللہ کی صفت ہے، خدا قدیم ہے اس کی صفت کلام بھی قدیم ہے اس لئے قرآن بھی قدیم اور غیر مخلوق ہے، اس جواب سے حاکم بغداد آپے سے باہر ہوگیا اور محدثین کو سخت سے سخت سزائیں دیں، حضرت امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگوائے۔ احمد بن نصر خزاعی کو ایک بڑی جماعت کے ساتھ قتل کردیا، ایک جماعت کو گرم تنوروں میں جھونک دیا اور ایک جماعت کو قید خانہ میں ڈلوا دیا اور بقیہ تمام محدثین کو فتوی اور درس دینے اور حدیث کی روایت کرنے سے منع کردیا۔

جب مامون مرض الموت میں مبتلا ہوا تو اس نے اپنے بھائی المعتصم کو جو جانشین ہونے والا تھا وصیت کی کہ وہ بھی خلقِ قرآن کے مسئلہ میں وہی روش اختیار کرے جو مامون کی ہے۔ چنانچہ المعتصم نے بھی اپنے عہدِ حکومت میں تمام معلمین کو ہدایت کی کہ وہ طلبہ کے ذہنوں میں خلقِ قرآن کے مسئلہ کو واضح کرائیں تاکہ طلبہ ابتدا ہی سے یہ عقیدہ قائم کرلیں کہ قرآن مخلوق ہے، قدیم نہیں ہے، لیکن المعتصم کے اس فرمان کا معلمین پر کوئی اثر نہ ہوا جس کی

وجہ سے بکثرت مسلمین شہید کئے گئے۔ امام احمد بن حنبل پر بھی سختیاں تیز کر دی گئیں اور نو سال تک وہ کڑی آزمائش اور سختیوں میں مبتلا رکھے گئے۔ یہاں تک کہ ۲۲۷ھ ہجری میں المعتصم کا انتقال ہوا اور اس کا فرزند واثق خلافت کے تاج و تخت کا مالک ہوا اس نے بھی خلقِ قرآن کے فتنہ کو زندہ رکھا اور ۲۳۱ھ ہجری میں امیر بصرہ کے نام حکم نامہ بھیجا کہ خلقِ قرآن کے متعلق بصرہ کے تمام ائمہ اور موذنین کا وہ امتحان لے جو لوگ اس کے خلاف رائے رکھیں انہیں سخت سزائیں دے۔ چنانچہ حاکم بصرہ نے اس حکم پر عمل کیا لیکن اسے بھی ناکامی ہوئی جس کی وجہ سے بعض اصحاب حدیث قتل کئے گئے۔ واثق کا وزیر احمد بن ابی داؤد فرقہ معتزلہ کا سرگرمہ بھی تھا، اس نے حکم دیا کہ قید خانہ کے قیدیوں میں جو لوگ خلقِ قرآن کا اقرار کریں ان کو دو اشرفی انعام دے کر رہا کر دیا جائے اور جو قیدی خلقِ قرآن کا اقرار نہ کرے اسے قید ہی میں رکھا جائے۔ علامہ خطیب کا بیان ہے کہ وزیر احمد بن ابی داؤد خلیفہ واثق پر چھایا ہوا تھا اور وزیر موصوف کی ہر رائے کو بغیر چون و چرا مان لیتا تھا اسی وزیر نے واثق کو محدثین اور علمائے امت کے خلاف تشدد پر آمادہ کیا تھا جس کی وجہ سے اصحاب حدیث کے خلاف تشدد کا سلسلہ جاری رہا مگر واثق کو بھی اپنے تشدد میں ناکامی ہوئی۔ پھر واثق نے ابو عبدالرحمن بن محمد اذرمی محارث کو جو ابو داؤد اور نسائی کے شیخ تھے ان کے وطن سے پابہ زنجیر اپنے دربار تک بلوایا۔ اس وقت احمد بن ابی داؤد وزیر نے خلیفہ واثق کے روبرو ابو عبدالرحمن بن محمد اذرمی سے خلقِ قرآن کے متعلق سوال کیا۔ شیخ ابو عبدالرحمن موصوف نے احمد بن ابی داؤد وزیر سے پوچھا کہ ابن ابی داؤد خلقِ قرآن کے متعلق تم جو کچھ کہتے ہو کیا اس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علی رضی اللہ عنہم کو تھا یا نہیں تھا؟ ابن ابی داؤد نے کہا کہ ہاں ان سب کو اس کا علم تھا۔ پھر شیخ ابو عبدالرحمن نے وزیر موصوف سے دریافت کیا کہ کیا ان نفوس قدسیہ نے اس مسئلہ کی طرف لوگوں کو دعوت دی تھی جیسا کہ تم دعوت دے رہے ہو یا وہ خاموش رہے تھے اس نے جواب دیا کہ ان سب بزرگوں نے سکوت اختیار کیا۔ شیخ ابو عبدالرحمن نے کہا۔ کیا تیری استطاعت میں نہیں ہے کہ تو بھی اس مسئلہ میں اسی طرح سکوت اختیار کرے۔ یہ سن کر وزیر موصوف اور اس کے تمام معاونین مبہوت ہو گئے اور خلیفہ واثق ہنسنے لگا اور اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگا کیا تیری استطاعت میں نہیں ہے کہ تو بھی اس مسئلہ میں سکوت اختیار کرے اور بار بار اس جملہ کو دہرانے لگا، پھر واثق نے ابو عبدالرحمن کو تین سو دینار دئے اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ انہیں ان کے وطن واپس روانہ کیا، اس روز سے محدثین اور علماء کی کڑی آزمائش اور سختیاں ختم ہو گئیں، اور واثق اپنے وزیر پر برہم ہوا۔

۲۳۲ھ ہجری میں واثق کے بعد اس کا بھائی المتوکل بن المعتصم تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ نیک دل اور نہایت مذہبی تھا اس نے تمام محدثین کی عزت افزائی کی، اور سنت کی اشاعت و ترویج کی طرف راغب ہوا اور اصحاب حدیث کو انعا

واکرام سے نوازا جس کے ترک کے لئے ابو بکر بن ابی شیبہ نے جامع رصافہ میں ایک اجتماع منعقد کیا جس میں تیس ہزار نفوس شریک ہوئے اور ابو بکر بن ابی شیبہ کے بھائی عثمان نے جامع منصور میں اجتماع منعقد کیا اس میں بھی تقریباً تیس ہزار آدمیوں نے شرکت کی اور خلیفہ المتوکل کے لئے خیر و برکت کی دعائیں کیں، اور اس خلیفہ کو محی السنۃ کے لقب سے یاد کیا۔

تیسری صدی کے مشہور محدثین اور صحاح ستہ کی تدوین

اور ناقدین رجال حدیث

تیسری صدی ہجری کے پہلے تین عشرے (دہائیاں) علمائے امت اور اصحاب حدیث کے لئے رنج و محن اور ابتلاء و مصیبت کا زمانہ اور پُر فتن دور تھا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اصحاب حدیث پر سایہ فگن تھی اسی لئے اسی دور ابتلاء اور پُر آشوب زمانے میں چار ایسی شخصیتیں اعلیٰ صلاحیت والی نمودار ہوئیں جو حدیث، رجال اور علل حدیث کی معرفت میں یکتائے زمانہ تھیں ناقدین رجال کی حیثیت سے بھی ان کا درجہ نہایت عالی سمجھا جاتا ہے، اور ان کا فیصلہ قول فیصل قرار دیا جاتا ہے، الغرض اسناد اور متن حدیث کی معرفت میں ان کا پایہ علمی بہت بلند تر تھا، ان حضرات کے نام یہ ہیں:۔

(۱) یحییٰ بن معین متوفی ۲۳۳ھ ہجری (۲) علی بن المدینی متوفی ۲۳۴ھ ہجری (۳) ابو بکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ ہجری (۴) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ہجری۔

ان چار اصحاب حدیث نے دور فتن میں بھی حدیث کے منارہ کو بلند رکھا اور ایسے جادۂ مستقیم پر گامزن رہے اور صحیح نشان منزل چھوڑ گئے کہ آنے والے محدثین کو اس راستہ پر چلنے میں کسی پیچ و خم کا سامنا کرنا پڑا۔

تیسری صدی کے ابتدائی تین عشرے تک حکومت وقت کی دار و گیر اور سخت روش کی وجہ سے تحصیل علم حدیث میں جو رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی اس کے دور ہوتے ہی طالبان حدیث کا شوق طلب از سر نو شروع ہو گیا اور انہوں نے نہایت جوش اور ولولہ کے ساتھ طلب حدیث میں علمی سفر شروع کر دیا جو اس زمانہ کی طلب علم کا اہم ذریعہ تھا۔

صحاح ستہ کی تدوین

تیسری صدی کی آدھی بھی نہ گذری تھی کہ علم حدیث کا ایک نہایت بلند پایہ سرتاج محدثین امام بخاری کا غلغلہ بلند ہوا، دنیائے اسلام کے تمام محدثین کی نگاہیں ان کی طرف اٹھ گئیں اور سارے عالم اسلامی کے اصحاب حدیث اور علمائے امت نے نہایت احترام خلوص اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے خراج عقیدت پیش کیا، ان کے بعد

پے در پے پانچ اور بلند رتبے کے اصحاب حدیث منظر عام پر جلوہ گر ہوئے جنہوں نے دنیائے اسلام کے سامنے صحیح احادیث کی بالا تر صفات کی حامل اپنی تصنیفات پیش کیں ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری از ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ بن بردزبۃ الجعفی متوفی ۲۵۶ ہجری

۲۔ صحیح مسلم۔ از ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری نیساپوری متوفی ۲۶۱ ہجری

۳۔ جامع ترمذی از ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی بن سورۃ بن موسیٰ ابن الضحاک سلمی ترمذی متوفی ۲۷۹ ہجری

۴۔ سنن ابو داود از سلیمان بن الاشعث بن اسحاق اسدی سجستانی متوفی ۲۷۵ ہجری

۵۔ سنن نسائی از ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی متوفی ۳۰۳ ہجری

۶۔ سنن ابن ماجہ از ابو عبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ بن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ ہجری

ماجہ یزید بن عبداللہ کا نام ہے۔

تدوین حدیث کی تکمیل

مذکورہ چھ کتابوں کے مجموعہ کو صحاح ستہ کہتے ہیں یعنی حدیث کی چھ صحیح کتابیں صحاح ستہ کی تالیف و تصنیف سے تشریع اسلامی کے مصدر ثانی سُنت کی تدوینی ضرورت مکمل ہوگئی ورنہ اس سے پہلے سُنت کا وافر ذخیرہ ہزاروں محدثین کے سینوں اور سفینوں میں منتشر طور پر محفوظ تھا اور بلاد اسلامیہ کے مختلف اکناف میں حاملین حدیث پھیلے ہوئے تھے جس کی وجہ سے سنت کا ایک ایک مسئلہ معلوم کرنے اور اس کی تحقیق کرنے کے لئے ہزاروں میل کا سفر کرنا پڑتا تھا اور سخت سے سخت سفر کے مصائب برداشت کرنے پڑتے تھے، لیکن ان اولوالعزم محدثین نے خود ہزاروں میل کا سفر طے کر کے اور طرح طرح کے مصائب جھیل کے سنت کے وافر خزانہ کو یکجا کر دیا اور اپنے تبحر علمی، جانفشانی اور اپنے شیوخ کی کمال شفقتوں اور تائید ایزدی سے اصول روایت و درایت کو ملحوظ رکھ کر تمام غیر صحیح اور سقیم روایت کو چھانٹ کر صحیح حدیثوں کو اپنی اپنی تالیفات و تصنیفات میں محفوظ کر لیا اس طرح تشریع اسلامی کے مصدر ثانی سنت کی حفاظت و صیانت کے لئے خداوند تعالیٰ نے بہترین انتظام فرما دیا اس کا ارشاد ہے (انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون) ہم ہی نے ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں، ذکر میں قرآن و حدیث (سنت) دونوں داخل ہیں۔

صحاح ستہ کی چھٹی کتاب میں ردوبدل

متقدمین اہل حدیث اور متاخرین میں اکثر محققین اصحاب حدیث نے کتب حدیث کے اصول کو پانچ ہی قرار دیا تھا وہ یہ ہیں صحیح بخاری[۱] صحیح مسلم[۲]، جامع ترمذی[۳]، سنن ابو داود[۴] اور سنن نسائی[۵]، سنن ابن ماجہ کو

اصول کتب حدیث سے خارج رکھا، لیکن بعض متاخرین محدثین نے اس کی مخالفت کی اور انہوں نے کتب حدیث کی چھ اصولی کتابیں قرار دیں یا پانچ مذکورہ کتابوں کے ساتھ چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ کا اضافہ کیا، کیونکہ انہوں نے سنن ابن ماجہ کو بہت مفید اور فقہ حدیث میں عظیم النفع پایا، سب سے پہلے جس نے پانچ اصولی کتابوں میں چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ کا اضافہ کیا وہ حافظ ابو الفضل ابن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ ہجری تھے انہوں نے اپنی کتاب اطراف کتب ستہ اور شروط ائمہ ستہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ پھر حافظ عبد الغنی مقدسی نے اپنی کتاب "الاکمال فی اسماء الرجال" (یعنی رجال کتب ستہ) میں سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کیا۔ الاکمال وہ کتاب ہے جس کو حافظ المزی نے مہذب کیا ہے، ان دونوں شخصیتوں کے بعد دوسرے اصحاب اطراف و رجال نے ان دونوں کی اتباع میں سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں برقرار رکھا۔

چونکہ ابن ماجہ نے بعض ایسے رجال سے بھی حدیث کی تخریج کی ہے جو کذب اور سرقہ احادیث میں متہم تھے اس لئے بعض محدثین کی رائے یہ ہوئی کہ سنن ابن ماجہ کے بدلے کتاب دارمی صحاح ستہ کی چھٹی کتاب قرار دی جائے۔ جس میں ضعیف رجال کم ہیں اور منکر و شاذ احادیث بھی نادر الوقوع ہیں اگرچہ کتاب دارمی میں مرسل اور موقوف احادیث ہیں تاہم وہ سنن ابن ماجہ سے بہتر ہے، اور بعض محدثین نے سنن ابن ماجہ کے عوض صحاح ستہ کی چھٹی کتاب مؤطا امام مالک کو رکھا کیونکہ یہ اپنی جلالت شان اور صحت کی بنا پر قدیم تر اور اولیٰ تر ہے جیسا کہ محدث رزین سرقسطی متوفی ۵۳۵ھ ہجری نے اپنی کتاب تجرید الصحاح میں اس کا ذکر کیا ہے، اور رزین کی اتباع میں محدث ابن الاثیر نے بھی مؤطا امام مالک کو صحاح ستہ کی چھٹی کتاب قرار دیا ہے جیسا کہ ابن الاثیر نے اپنی کتاب جامع الاصول میں بیان کیا ہے، مگر مقبولیت کو کیا کیجئے صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہی شمار کی جاتی اور پڑھائی جاتی ہے اگرچہ مؤطا امام مالک کو جو شرف اور قبول عام کا درجہ فی ذاتہ حاصل ہے وہ اپنی جگہ برقرار ہے اور وہ بھی مطالعہ اور درس سے خارج نہیں ہے۔

صحاح ستہ کی تالیف و تصنیف کے بعد حدیث کی جتنی کتابیں اصحاب حدیث نے لکھیں ان میں زیادہ تر صحاح ستہ کے مستخرجات مستدرکات مختصرات منتخبات شروح اور حواشی ہیں۔

کتب حدیث کی تالیفی اقسام کے نام

جامع:۔ جس میں ہر قسم کی حدیثیں ہوں یعنی عقائد، احکام، آداب، سیر وغیرہ

مُسند:۔ جس میں احادیث کو بترتیب صحابہ جمع کیا گیا ہو، خواہ باعتبار حروف تہجی کے یا باعتبار سبقت اسلام کے یا باعتبار شرافت نسبی کے۔

مُعجم:۔ جس میں احادیث کو بہ ترتیب شیوخ یا بلدان وغیرہ کے مرتب کیا گیا ہو۔ حروف تہجی کی ترتیب پر۔

سُنن :- جن میں احادیث احکام مذکور ہوں۔

اجزاء :- جزء کی جمع ہے جس میں ایک شخص خاص کی حدیثیں جمع کی جائیں۔

رسالہ :- جس میں کسی ایک خاص مقصد کی حدیثیں جمع کی جائیں۔

اربعین :- جس میں چالیس حدیثیں جمع کی جائیں۔

صحاح ستہ پر محدثین کا تبصرہ

بعض محدثین نے مؤطا کو صحاح ستہ کی چھٹی کتاب قرار دیا ہے اور تصنیف کے لحاظ سے بھی یہ اولیت کا درجہ رکھتی ہے اس لئے صحاح ستہ پر محدثین کا تبصرہ اسی کتاب سے شروع کیا جاتا ہے :-

موطا امام مالک بن انس ، یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ، صحابہ کے اقوال ، اور تابعین کے فتاوے پر مشتمل ہے ، سیوطی نے موطا کی شرح کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

ان مالکؒ قال عرضت کتابی ھذا علی سبعین فقیہا من فقہاء المدینۃ فکلّھم واطأنی علیہ فسمّیتہ الموطأ۔

امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے اپنی اس کتاب کو مدینہ کے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا سبھوں نے اس کی مواطات (موافقت) کی اس لئے میں نے اس کا نام مؤطا (متفق شدہ) رکھا۔

امام مالک نے اپنی اس کتاب موطا میں اہل حجاز کی قوی حدیثوں کو درج کر کے چالیس برس کی محنت شاقہ میں تنقیح اور تہذیب کے بعد اسے تیار کیا۔

علامہ سیوطی نے موطا کی شرح کے مقدمہ میں امام اوزاعی کی یہ روایت نقل کی ہے۔

انہ قال : عرضنا علی مالک الموطا فی اربعین یوما فقال : کتاب الفتہ فی اربعین سنۃ اخذتموہ فی اربعین یوما قل ما تفقھون فیہ؟

امام اوزاعی نے بیان کیا کہ میں نے مالک پر موطا کو چالیس دنوں میں پیش کیا مالک نے کہا کہ میں نے اسے چالیس سال میں تالیف کیا ہے اور تم نے صرف چالیس دنوں میں اسے حاصل کیا اتنی قلیل مدت میں کیسے اسے سمجھ سکو گے ؟

امام مالک نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے آثار کے علاوہ کسی کسی مدینہ کے متفق علیہ عمل کو بھی موطا میں درج کیا ہے اور کبھی بعض لغوی الفاظ کی تفسیر اور تشریح بھی لکھدی ہے ، وہ مدینہ

سے باہر کبھی نہیں گئے اس لئے دوسرے ممالک کے تابعین اور محدثین کی حدیثیں نہیں لکھی ہیں مگر نادر موطا کے متون اور اسانید کی صحت کی شہادت قدیم و جدید تمام علمائے حدیث نے دی ہے اور اس کے اسانید متصل واقع ہوئے ہیں، اس میں جو مرسل اور منقطع احادیث وارد ہوئی ہیں ان کے اتصالی اسناد کو دوسرے طریقوں سے علماء نے معلوم کر لیا ہے اس جہت سے موطا کی تمام احادیث صحیح ہیں۔

تعداد روایت:۔ ابوبکر ابہری کا بیان ہے کہ موطأ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اور تابعین کی جملہ احادیث اور آثار کی تعداد ایک ہزار سات سو بیس ہے، مسند چھ سو، مرسل دو سو بائیس اور موقوف چھ سو تیرہ حدیثیں ہیں اور تابعین کے اقوال کی تعداد دو سو پچاسی ۲۸۵ ہے، اور دوسرے لوگوں نے اس مجموعی تعداد سے زیادہ یا کم بھی بتایا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب تدریب میں حافظ صلاح الدین علائی کا قول نقل کیا ہے کہ امام مالک کی موطا کی روایت کثیر جماعت نے کی ہے اور ان کی روایات میں تقدیم و تاخیر زیادہ اور کمی کا اختلاف ہے ابن حزم کے قول کے مطابق سب سے زیادہ روایت ابن مصعب کی موطأ میں ہے، جس میں تمام موطاؤں سے تقریباً سو حدیث زیادہ ہے، محمد بن الحسن کی موطأ میں ایک سو پچھتر احادیث زیادہ ہیں جو مالک کے طریق سے نہیں ہیں اس میں تیرہ حدیث امام ابوحنیفہ کی روایت سے ہے، چار ابو یوسف کی روایت سے ہے اور باقی اور دوسروں کی روایت سے ہے۔

موطأ کے نسخے:۔ موطا کے نسخے بہت ہیں ان میں تیس زیادہ مشہور ہیں، ان سب نسخوں میں تقدیم اور تاخیر زیادہ و نقصان کا اختلاف ہے، چند کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ نسخہ یحیٰ بن یحیٰ اللیثی اندلسی، یحیٰ نے امام مالک کی موطا پہلے اپنے ملک اندلس میں عبدالرحمٰن معروف بہ شبطون سے سنی، پھر دوبارہ سفر کر کے مدینہ منورہ امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بلاواسطہ موطأ کی سماعت کی صرف کتاب الاعتکاف کے تین باب آخر کتاب میں سماعت نہ کر سکے۔

۲۔ دوسرا نسخہ ابو مصعب احمد بن ابوبکر القاسم قاضی مدینہ کا ہے یہ موطا کا آخری نسخہ ہے جو امام مالک پر پیش کیا گیا ہے اس میں تمام موطا سے تقریباً سو حدیثیں زیادہ ہیں۔

۳۔ تیسرا نسخہ امام محمد بن الحسن شیبانی صاحب ابو حنیفہ کا ہے یہ حدیث میں امام مالک کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ہیں جیسا کہ شیبانی فقہ میں امام ابو حنیفہ کے بلند پایہ شاگرد ہیں یہ نسخہ ہند اور ایران میں طبع ہوا ہے) عرب ملکوں میں اس کی شہرت ہے، اب یحیٰ اللیثی اندلسی کا نسخہ، موطا کثیر الاستعمال ہے۔

شروح موطأ۔ موطا کی شرحیں بھی کثرت سے محدثین نے لکھی ہیں چند کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حافظ ابو عمر بن عبد البر نمری قرطبی (۔ ۴۶۳ھ) نے موطا کی دو شرحیں لکھیں پہلی شرح کا نام ہے "التمہید لما فی الموطأ من المعانی والاسانید" اس شرح کو امام مالک کے شیوخ کے ناموں پر مرتب کیا ہے، اور ترتیب لاز معجم پر رکھی ہے، ابن حزم اس شرح کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "میں نہیں جانتا کہ فقہ حدیث میں اس کی مانند کسی نے کچھ کیا ہے۔

۲۔ دوسری شرح "کتاب الاستذکار فی شرح مذاہب علماء الامصار" ہے۔

۳۔ موطأ کی تیسری شرح جلال الدین سیوطی (۔ ۹۱۱ھ) کی ہے، اس شرح کا نام، کشف المغطّی فی شرح الموطأ" ہے اور اس شرح کا ایک مختصر بھی لکھا ہے جس کا نام "تنویر الحوالک" ہے یہ مختصر مصر میں طبع ہو چکا ہے۔

۴۔ موطأ کی چوتھی شرح محمد بن عبد الباقی زرقانی مصری مالکی (۔ ۱۰۱۴ھ) کی ہے تین جلدوں میں ہے۔

۵۔ موطأ کی پانچویں شرح مولانا عبد الحی فرنگی محلی لکھنوی (۱۲۶۴ھ ۔) کی ہے اس کا نام التعلیق الممجد علی موطأ الامام محمد" ہے یہ ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے۔

۶۔ موطأ کی چھٹی شرح شاہ ولی اللہ دہلوی (۔ ۱۱۷۶ھ) کی ہے فارسی زبان میں ہے اور نام المصفّٰی ہے

۷۔ ساتویں شرح بھی شاہ ولی اللہ دہلوی کی ہے یہ عربی زبان میں ہے اور اس کا نام "المسوّٰی" ہے۔

موطأ کا مختصر۔ اکثر علماء نے موطأ کو مختصر بھی کیا ہے، مختصر کرنے والوں میں بعض کے نام یہ ہیں:۔

امام ابو سلمان الخطابی (۔ ۳۸۸ھ) ابو الولید الباجی (۔ ۴۷۴ھ) ابن رشیق القیروانی (۔ ۴۵۶ھ) ابن عبد البر، ابو القاسم عبد الرحمٰن الغافقی الجوہری (۔ ۳۸۵ھ)

موطأ کی مقبولیت:۔ موطأ کی مقبولیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ایک ہزار سے زیادہ اصحاب نے بلا واسطہ امام مالک سے روایت کی ہے، بلند پایہ فقہاء میں امام شافعی، محمد بن الحسن شیبانی، ابن وہب، ابن القاسم جلیل القدر محدثین میں یحییٰ بن سعید القطان، عبد الرحمٰن بن مہدی، عبد الرزاق بن ہمام۔ سلاطین میں ہارون الرشید اور اس کے دونوں فرزند امین اور مامون نے موطأ کی روایت اور سماعت امام مالک سے کی ہے (۱)

جب تک صحیح بخاری تصنیف نہیں ہوئی تھی موطأ اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھی جاتی تھی۔ امام شافعی کا قول

(۱) ازالحیات بعد الممات

(ما علی وجہ ادیم الارض بعد کتاب اللہ اصح من موطا) روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد موطا سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔

مشہور محدث ابن اثیر نے اپنی کتاب جامع الاصول میں محدث رزین کی اتباع میں صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ابن ماجہ کے بدلے موطا کو رکھا ہے۔

۱۔ صحیح البخاری

ایک روز امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴ - ۲۵۶ھ) نے اپنے استاذ اسحاق بن ابراہیم حنظلی معروف بہ ابن راہویہ سے اپنے شاگردوں کے سامنے یہ کہتے ہوئے سنا۔

لو جمعتم کتابا مختصر الصحیح سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ — کاش تم لوگ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح کو بشکل مختصر کتاب جمع کر لیتے۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ استاذ ابن راہویہ کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی جس کے بعد میں "الجامع الصحیح" کے جمع کرنے میں مشغول ہو گیا، اور اس جامع صحیح کو چھ لاکھ حدیثوں سے تخریج کیا، اور اسی حدیث کو اختیار کیا جو متصل سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھی جس کے راویوں میں عدالت اور ضبط کے اوصاف پورے طور پر موجود تھے، سولہ سال میں یہ کتاب مکمل ہوئی، ہر حدیث کو کتاب میں داخل کرنے سے پہلے غسل کرتا اور دو رکعت نفلی نماز ادا کرتا، جب یہ کتاب مکمل ہوئی تو پہلے امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، اور علی بن المدینی کی خدمت میں پیش کی، ان سبھوں نے اسے پسند کیا اور اس کی صحت کی شہادت دی، بجز چار احادیث کے"۔

عُقیلی کا بیان ہے کہ وہ چار احادیث بھی صحیح ہیں اور ان چاروں احادیث میں امام بخاری کے قول کو ترجیح حاصل ہے۔

امام بخاری کا بیان ہے کہ "میں نے اس کتاب میں صحیح حدیث کو داخل کیا ہے اور جو کچھ صحیح حدیثیں طوالت کے خیال سے چھوڑ دی ہیں وہ بہت زیادہ ہیں"۔ امام بخاری کا یہ قول کہ میں نے اس کتاب میں صحیح حدیث کو داخل کیا ہے وہ محمول ہے اُن احادیث پر جو مُسند متصل واقع ہیں جو کتاب کا اصل موضوع اور مقصود ہے، ورنہ امام بخاری نے اپنی اس کتاب میں ضمناً موقوف، مُعلّق، فتاویٰ صحابہ و تابعین اور علماء کے آراء کو بھی داخل کیا ہے تاکہ آثار موقوفہ سے بھی اُنس پیدا ہو جائے، اسی لئے اُن کو اس طرح سے بیان کیا ہے کہ صحیح حدیث سے

اُن کا امتیاز باقی رہے۔

صحیح بخاری کی حدیث کی تعداد:۔ حافظ ابن حجر نے جو صحیح بخاری کے شارح ہیں بیان کیا ہے کہ جامع صحیح میں مکرر حدیث شریک کر کے حدیث کی جملہ تعداد (۷۳۹۷) ہے ماسوائے معلقات، متابعات اور موقوفات کے اور بغیر مکرر کے متون حدیث کی تعداد (۲۶۰۲) ہے۔

صحیح بخاری کے رواۃ:۔ امام بخاری سے تقریباً نوے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری کی سماعت کی ہے، ان میں جو مشہور ہیں اُن کے نام یہ ہیں (۱) ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر الفربری (۔ ۳۲۰ھ) فربری نے صحیح بخاری کی سماعت دو بار کی ہے پہلے فربر میں ۲۴۸ھ میں اور دوسری دفعہ بخارا میں ۲۵۲ھ میں۔

(۲) ابراہیم بن معقل بن الحجاج نسفی (۔ ۲۹۴ھ) یہ صاحب تصانیف ہیں، صحیح بخاری کے چند اوراق کی سماعت نہ کر سکے تھے مگر اس کی روایت کی اجازت امام بخاری سے حاصل کی تھی۔

(۳) حماد بن شاکر نسوی (۔ ۲۹۰ھ) یہ بھی صحیح بخاری کا کچھ حصہ سماعت نہ کر سکے۔

(۴) ابوطلحہ منصور بن محمد بن علی بن قرینۃ بزدوی (۔ ۳۲۹ھ) یہ آخری شخص ہیں جنہوں نے امام بخاری سے حدیث کی روایت کی ہے جیسا کہ ابن ماکولا وغیرہ کا بیان ہے۔ (۱)

صحیح بخاری میں تراجم ابواب کو بڑی اہمیت حاصل ہے، لیکن ان سے حقیقی اور خاطر خواہ فائدہ بالغ نظر اور صاحب بصیرت علماء ہی حاصل کر سکتے ہیں، صحیح بخاری کی شرح متعدد لوگوں نے کی ہے سب سے زیادہ مشہور اور مقبول شرح حافظ ابن حجر (۷۷۳۔ ۸۵۲ھ) کی فتح الباری ہے۔

جب تک صحیح بخاری تصنیف نہیں ہوئی تھی موطا امام مالک اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھی جاتی تھی، لیکن صحیح بخاری کی تصنیف کے بعد یہی اصح الکتب بعد کتاب اللہ سمجھی جاتی ہے اور تمام عالم اسلامی میں بہت زیادہ مقبول اور مروج ہے اور عربی دینی درسگاہوں میں داخل نصاب ہے، اور تمام اصحاب حدیث کی تصنیفات پر فوقیت رکھتی ہے، امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں تمام صحیح احادیث کے استیعاب کا التزام نہیں کیا ہے، بلکہ بکثرت صحیح حدیثیں چھوڑ دی ہیں ان کا بیان ہے۔

ما ادخلت فی کتاب الجامع الا ما صح وترکت من الصحاح لملال الطول — اپنی کتاب جامع صحیح میں صحیح حدیث کو داخل کیا ہے اور طوالت کے خوف سے بہت سی صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے۔

---

(۱) الحدیث والمحدثون

۲۔ صحیح مسلم

صحیح مسلم امام مسلم بن الحجاج نیساپوری (۲۰۴-۲۶۱ھ) کی تصنیف ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے، صحت کے اعتبار سے صحیح بخاری کے بعد دوسرے درجہ میں ہے، اس میں چار ہزار غیر مکرر حدیثیں درج ہیں، اور مکرر حدیثوں کو شمار کیا جائے تو حدیثوں کی جملہ تعداد (۷۲۷۵) سات ہزار دو سو پچھتر ہوتی ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح میں نہایت حکیمانہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کی وجہ سے اس سے استفادہ آسان ہو گیا ہے، انہوں نے تمام تناسب رکھنے والی حدیثوں کو ایک ہی مقام پر رکھا ہے، اور اپنی پسند کے مطابق طرق حدیث کا ذکر بھی کیا ہے، عبارت میں اختصار اور نہایت احتیاط کے ساتھ ترتیب کو بہترین طور پر قائم کیا ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں احادیث کی تین قسمیں قرار دی ہیں:۔

۱۔ پہلی قسم وہ ہے جس کی روایت ایسے حفاظ حدیث سے کی ہے جو اصحاب اتقان ہیں۔

۲۔ دوسری قسم وہ ہے جس کی روایت ایسے حفاظ حدیث نے کی ہے جو حفظ اور اتقان میں متوسط درجے کے ہیں اور مستور بھی ہیں۔

۳۔ تیسری قسم وہ ہے جس کی روایت ضعفاء نے کی ہے اور متروکین میں داخل ہیں۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں پہلی اور دوسری قسم کی احادیث بالاستیعاب یعنی پوری درج کی ہے تیسری قسم کی احادیث میں سے چن کر لیا ہے۔

صحیح مسلم کی ترتیب بھی ابواب فقہ پر مرتب ہے لیکن تراجم الابواب نہیں لکھے ہیں تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔ صحیح مسلم کی شرح بھی متعدد لوگوں نے کی ہے، امام نووی کی شرح عام طور سے متداول ہے،

مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی مرحوم نے بھی فتح الملہم کے نام سے شرح مسلم لکھی ہے جو کئی جلدوں پر حاوی ہے۔ اس خاکسار کو اس شرح کے تین حصے اول دوم اور سوم بطور تحفہ عطا فرمائے تھے۔ ابو علی نیساپوری کا قول ہے۔

ماتحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب مسلم بن الحجاج — زیر آسمان مسلم بن الحجاج کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔

اور مغاربہ (شمالی افریقہ کے لوگ) بھی صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے ہیں، غالباً یہ ترجیح صحیح مسلم کی حسن ترتیب اور سہل تناول کی بنا پر ہے، ورنہ صحیح بخاری کو اتصال اسناد، اتقان رجال، شذوذ اور علت سے سلامتی اور تقدم تصنیف کی بنا پر فوقیت حاصل ہے۔

اکابر محدثین نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی جن احادیث پر تنقید کی ہے ان کی جملہ تعداد دو سو دس (۲۱۰) ہے۔ اس

مجموعی تعداد میں (۸۰) حدیثیں صحیح بخاری کی اور سو (۱۰۰) حدیثیں صحیح مسلم کی ہیں اور بتیس (۳۲) حدیثیں دونوں میں مشترک ہیں، اور صحیح بخاری کے چار سو تیس (۴۳۰) سے کچھ اوپر راویوں میں سے اسی (۸۰) رجال پر اور صحیح مسلم کے چھ سو بیس (۶۲۰) راویوں میں سے (۱۶۰) رجال پر بحیثیت ضعف کے کلام کیا گیا ہے۔ امام مسلم نے بھی امام بخاری کی مانند بکثرت صحیح حدیثوں کو اپنی کتاب صحیح مسلم میں درج نہیں کیا ہے۔ چنانچہ امام مسلم سے مروی ہے۔

لیس کل شئی عندی صحیح وضعته ھنا انما وضعته ھھنا ما اجمعوا علیہ۔ — یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اُن تمام حدیثوں کو جو میرے نزدیک صحیح تھیں ان سب کو میں نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے بلکہ انہیں حدیثوں کو داخل کیا ہے جن پر سب کا اتفاق تھا۔

۳۔ سنن نسائی

سُنن نسائی ابو عبدالرحمٰن نسائی کی تصنیف ہے، اور سُنن کبریٰ کے نام سے موسوم ہے، اس میں صحیح اور معلول حدیث دونوں درج ہیں، پھر مصنف موصوف نے سنن کبریٰ کو مختصر کیا اور اس کا نام "المجتبیٰ" رکھا، نسائی کے نزدیک اس میں سب صحیح حدیثیں ہیں، نسائی سے مروی ہے۔

کتاب السنن کله صحیح وبعضه معلول والمنتخب المسمّیٰ بالمجتبیٰ "صحیح کله — کتاب سنن کبریٰ میں سب صحیح ہیں اور ان میں بعض معلول بھی ہیں اور اس کا جو منتخب ہے اور جس کا نام "المجتبیٰ" ہے اس میں سب صحیح حدیثیں ہیں۔

نسائی نے جب اپنی کتاب سنن کبریٰ تصنیف کی تو اسے امیر رملۃ کی خدمت میں پیش کیا امیر رملۃ نے پوچھا کیا اس میں سب صحیح حدیثیں ہیں؟ نسائی نے جواب دیا نہیں اس پر امیر نے کہا کہ اس میں سے صحیح حدیثوں کو منتخب کر لیجئے، چنانچہ نسائی نے سنن کبریٰ سے منتخب کر کے المجتبیٰ تصنیف کی، جب نسائی کی طرف کسی حدیث کی نسبت کی جاتی ہے تو اس سے مراد نسائی کی وہ حدیث ہے جو سُنن صُغریٰ میں ہے جس کا نام "المجتبیٰ" ہے۔

سنن صغریٰ میں نسائی کی شرط:۔ حازمی کا بیان ہے کہ ابوداؤد اور نسائی دونوں طبقہ اولیٰ، ثانیہ اور ثالثہ کے رجال سے احادیث کی تخریج کرتے ہیں، اور اصول میں طبقہ رابعہ کی طرف تجاوز نہیں کرتے ہیں، بجز متابعات اور شواہد کے۔

سنن نسائی کو سنن ابوداود پر اس لحاظ سے تقدم حاصل ہے کہ نسائی رجال کے امر میں بہت احتیاط برتتے

تھے، اور رجال کے حال کے تفحص اور تلاش میں اس قدر شدید تھے کہ اس سلسلے میں ابوداؤد اور ترمذی کے اکثر راویوں کو بھی ترک کر دیا ہے۔

حافظ ابن حجر کا بیان ہے :۔

"کم من رجل اخرج له ابوداؤد والترمذی تجنب النسائی اخراج حدیثه بل تجنب النسائی اخراج حدیث جماعة من رجال الصحیحین"

کتنے رجال ہیں جن سے ابوداؤد اور ترمذی نے تخریج کی ہے مگر نسائی نے اُن سے تخریج کرنے میں اجتناب کیا ہے یہاں تک کہ نسائی نے صحیحین کے رجال کی ایک جماعت سے بھی تخریج کرنے میں اجتناب کیا ہے۔

دارقطنی کے شیخ حافظ احمد بن نصر نے بھی نسائی کی سخت احتیاط اور شدت تفحص کا ذکر کیا ہے غرض یہ کہ "المجتبیٰ" میں نسائی کی شرط صحیحین کے بعد قوی تر شرط ہے جس کی وجہ سے اہلِ علم کی نظر میں اس کی بڑی عظمت ہے۔

"المجتبیٰ" کی شرحیں :۔ نسائی کی سُنن المجتبیٰ کی شرحیں متعدد لوگوں نے لکھی ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ جلال الدین سیوطی (۔ ۹۱۱ھ) نے ایک مختصر شرح لکھی ہے جس کا نام "زہر الرُبیٰ علی المجتبیٰ" ہے۔

۲۔ محمد بن عبدالہادی سندی (۔ ۱۱۳۸ھ) نے المجتبیٰ کی شرح لکھی ہے۔ اس میں ضبط الفاظ اور غریب اور اعراب کی وضاحت کی ہے۔ جس سے مطالعہ کرنے والوں کو فائدہ پہونچتا ہے۔

۴۔ سنن ابوداود

ابوداودؒ نے پانچ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے اپنی کتاب سُنن تصنیف کی ہے، جو چار ہزار آٹھ سو احادیث پر مشتمل ہے، یہ تمام احادیث احکام سے متعلق ہیں اور اکثر احادیث مشہور ہیں۔

ابوداؤد امام بخاری کے بعد ائمہ ستہ (چھ امام) میں زیادہ ثقہ سمجھے جاتے ہیں، ان کی کتاب ابواب فقہ کی جامع ہے اور اُن احادیث پر حاوی ہے جن سے فقہائے امصار نے استدلال کیا ہے اور اُن پر احکام کی بنیاد رکھی ہے، اہل علم کا بیان ہے کہ

انما تکفی المجتهد بعد کتاب الله تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد سنن ابوداود مجتہد کے لئے کافی ہے۔

ابوداود نے اتنی خوبی سے احادیث کے تراجم کو بیان کیا ہے کہ جس سے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ علماء کے مذاہب اور استدلال میں اور اُن کے مسلک کے بارے میں ابوداؤد کو کس قدر کمال درجہ کا علم حاصل تھا، کیونکہ ہر حدیث سے کسی عالم نے جو استنباط کیا اور جو مسلک اختیار کیا اسے اس حدیث کے ترجمے میں ابوداود نے بیان کر دیا ہے اسی لئے

احادیث احکام کے جمع کرنے کی وجہ سے فقہاء میں اس کی بڑی شہرت ہے۔

امام ابوسلیمان الخطابی متوفی ۳۸۸ھ نے اپنی کتاب معالم السنن میں بیان کیا ہے۔

اعلموا رحمکم اللہ تعالیٰ ان کتاب السنن لابی داود کتاب شریف لم یصنف فی علم الدین کتاب مثلہ وقد رزق القبول من کافۃ الناس فصار حکما بین فرق العلماء وطبقات الفقہاء علی اختلاف مذاہبہم فلکل منہ ورد ومنہ شرب وعلیہ معول اہل العراق واہل مصر وبلاد المغرب وکثیر من اقطار الارض۔

جاننا چاہئے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کہ ابو داود کی کتاب السنن شریف کتاب ہے علم دین میں کوئی کتاب اس کی مانند تصنیف نہیں کی گئی ہے اور تمام لوگوں کے نزدیک وہ مقبول ہے اس لئے وہ علماء کے فرقوں اور فقہاء کے طبقات میں ان کے مذاہب کے اختلاف کے باوجود حکم کا درجہ رکھتی ہے ہر کسی نے اس سے استفادہ کیا اور اس سے سیرابی حاصل کی ہے۔ اہل عراق، اہل مصر بلاد مغرب اور روئے زمین کے اکثر لوگوں نے اس کتاب پر اعتماد کیا ہے۔

ابو داود کی شرط اور درجۂ احادیث

امام حافظ ابو عمرو بن الصلاح متوفی ۶۴۳ھ اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ابو داود سجستانی کی سنن کے متعلق خود اُن سے مروی ہے کہ میں نے اپنی کتاب سنن میں صحیح مشابہ صحیح اور قریب صحیح حدیث کو بیان کیا ہے۔ نیز ابو داود سے مروی ہے کہ ہر باب میں جو زیادہ صحیح حدیث تھی اسی کو ذکر کیا ہے نیز ابو داؤد کا بیان ہے کہ میری کتاب کی جس حدیث میں زیادہ وہن (ضعف) تھا اس کو بیان کر دیا ہے اور جس حدیث کے متعلق میں نے کچھ ذکر نہیں کیا ہے وہ صالح حدیث ہے اور ان میں بعض زیادہ صحیح ہے ابن صلاح کہتے ہیں اس بنا پر ان کی کتاب میں کوئی حدیث جہاں مُطلق مذکور ہے یعنی بغیر کسی صراحت کے ہے اور وہ نہ صحیحین میں ہے، اور نہ کسی نے اس کی صحت کو ظاہر کیا ہے جس سے صحیح اور حسن کی تمیز ہو سکے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حدیث ابو داود کے نزدیک حسن ہے اور بعض حدیث ان کی کتاب میں ایسی ہے جو حسن کی قسم سے نہیں ہے۔

حافظ عبداللہ بن مندہ کا بیان ہے کہ انہوں نے محمد بن سعد باوردی سے مصر میں یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ابو عبدالرحمن نسائی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر اس شخص سے حدیث کی تخریج کرتے ہیں جس کے ترک کر دینے پر محدثین کا اجماع نہیں ہے، ابن مندہ کا بیان ہے کہ ابو داود سجستانی بھی نسائی کے طریقہ پر چلتے ہیں اور ضعیف اسناد سے بھی حدیث کی تخریج کرتے ہیں

جب کسی باب میں اس کے سوا اور کچھ نہ ملے کیونکہ ابو داود کے نزدیک رجال کی رائے کے مقابلے میں ضعیف اسناد سے تخریج کرنا قوی تر ہے۔

ابو داود نے اپنی کتاب کے متعلق ایک رسالہ اہل مکہ کے نام لکھا تھا جس کے بعض حصے کو ابن صلاح نے نقل کیا ہے اسی میں سے کچھ حصے کا ترجمہ یہاں لکھا جاتا ہے۔

ابو داود کا بیان ہے:-

آپ لوگوں نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ میں اُن احادیث کے متعلق جو کتاب سنن میں ہیں آپ سے بیان کروں کہ کیا وہ اپنے علم کے مطابق باب کی صحیح تر حدیثیں ہیں؟ واضح ہو کہ وہ سب حدیثیں ایسی ہی ہیں بجز اس کے کہ دو دو وجہوں سے روایت کی گئی ہیں ایک وہ قسم ہے جو از روئے اسناد اقوم یعنی مستحکم ہیں اور دوسری وہ قسم ہے جو از روئے حفظ اقوم ہے اکثر میں نے اسی قسم کی حدیثیں لکھی ہیں اور میرا خیال ہے کہ میں نے اپنی کتاب سنن میں کسی باب میں دس حدیثیں نہیں درج کی ہیں بلکہ ہر باب میں ایک ہی دو حدیثیں لکھی ہیں۔ اگرچہ باب کے متعلق صحیح احادیث بکثرت تھیں لیکن میں نے جلد تر فائدہ حاصل ہونے کا ارادہ کیا ہے۔ اگر کسی باب میں دو تین طریقوں سے حدیثیں آگئی ہیں تو محض اس وجہ سے کہ اس میں کوئی کلام یا کوئی لفظ حدیث کا زیادہ تھا، اکثر میں نے طویل حدیث کو مختصر کر کے درج کیا ہے کیونکہ اگر میں طویل حدیث لکھتا تو سننے والے حدیث کے منشا کو نہیں جان سکتے تھے اور نہ فقہی مقام کو سمجھ سکتے تھے۔ اس لئے میں نے حدیث کو مختصر کر کے لکھا ہے، رہ گئے مراسیل تو ان سے پہلے دور کے علماء مثلاً سفیان ثوری، مالک اور اوزاعی نے استدلال کیا ہے، ہاں جب شافعی کا زمانہ آیا تو انہوں نے مراسیل پر کلام کیا اور ان کی اتباع میں احمد بن حنبل نے بھی عمل کیا۔ اگر مرسل حدیث کے سوا مسند حدیث نہ ہو تو مرسل سے استدلال کیا جا سکتا ہے اگرچہ وہ قوت میں مسند متصل کی مانند نہیں ہے۔

میری کتاب سنن میں متروک الحدیث راوی سے کوئی روایت نہیں ہے، اگر میری کتاب سنن میں کوئی منکر حدیث ہے تو اسے میں نے بیان کر دیا ہے کہ وہ منکر ہے، اور باب میں اس کی مانند دوسری حدیث نہیں لکھی ہے، اور میری کتاب میں کسی حدیث میں شدید ضعف ہے تو اسے بھی ظاہر کر دیا ہے، بعض ایسی حدیث ہے جس کی سند صحیح نہیں ہے اور جب تک اس کے متعلق میں نے کچھ نہیں لکھا تو اس حدیث کو صالح سمجھنا چاہئے، اور ایسی حدیثوں میں بعض زیادہ صحیح بھی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت جو آپ تک پہونچی ہے وہ اس کتاب میں بھی ملے گی، میرے علم کے مطابق

قرآن کے بعد میری اس کتاب سنن کی تعلیم حاصل کرنا تمام لوگوں کے لئے لازم ہے، اور کسی کو کچھ ضرر نہ ہوگا اگر وہ اس کتاب کے لکھنے کے بعد دوسری کتابوں سے علم (حدیث) نہ لکھے، اور جب کوئی شخص اس کتاب میں تدبر اور تفکر کرے گا اس وقت اس کی اہمیت اسے معلوم ہوگی۔

اس کتاب میں جو احادیث ہیں وہ ثوری، مالک، شافعی کے مسائل کے لئے اصول کا درجہ رکھتی ہیں

میری کتاب سنن میں مشہور احادیث ہیں اور یہ احادیث ہر اس شخص کے پاس ہوں گی جس نے کچھ بھی احادیث لکھی ہوں گی، لیکن مشہور احادیث کی تمیز کرنا ہر شخص کی قدرت میں نہیں ہے، اور جو حدیث مشہور متصل اور صحیح ہے اسے کوئی بھی رد نہیں کرسکتا، رہ گئی غریب حدیث وہ ناقابل استدلال ہے، اگر وہ ثقہ ائمہ علم کی روایت ہی سے کیوں نہ ہو۔

ابراہیم کا قول ہے کہ غریب حدیث سے محدثین کراہت کرتے تھے: اور یزید بن ابی حبیب کا بیان ہے جب تم کوئی حدیث سنو تو اس کا اعلان اسی طرح کرو جس طرح کسی کھوئی ہوئی چیز کے لئے اعلان کیا جاتا اس کے بعد جب حدیث کی اچھی طرح سے معرفت ہو جائے تو فبہا ورنہ اسے چھوڑ دو۔

میں نے اپنی کتاب سنن میں احکام والی حدیث ہی لکھی ہے اور تعداد میں چار ہزار آٹھ سو (۴۸۰۰) ہیں اور سب کی سب احکام سے متعلق ہیں، زہد اور فضائل وغیرہ کے متعلق بکثرت احادیث ہیں جن کی میں نے تخریج نہیں کی ہے والسلام۔

سنن ابو داؤد کی شرح اور مختصر

سنن ابو داؤد کی بکثرت علماء نے شرحیں لکھی ہیں، بعض کے نام یہ ہیں:

۱۔ از امام ابو سلیمان الخطابی متوفی ۳۲۶ھ، شرح کا نام معالم السنن ہے اس کی دو جلدیں ہیں۔

۲۔ از قطب الدین ابو بکر یمنی شافعی متوفی ۶۵۲ھ ان کی شرح چار بڑی جلدوں میں ہے۔

۳۔ از شہاب الدین رملی متوفی ۸۴۴ھ۔

۴۔ از مولانا خلیل احمد سہارنپوری شرح بذل المجہود فی حل ابی داود ہے۔

مختصر ابو داؤد: سنن ابو داؤد کا مختصر حافظ عبد العظیم المنذری صاحب ترغیب و ترہیب متوفی ۶۵۶ھ نے کیا ہے اور اس مختصر کو ابن قیم جوزیہ متوفی ۷۵۱ھ نے مہذب کیا ہے، اس مہذب میں ابن قیم نے لکھا ہے کہ حافظ منذری نے سنن ابو داود کا اختصار بہت خوبصورتی سے کیا ہے، اور میں نے اس کو مہذب اسی طرح

سے کیا ہے جس طرح سے انہوں نے اصل کو مہذب کیا ہے، البتہ میں نے علل کے متعلق کلام زیادہ لکھا ہے جن کے متعلق سکوت اختیار کیا گیا تھا کیونکہ علل کو مکمل نہیں کیا تھا، نیز میں نے احادیث کی تصحیح کی ہے، اور مشکل متون پر بھی میرا کلام مشتمل ہے، کیونکہ متون کی مشکلات اور غوامض کو کھولا نہیں گیا تھا، اور بعض مواضع کو میں نے شرح و بسط سے لکھا ہے، شاید کتاب کے پڑھنے والے یہاں کے سوا اور کہیں ان باتوں کو نہیں پائیں گے۔ (۱)

۵۔ جامع ترمذی

ابو عیسیٰ کی کتاب ترمذی کا زیادہ مشہور نام جامع ترمذی ہے اور اسے سنن ترمذی بھی کہتے ہیں ترمذی نے اپنی جامع کو ابواب فقہ وغیرہ پر تالیف کیا ہے اور اس میں صحیح، حسن اور ضعیف حدیثیں درج کی ہیں اور کتاب میں ہر حدیث کا درجہ اپنے اپنے مقام پر بیان کر دیا ہے اور ضعف کی وجہ بھی ظاہر کر دی ہے نیز صحابہ، تابعین اور فقہائے امصار کے مذاہب کو بھی بیان کیا ہے، اور طرق حدیث کا ذکر کر کے ایک طریقہ کو بیان کیا ہے اور باقی طرق کی طرف اشارہ کر دیا ہے، اور جامع کے آخری حصہ کو علل کے لئے خاص کر دیا ہے جس میں نہایت ضروری اور اہم فوائد جمع کر دئے ہیں جس کی وجہ سے اپنے طرز کی یہ کتاب فرد فرید ہے اور اس میں ایسے فقہی مسائل اور حدیث کے فوائد ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ہیں۔ ابو عیسیٰ ترمذی کا بیان ہے کہ میں نے اس جامع ترمذی کو حجاز، عراق اور خراسان کے علماء کے سامنے پیش کیا سبھوں نے اسے پسند کیا جس کے گھر میں یہ کتاب ہو گویا نبی کا کلام اس گھر میں ہو رہا ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ علل ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ترمذی پر یہ اعتراض ہے کہ وہ اکثر ابواب کو ایسی حدیثوں سے شروع کرتے ہیں جو غالباً غریب الاسناد ہوتی ہیں، لیکن یہ کوئی عیب نہیں ہے کیونکہ ترمذی حدیث کے علل کو ظاہر کر دیتے ہیں پھر اس کے بعد صحیح الاسناد کا ذکر کرتے ہیں، جس سے ترمذی کا منشا علل کا ظاہر کرنا ہوتا ہے، اور نسائی کا بھی یہی طریقہ ہے کہ وہ طرق حدیث کو بالاستیعاب بیان کرتے ہیں جن میں پہلے غلط سے ابتدا کرتے ہیں اور پھر اس کے مخالف صواب طریقہ کا ذکر کرتے ہیں۔

ابن الصلاح اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ابو عیسیٰ ترمذی کی کتاب حدیث حسن کی معرفت میں اصل ہے اور یہی ترمذی ہیں جنہوں نے حدیث حسن کے نام کو شہرت دی ہے اور اپنی جامع میں حدیث حسن کا ذکر کثرت سے

---

(۱) الحدیث والمحدثون

کیا ہے۔ اگرچہ حدیث حسن کا ذکر متفرق طور پر ترمذی کے شیوخ کے کلام میں اور اس طبقہ کے کلام میں بھی آیا ہے جو ترمذی سے پہلے ہے جیسے احمد بن حنبل اور بخاری وغیرہم۔

ترمذی کے اس قول (ہذا حدیث حسن) اور (ہذا حدیث حسن صحیح) کے بارے میں کتاب ترمذی کے نسخے مختلف ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ متعدد نسخوں سے مقابلہ کرکے جس پر اتفاق ہو اسی نسخہ کو قابل اعتماد قرار دیا جائے

ترمذی کی احادیث کا درجہ

حافظ ابن رجب ترمذی کے علل کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ترمذی نے اپنی کتاب میں حدیث صحیح اور حدیث حسن کی تخریج کی ہے، اور حدیث حسن حدیث صحیح سے درجہ میں کم ہے جس میں بعض ضعیف بھی ہے اور حدیث غریب کی بھی تخریج کی ہے، اور جن غریب حدیثوں کی تخریج کی ہے اُن میں بعض منکر بھی ہے خصوصاً فضائل کی کتاب میں، لیکن ترمذی غالباً اس کو بیان کر دیتے ہیں اور اس کے بیان کرنے میں سکوت اختیار نہیں کرتے ہیں، اور مجھے علم نہیں ہے کہ ترمذی نے کسی ایسے راوی سے منفرد اسناد سے حدیث کی تخریج کی ہے جو کذب میں متہم ہو اور یہ اتہام متفق علیہ ہو، ہاں کبھی ترمذی نے حدیث اس طرح سے بھی تخریج کی ہے جو کئی طرق سے مروی ہے یا جس کا اسناد مختلف ہے اور جس کا بعض طرق متہم ہے، اسی بنا پر ترمذی نے محمد بن سعید مصلوب اور محمد بن مبارک کلبی سے حدیث کی تخریج کی ہے، کبھی وہ بد حافظہ راوی سے اور اس راوی سے جس کی حدیث میں وہم (ضعف) کا غلبہ ہے تخریج کی ہے، لیکن ان تمام باتوں کو ترمذی نے بیان کر دیا ہے اور اس کے متعلق سکوت اختیار نہیں کیا ہے"۔

خلاصہ یہ کہ ترمذی کو صناعت حدیث کے فنون کے بیان کرنے میں خصوصیت حاصل ہے اس امر میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں ہے۔ اس لئے کتاب ترمذی جلیل القدر اور عظیم الفوائد ہے۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ جامع ترمذی کا مرتبہ سنن ابو داود اور سنن نسائی سے اس لئے گھٹ گیا ہے کہ ترمذی نے مصلوب اور کلبی اور ان جیسے لوگوں سے حدیث کی تخریج کی ہے۔

حازمی نے ائمہ خمسہ کی شرائط کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ابو داود اور نسائی اصول میں طبقہ ثالثہ (تیسرے طبقہ) سے تجاوز نہیں کیا ہے، اور ابو عیسیٰ ترمذی طبقہ رابعہ (چوتھے طبقہ) سے تجاوز نہیں کیا ہے پھر حازمی لکھتے ہیں کہ ترمذی کی شرط ابو داود کی شرط سے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ جب راوی ضعیف ہو یا چوتھے طبقہ والے راوی کی حدیث ہو تو ترمذی ضعف کو بیان کر دیتے ہیں اور اچھی طرح سے اس کی تنبیہ کر دیتے ہیں اس لئے ترمذی کی حدیث شواہد

اور متابعات کا درجہ رکھتی ہے جس کی وجہ سے جماعت محدثین کا ترمذی کی صحیح حدیث پر اعتماد قائم رہتا ہے، اسی لئے ہم نے ترمذی کی شرط کو ابوداود کی شرط سے کم درجہ قرار دیا ہے۔

ترمذی کی شرحیں

جن لوگوں نے ترمذی کی شرحیں لکھی ہیں اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ ابوبکر بن العربی متوفی (۵۴۶ھ) نے ترمذی کی شرح لکھی ہے جس کا نام (عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی ہے) یہ مصر میں تیرہ جلدوں میں چھپی ہے مگر اس کی تصحیح نہ ہو سکی اس لئے غلطیاں بہت رہ گئی ہیں۔

۲۔ حافظ ابوالفتح محمد بن محمد بن سید الناس الیعمری متوفی (۷۳۴ھ) یہ جامع ترمذی کی دو ثلث تک شرح لکھ پائے تھے تقریباً دس جلدوں میں مگر مکمل نہ کر سکے جس کی تکمیل حافظ زین الدین بن عبدالرحیم ابن حسین عراقی متوفی (۸۰۶ھ) نے کی۔

۳۔ سراج الدین عمر بن رسلان بلقینی متوفی (۸۰۵ھ) ان کی شرح کا نام (العرف الشذی علی جامع الترمذی) ہے شارح اس شرح کو مکمل نہ کر سکے صرف اس کا ایک حصہ لکھا تھا۔

۴۔ جلال الدین سیوطی ان کی شرح کا نام (قوت المغتذی علی جامع الترمذی) ہے۔

۵۔ حافظ زین الدین بن عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب حنبلی متوفی (۷۹۵ھ)

۶۔ شیخ ابوالحسن بن عبدالہادی السندی متوفی (۱۱۳۹ھ) (۱)

۶۔ سُنن ابن ماجہ قزوینی

سُنن ابن ماجہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ہے جو اب عام طور سے مروج ہے، یہ کتاب ابواب پر تصنیف کی گئی ہے جس طرح سے تین سابق الذکر سُنن کی تصنیف عمل میں آئی ہے لیکن سُنن ابن ماجہ ان تینوں سے درجہ میں کم ہے کیونکہ یہ بات مشہور ہے کہ جس روایت میں ابن ماجہ منفرد ہیں وہ ضعیف ہے، لیکن یہ عمومی بات نہیں ہے، حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ ابن ماجہ بکثرت احادیث کی روایت میں منفرد واقع ہوئے ہیں اور وہ سب احادیث صحیح ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ ابن ماجہ کی روایت میں ضعف سے رجال کا ضعف سمجھا جائے"۔

سیوطی نے نسائی کی مجتبیٰ کی شرح میں جس کا نام زہر الربیٰ ہے بیان کیا ہے کہ ابن ماجہ ایسی احادیث

---

(۱) الحدیث المحدثون

کی تخریج میں منفرد واقع ہوئے ہیں جن کی روایت ایسے رجال سے ہے جو کذب اور سرقہ حدیث میں متہم ہیں، اور ابن ماجہ کی بعض حدیثیں ایسی ہیں جو انہیں جیسے رجال سے معروف ہیں جیسے ابن ابی حبیب کاتب مالک، علاء بن زید، داؤد بن محبّر، عبدالوہاب بن الضحاک، اسماعیل بن زیاد کوفی، عبدالسلام ابن یحییٰ بن ابی الجنوب وغیرہم۔

ابن طاہر نے ابو زرعۃ رازی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابو زرعہ نے سنن ابن ماجہ کو دیکھ کر کہا کہ شاید اس میں تیس ہی حدیثیں ہوں گی جن میں ضُعف ہے، تو یہ حکایت صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں انقطاع واقع ہے۔ اور اگر ابو زرعۃ رازی کی حکایت صحیح تسلیم بھی کرلی جائے تو ان کا منشا ان احادیث سے ہوگا جو باطل اور ساقط ہیں یا انہوں نے سنن ابن ماجہ کا صرف ایک حصہ دیکھا ہوگا، جس میں اتنی احادیث ضعیف ہوں گی ورنہ ابو زرعۃ کا فیصلہ ہے کہ سُنن ابن ماجہ کی بہت سی حدیثیں باطل یا ساقط اور یا منکر ہیں۔ ابو زرعۃ کا یہ فیصلہ ابو حازم کی کتاب العلل میں بیان کیا گیا ہے۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ابن ماجہ حافظ اور صدوق ہیں، ان کا علم وسیع ہے، ان کی کتاب سُنن کو سُنن کے رتبہ سے اس لئے کمتر رکھا گیا ہے کہ اس میں منکر حدیثیں ہیں اور تھوڑی حدیثیں موضوع بھی ہیں۔

سُنن ابن ماجہ کی شرحیں، سُنن ابن ماجہ کی شرحیں بہت ہیں بعض کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ شرح محمد بن موسیٰ دمیری متوفی ۸۰۸ھ اس کا نام دیباجہ ہے، پانچ جلدوں میں ہے، شارح تکمیل سے پہلے وفات پاگئے۔

۲۔ شرح جلال الدین سیوطی اس کا نام مصباح الزجاجۃ علیٰ سُنن ابن ماجۃ ہے۔

۳۔ شرح ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۸۴۱ھ

۴۔ شرح السندی (۱)

صحاح ستہ پر محدثین کے تبصرے کے بعد یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس حدیث میں رواہ الجماعۃ مذکور ہے وہاں مطلب ہوتا ہے کہ تمام ائمہ صحاح ستہ نے اس کو روایت کیا ہے، اور جہاں رواہ الاربعۃ ہوتا ہے وہاں مراد ہوتی ہے کہ تمام ائمہ سنن اربعہ یعنی ترمذی، ابو داؤد، نسائی، اور ابن ماجۃ نے اس کو روایت کیا ہے اور جہاں متفق علیہ

(۱) الحدیث والمحدثون۔

کہا جاتا ہے وہاں مراد ہوتی ہے کہ بخاری اور مسلم کا اس روایت پر اتفاق ہے۔

شرائط شیخین اور دیگر ائمہ کا مسلک

امام بخاری اور امام مسلم ان شرائط سے حدیث کی روایت کرتے تھے:۔

شرائط امام بخاری:۔ (۱) حدیث متصل الاسناد ہو (۲) طول ملازمت یعنی اپنے شیخ کے پاس راوی سالہا سال رہا ہو (۳) راوی طبقہ اولیٰ کا مشہور ثقہ آدمی ہو (۴) راوی سے مروی عنہ کی ملاقات ثابت ہو۔

شرائط امام مسلم:۔ (۱) حدیث متصل الاسناد ہو (۲) تمام رُواۃ ثقہ ہوں (۳) رُواۃ ہمعصر ہوں (۴) رُواۃ مشہور ہوں (۵) شذوذ وعلت نہ ہو۔

شیخین (امام بخاری ومسلم) نے اُن راویوں کی روایتیں لی ہیں جن کی روایت کو پہلے لوگ قبول کرتے چلے آئے ہیں۔ امام نسائی نے ان حدیثوں کو بھی لیا ہے جن کے راویوں کے قابلِ اعتماد ہونے پر اتفاق نہیں تو ناقابلِ اعتبار ہونے پر بھی اتفاق نہیں۔

امام ابوداؤد نے جس باب میں اُن کو قوی حدیث نہیں ملی تو ضعیف کو بھی لے لیا ہے۔

تیسری صدی ہجری اور حدیث کی خدمات کی خصوصیات اور نتائج

(۱) اس صدی میں بھی کتابتِ حدیث کے رواج کے باوجود حدیث کی روایت اسناد کے ساتھ بغیر کتاب کے صرف حافظہ سے زبانی ہوتی رہی تھی۔

(۲) حدیث کی تالیف وتصنیف میں تنوع پیدا ہوا، مختلف مضامین حدیث پر نہایت حُسنِ ترتیب اور تبویب کے ساتھ کتابیں لکھی گئیں، اور اہلِ قلم محدثین نے نہایت تحقیق وتدقیق اور دیانت وامانت سے بکثرت کتابیں لکھیں اور ان کی نقلیں تمام بلاد اسلامیہ میں پھیلتی رہیں۔

۳۔ مخالفینِ حدیث کے طعنوں، شکوک وشبہات اور اعتراضوں کو جمع کیا گیا اور ایک ایک کر کے سب کے جوابات تحریر کیے گئے۔

۴۔ طلبِ حدیث کے شوق میں رحلت علمی یعنی علمی سفر بہت بڑھ گیا اور طلبہ کے قافلے جوق درجوق ہر منزل پر نظر آنے لگے۔ اور شیوخِ حدیث نے اپنے حلقۂ درس کو وسیع سے وسیع تر کر دیا یہاں تک کہ بڑے بڑے جلسوں میں جہاں ہزاروں طلبہ کی تعداد ہوتی تھی حدیث کا املا کرایا اور ہر صنف میں مستقل رکھا۔

۵۔ تیسری صدی تک متقدمین کے دور کی اصطلاح مقرر ہوئی یعنی تیسری صدی کی آخری دہائی دَورِ متقدمین اور دَورِ متاخرین کی حدِ فاصل قرار دی گئی۔

۶۔ تیسری صدی میں حدیث کی تدوین مکمل ہوئی اس کے بعد تالیف و تصنیف میں جس قدر اضافے ہوتے رہے اُن کی بنیاد تیسری صدی کی تدوین پر رکھی جانے لگی۔

۷۔ تیسری صدی کے اوائل تین عشرے محدثین کے لئے نہایت سخت گذرے جن میں بہتوں کو اپنی جانیں بھی قربان کرنی پڑیں اس کے بعد بقیہ عشرے محدثین اور علمائے امت کے لئے نہایت مسعود اور مبارک ثابت ہوئے، حکومت اور عوام نے اربابِ حدیث اور علماء کے احترام اور شرفِ اعزاز بخشنے میں اپنا پورا حق ادا کیا۔

دوسری صدی ہجری کے مشہور محدثین کے حالات

(۱) امام ابو حنیفہؒ

امام اعظم لقب، ابو حنیفہ کنیت، نعمان نام اور والد کا نام ثابت ہے، ۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۵۰ھ ہجری میں بعمر ستر سال وفات پائی، آپ نسلاً فارسی تھے، کوفہ میں نشو و نما پائی۔ بعض صحابہؓ کے ہمعصر تھے، آپ نے تمام تر تعلیم تابعین سے حاصل کی، مشہور محدث امام شعبی امام ابو حنیفہؒ کے اکابر شیوخ میں سے تھے امام ابو حنیفہؒ کی روایتِ حدیث تابعین سے ہے۔ امام مالکؒ سے جب امام ابو حنیفہؒ ملے تو امام مالکؒ نہایت احترام سے پیش آئے اور نہایت اچھے الفاظ میں حاضرین سے آپ کا تعارف کرایا۔ امام ابو حنیفہؒ بہت زیادہ صاحب تقویٰ اور عابد تھے، نمازِ تہجد اور تلاوتِ قرآن مجید میں رات گذار دیتے تھے، کسبِ حلال کے ذریعہ روزی حاصل کرتے جس کے لئے کپڑوں کی تجارت کر رکھی تھی، اور کاروبار انجام دینے کے لئے بہت سے ملازمین مقرر کئے تھے، سرکاری ملازمت سے متنفر تھا، امرا بنو امیہ اور عباسی خلیفہ منصور نے منصبِ قضا آپ کی خدمت میں پیش کیا مگر آپ نے اس عہدے کے اختیار کرنے سے معذرت کی جس کی پاداش میں وہ قید خانہ میں ڈالے گئے اور وہاں انہیں اذیتیں دی گئیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام موصوف کی وفات قیدخانہ ہی میں ہوئی، مؤلف کتاب الحدیث والمحدثون نے امام ابو حنیفہ کے علمِ حدیث پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے:۔

" امام ابو حنیفہؒ علومِ قرآن کے علاوہ علومِ حدیث کے بھی جامع تھے، وہ حافظِ حدیث تھے، امت کا اس پر اتفاق ہے کہ امام موصوف اُن ہدایت یافتہ ائمہ مجتہدین میں تھے جنہیں کتاب، سُنت اور ان کے معانی پر عبور حاصل تھا، محمد بن محمود خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ ہجری نے مُسند ابی حنیفہ جمع کیا ہے۔ اور یہ مُسند اُن پندرہ مُسندوں سے ماخوذ ہے

جنہیں علمائے حدیث نے مسند ابی حنیفہ جمع کیا تھا اور ان سے مکرر اسناد کو حذف کر کے فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے، اور خوارزمی موصوف نے اس مسند ابی حنیفہ کے خطبہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: میں نے شام میں بعض جاہلوں سے سنا کہ وہ امام ابو حنیفہ کی مقدار حدیث کو بیان کر کے امام موصوف کی تنقیص کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کی طرف قلت حدیث کی نسبت کرتے ہیں اور استدلال میں مسند شافعی اور موطا امام مالک پیش کرتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی مسند نہیں ہے، صرف چند حدیثوں کی روایت امام ابو حنیفہ سے ثابت ہے یہ سن کر مجھ میں دینی حمیت پیدا ہوئی اور ارادہ کیا کہ امام موصوف کی مسند کو ان پندرہ مسانید سے جمع کروں جنہیں اکابر علمائے حدیث نے جمع کیا ہے، خوارزمی موصوف نے ان تمام پندرہ علماء کا ایک ایک کر کے نام لیا ہے۔

حافظ ذہبی نے امام ابو حنیفہ کے متعلق طبقات الحفاظ میں لکھا ہے "نقد اصاب واجاد" یعنی امام ابو حنیفہ نے روایت حدیث میں راہ صواب اور عمدہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

حافظ محمد بن یوسف صالحی شافعی محدث دیار مصری نے اپنی کتاب "عقود الجمان" میں لکھا ہے۔

کان ابو حنیفۃ من کبار حفاظ الحدیث واعیانھم ولو لا کثرۃ اعتنائہ بالحدیث ما تھیأ لہ استنباط مسائل الفقہ۔

ابو حنیفہؒ اکابر حفاظ حدیث اور اعیان حدیث میں تھے اگر حدیث کی طرف امام ابو حنیفہ کی توجہ بہت زیادہ مبذول نہ ہوتی تو فقہی مسائل کا استنباط ان سے نہیں ہو سکتا تھا

پھر صالحی صاحب مرصوف نے عقود الجمان کے تیئسویں باب میں لکھا ہے۔

انما قلت الروایۃ عنہ وان کان متسع الحفظ لاشتغالہ بالاستنباط وکذلک لم یرو عن مالک والشافعی الا القلیل بالنسبۃ الی ما سمعاہ للسبب نفسہ کما قلت روایۃ امثال ابی بکر وعمر من کبار الصحابۃ رضی اللہ عنھم بالنسبۃ الی کثرۃ اطلاعھم وقد کثرت روایۃ من دونھم بالنسبۃ الیھم

امام ابو حنیفہؒ کی روایت حدیث کی کمی مسائل کے استنباط میں مشغول رہنے کی وجہ سے ہے اگرچہ وہ حفظ حدیث میں وسعت رکھتے تھے جس طرح امام مالک اور امام شافعی سے ان کی سماعت حدیث کے لحاظ سے حدیث کی روایت کم ہے جس کا سبب وہی استنباط مسائل کی مشغولیت ہے اور جس طرح اکابر صحابہ مانند ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم سے حدیث کی روایت کم ہے حالانکہ ان صحابہ کو حدیث کی اطلاع زیادہ تھی اور ان کے مقابلہ میں دوسرے صحابہ سے حدیث کی روایت زیادہ ہے جو نسبتہ سماعت حدیث کے کم حامل تھے۔

اس کے بعد صالحی صاحب موصوف نے ان اخبار کو بیان کیا ہے جن سے امام ابو حنیفہؒ کی کثرت حدیث کی روایت کا پتہ چلتا ہے نیز امام ابو حنیفہؒ کے مسانید کے اسانید کا ذکر کیا ہے جن کو سترہ محدثین نے امام ابو حنیفہ کے مسانید کو جمع کیا ہے جس سے امام ابو حنیفہ کی کثرت روایتِ حدیث کی دلالت ہوتی ہے، ان کے علاوہ امام ابو حنیفہؒ کے دوسرے مسانید بھی ہیں مثلاً دار قطنی کی مسند ابی حنیفہؒ، ابن شاہین کی مسند ابی حنیفہؒ، خطیب کی مسند ابی حنیفہ، ابن عقدہ کی مسند ابی حنیفہؒ بدر عینی نے اپنی تاریخ کبیر میں بیان کیا ہے کہ صرف ابن عقدہ کی مسند ابی حنیفہ ایک ہزار سے زیادہ احادیث پر مشتمل ہے ابن عقدہ کے متعلق حافظ سیوطی نے کتاب تعقب میں بیان کیا ہے کہ وہ کبار حفاظ سے ہیں اور لوگوں میں ثقہ کا درجہ رکھتے ہیں، اور جس نے ابن عقدہ کو ضعیف بتایا ہے وہ تعصب کی بنا پر ہے (۱)

لوگوں کا یہ گمان کہ امام ابو حنیفہؒ اپنی رائے کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے یہ مطلقاً باطل ہے، امام صاحب موصوف کا استنباط کے متعلق جو طریق کار تھا اس کی بابت خود امام صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

انی آخذ بکتاب اللّٰہ اذا وجدتہ فما لم اجدہ فیہ اخذت بسنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والآثار الصحاح عنہ التی فشت فی ایدی الثقات فاذا لم أجد فی کتاب اللّٰہ ولا سنۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ أخذت بقول اصحابہ من شئت وادع من شئت ثم لا اخرج من قولھم الی قول غیرھم فاذا انتھی الامر الی ابراھیم والشعبی والحسن وابن سیرین وسعید بن المسیب وعدد رجالاً قد اجتھدوا فلی ان اجتھد کما اجتھدوا (۲)

میں پہلے اللہ کی کتاب سے مسئلہ لیتا ہوں جب اس میں مجھے مل جاتا ہے اور اگر کتاب اللہ میں نہیں ملا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے لیتا ہوں پھر وہ آثار صحابہ لیتا ہوں جو سنت سے ماخوذ اور ثقہ افراد میں شائع و ذائع ہوتے ہیں اور جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھے مسئلہ نہیں ملتا ہے تو صحابہ کے اقوال میں سے جو چاہتا ہوں لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں ترک کر دیتا ہوں، صحابہ کے اقوال کو چھوڑ کر غیر صحابہ کے اقوال سے میں مسائل کی تخریج نہیں کرتا، اور جب کوئی بات ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری، ابن سیرین اور سعید بن المسیب (ان کے علاوہ اور چند آدمیوں کے نام شمار کئے) تک پہونچتی ہے جنھوں نے اپنا اجتہاد سے کام لیا ہے تو اس وقت میں بھی اجتہاد کرتا ہوں جس طرح سے ان لوگوں نے اجتہاد کیا ہے۔

(۱) تانیب الخطیب صہ ۱۵۸ منقول از کتاب الحدیث والمحدثون (۲) تاریخ التشریع للخضری صہ ۲۲۴ منقول از الحدیث والمحدثون۔

امام ابو حنیفہ کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ وہ سنت صحیحہ کی عدم دستیابی کی حالت میں صحابی کے قول پر عمل کرتے تھے اور ان کے قول کو اپنے اجتہاد پر مقدم رکھتے تھے ۔ ایسی صورت میں یہ بات کیونکر اُن کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی رائے کو سُنت پر مقدم رکھتے تھے بلکہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ سنت سے بہت زیادہ تمسک کرتے تھے اور عامل بالسنت تھے ، جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ اُن مُرسل حدیثوں سے احتجاج کرتے تھے اور استدلال لاتے تھے جو ثقہ علمائے حدیث کے درمیان مشہور تھیں ، اور آحاد حدیث کے قبول کرنے کے بارے میں شرائط میں تشدد محض اللہ تعالیٰ کے دین میں غیر معمولی احتیاط برتنے کی خاطر کرتے تھے ، کیونکہ ان کے زمانہ میں زندیق اور اہل بدعت لوگ جھوٹی حدیثیں بکثرت بنا کے تشہیر کر رہے تھے ، اس وجہ سے امام موصوف احاد احادیث کے قبول کرنے میں شرائط کو سخت کرنے پر مجبور ہوئے اسی لئے علماء کا قول ہے کہ ابو حنیفہ نے احادیث کی مخالفت از روئے عناد نہیں کی ہے بلکہ از روئے واضح حجت اور صالح دلیل کی بنا پر اجتہاد کی ہے اس میں ان سے اگر خطا ہوئی تو ایک اجر کے وہ مستحق ہوں گے اور اگر اصابت اور صحت ہوئی تو انہیں دو اجر ملیں گے ۔

جو لوگ امام ابو حنیفہ پر طعن کرتے ہیں وہ یا حاسد ہیں اور یا وہ اجتہاد کے موقع اور موقف کے علم سے نادان اور بے بہرہ ہیں کیونکہ ائمہ میں سے ہر ایک امام نے بکثرت حدیثوں کو اس لئے رد کر دیا ہے کہ صحت کے شرائط اُن کے نزدیک پورے نہ ہوسکے ، یا ان حدیثوں میں نسخ ظاہر ہوا یا کوئی معارض حدیث پیش آئی ، یا کوئی دوسرا معقول عذر سامنے آگیا ، چنانچہ امام دارالہجرت مالک بن انسؒ جو حدیث میں امیر المومنین کا درجہ رکھتے ہیں اُنھوں نے ستر مسئلہ میں سُنت کے خلاف اپنی رائے سے فیصلہ کیا ہے جس کی وجہ صرف یہی تھی کہ متعلقہ مسئلہ کے بارے میں حدیث کی صحت کی شرطیں اُن کے نزدیک پوری نہیں اُتری تھیں ۔

امام ابو حنیفہؒ پر اعتراض کرنے والوں کا یہ کہنا کہ ابو حنیفہؒ حدیث میں ضعیف درجہ رکھتے تھے جس کی وجہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے اُن کی حدیثوں کو اپنی اپنی صحیح میں داخل نہیں کیا ہے ، یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے تمام صحیح احادیث کا استیعاب نہیں کیا ہے بلکہ بکثرت صحیح حدیثوں کو ان دونوں اماموں اپنی صحیحین میں درج نہیں کیا ہے اسی طرح ان دونوں شیخین نے دوسرے ثقہ ائمہ کی حدیثوں کو بھی درج نہیں کیا ہے اگر معترضین کا اعتراض تسلیم کیا جائے تو اس سے بکثرت صحابہ پر بھی جرح لازم آئے گی جن کی حدیثوں کو امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں درج نہیں کیا ہے ، نیز امام شافعی کی حدیث کو بھی داخل نہیں کیا ہے ، لیکن کوئی صحیح العقیدہ مسلمان کسی صحابی اور امام شافعی پر جرح نہیں کرتا ہے ۔

مورخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی صحیح حدیث کے بارے میں شرطیں اتنی سخت ہیں کہ صرف سترہ حدیثیں ان کی شرط کے مطابق پوری اترتی ہیں۔ ابن خلدون کے اس بیان سے لوگوں کو دھوکا نہیں کھانا چاہئے، اور نہ خطیب بغدادی کی اُن غیر معتبر روایتوں سے جو اپنی کتاب تاریخ بغداد میں امام ابو حنیفہ کی حدیث کے متعلق لکھا ہے متاثر ہونا چاہئے کیونکہ ان روایات سے امام ابو حنیفہ بالکل بری ہیں، اسی بنا پر فقیہ اور محدث شیخ محمد زاہد بن الحسن کوثری نے اپنی کتاب "تانیب الخطیب علی ما ساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ من الاکاذیب" میں۔ خطیب کی ان غیر معتبر روایات پر سخت تنقید کی ہے اور نہایت بہتر طریقہ سے خطیب کی روایات کا جو امام ابو حنیفہ کے خلاف ہیں جواب دیا ہے۔ یہاں تک کتاب الحدیث والمحدثون کا خلاصہ ترجمہ دیا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ ایسے عہد میں تھے کہ اسلامی فتوحات اور مفتوضات کی حدود شرق سے غرب تک پھیل گئی تھیں اور لاکھوں یہود و نصاریٰ اور اہل عجم اور دوسری اقوام کے لوگ داخل اسلام ہو چکے تھے، قرآن اور سنت میں اسلامی تعلیمات کے جو اصول ہیں اُن کا جاننا اُن کے لئے آسان تھا مگر روزمرہ کے جزوی مسائل اور وہ جزوی مسائل جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اختلاط سے برابر پیدا ہو رہے تھے ان کا جاننا ہر ایک کے لئے نہ صرف مشکل بلکہ غیر ممکن تھا جس کی وجہ سے تمام نو مسلم روزمرہ کے جزوی مسائل کے بارے میں اپنے ہی قدیم مذہب کی روایات اور تعلیمات پر عمل کرتے تھے اور ان روایات اور تعلیمات کے حرام و حلال میں کوئی تمیز نہیں کرتے تھے کیونکہ اُن کے سامنے روزمرہ کے جزوی مسائل کا کوئی اسلامی دستور العمل موجود نہ تھا جس کی وجہ سے غیر مسلموں اور نو مسلموں کی قومی اور مذہبی روایات عام طور سے پھیلنے لگی تھیں اور عام مسلمان بھی ان میں صحیح اور غیر صحیح اور حلال و حرام کی تفریق اور تمیز نہیں کر سکتے تھے، اگر ان سنگین حالات کی طرف علمائے اُمت فوری توجہ نہیں کرتے تو اسلامی تعلیمات میں بڑا رخنہ اور فتنہ پیدا ہو جاتا اکابر محدثین زنادقہ اور اہل بدعت کی پھیلائی ہوئی موضوع احادیث کی چھان بین اور صحیح احادیث کی اشاعت میں شب و روز مصروف تھے اور صحیح احادیث کی اشاعت کے لئے طلبہ کو درس بھی دیتے رہتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ چاہتے تو وہ یہی طریقہ اختیار کرتے اور بجائے فقہ اسلامی کے امام اعظم مشہور ہونے کے محدث اعظم مشہور ہوتے لیکن انہوں نے محدثین کرام کو حدیث کی اہم خدمات میں مشغول دیکھ کر اور ان سے مطمئن ہو کر اپنے لئے دوسری اہم اسلامی خدمت فقہ اسلامی کی تدوین مخصوص کی اور اس خدمت کے انجام دینے میں منہمک ہو گئے اور ان کے تلامذہ میں امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر نے بھی اس خدمت میں وافر حصہ لیا اس اہم اسلامی خدمت کی وجہ سے ابو حنیفہ امام اعظم قرار دئے گئے۔

علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کے تبحر کا یہ حال تھا کہ جب کبھی کسی بڑے سے بڑے محدث سے حدیث کے بارے میں

مناظرہ ہوتا تو وہ مسکت جواب دے کر اپنے فریق کو خاموش کر دیتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ نہایت مشہور اور بلند پایہ محدث امام اوزاعی جو اپنے اوزاعی مسلک کے بانی اور امام تھے اُن سے ایک دفعہ ایک حدیث کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے مناظرہ ہوا جس کی تفصیل یہ ہے۔

امام اوزاعی سے امام ابوحنیفہ کا مناظرہ ۱۔ مناظرہ امام ابی حنیفہ مع الامام الاوزاعی فی رفع الیدین

وقد اجتمع الامام ابوحنیفۃ مع الاوزاعی بمکۃ فی دار الحناطین فقال (الاوزاعی) ما لکم لا ترفعون ایدیکم عند الرکوع والرفع منہ؟ فقال ابوحنیفۃ لاجل انہ لم یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ شیء مالا معارض منہ فقال الاوزاعی کیف لم یصح؟ وقد حدثنی الزہری عن سالم عن ابیہ (عبد اللہ بن عمر) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ وعند الرکوع وعند الرفع منہ فقال ابوحنیفۃ حدثنا حماد عن ابراہیم عن علقمۃ والاسود عن عبد اللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدیہ الا عند الافتتاح ثم لا یعود، فقال الاوزاعی احدثک عن الزہری عن سالم عن ابیہ وتقول حدثنی حماد عن ابراہیم فقال ابوحنیفۃ کان حماد افقہ من الزہری وکان ابراہیم افقہ من سالم وعلقمۃ لیس بدون ابن عمر فی الفقہ وان کان لابن عمر صحبۃ فلہ فضل صحبۃ والاسود فلہ فضل کثیر و عبد اللہ (بن مسعودؓ) عبد اللہ فسکت الاوزاعی۔

قال ابن الہمام فرجح الامام ابوحنیفۃ بفقہ الرواۃ کما رجح الاوزاعی بعلو الاسناد (حاشیہ موطا ص ۲۶)

امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کا مقام مکہ دار الحناطین میں ایک دفعہ اجتماع ہوا۔ امام اوزاعی نے امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ آپ رکوع سے قیام کے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے ہیں؟ امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایسی صحیح حدیث ثابت نہیں ہوئی ہے جس کی کوئی دوسری معارض حدیث نہ ہو، امام اوزاعی نے کہا کیسے صحیح حدیث ثابت نہیں؟ مجھ سے زُہری نے سالم سے اور سالم نے اپنے والد عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے قیام کے وقت رفع یدین کرتے تھے یعنی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے، امام ابوحنیفہ نے جواب دیا ہم سے حماد نے ابراہیم سے اور ابراہیم نے علقمہ اور اسود سے اور ان دونوں نے عبد اللہ بن مسعود سے اور عبد اللہ بن مسعود نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ صرف نماز شروع کرتے وقت اٹھاتے تھے پھر دونوں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے امام اوزاعی نے کہا میں زُہری سے روایت کرتا ہوں اور وہ سالم سے اور سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں اور تم کہتے ہو مجھ سے حماد نے اور حماد نے ابراہیم سے

حدیث کی روایت کی ہے امام ابو حنیفہ نے جواب دیا کہ حماد
زُہری سے زیادہ فقیہ ہیں اور ابراہیم سالم سے زیادہ فقیہ
ہیں اور علقمہ بھی فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں ہیں اگرچہ
ابن عمر کو صحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہے اور اس
کی فضیلت کے وہ حامل ہیں اور اسود کو بھی بڑی فضیلت
حاصل ہے اور عبداللہ بن مسعود تو پھر عبداللہ بن مسعود
ہی ہیں یہ جواب سُن کر امام اوزاعی خاموش ہوگئے۔

ابن الہمام کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے راویوں کی
فقہ کو ترجیح دی اور امام اوزاعی نے عُلُوِّ اسناد کو ترجیح
دی ہے۔ راقم کہتا ہے کہ اسناد عالی میں فقیہ راوی
کو برتری حاصل ہوتی ہے۔

اسی بنا پر مشہور محدث اعمش نے امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کی شان میں اُن سے مخاطب ہو کر کہا تھا۔

انتم الاطباء ونحن الصیادلۃ — حدیث میں آپ لوگ طبیب کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہماری حیثیت عطار یعنی دوا فروش کی ہے۔

۲۔ امام مالک (۹۳ھ-۱۷۹ھ)

مالک نام ہے، سلسلۂ نسب کے چند نام یہ ہیں، مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر یہ سلسلہ نسبی ذو اصبح تک پہونچتا ہے جو یمن کا قبیلہ تھا، امام مالک کے اجداد میں ایک شخص مدینہ میں آئے اور یہاں کی سکونت اختیار کی امام مالک کے پردادا ابو عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں سوائے معرکۂ بدر کے شرکت کی تھی۔

امام مالک ۹۳ھ ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی، مدینہ کے علماء سے تعلیم حاصل کی، سب سے پہلے عبدالرحمٰن ابن ہرمز کی طویل صحبت میں رہ کے علم حاصل کیا، اس کے بعد نافع مولی ابن عمر، محمد بن منکدر ابو الزبیر، زُہری اور بکثرت تابعین و اتباع تابعین سے حدیث کی سماعت کی، امام مالک کے شیوخ کی تعداد نو سو بتائی جاتی ہے جن میں تین سو تابعین اور چھ سو اتباع تابعین تھے، اور یہ تمام شیوخ دین، فقہ اور روایت کی شرائط کے لحاظ

سے امام مالک کے نزدیک پسندیدہ تھے، اور ان پر ان کا کلی اعتماد تھا، اور جو لوگ اہل دین وصلاح وتقویٰ ہونے کے باوجود علم روایت سے واقف نہ تھے ان کو امام مالک نے ترک کر دیا تھا اور ان سے بالکل روایت نہیں کی۔

جن لوگوں نے امام مالک سے حدیث حاصل کی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، یحییٰ انصاری، امام زہری یہ دونوں امام مالک کے شیوخ بھی تھے اگرچہ حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ زہری نے امام مالک سے حدیث کی روایت نہیں کی ہے۔ امام مالک سے حدیث حاصل کرنے والوں میں ابن جریج، یزید بن عبداللہ بن الہادی، اوزاعی، ثوری، ابن عیینہ، شعبہ، لیث، ابن مبارک، شافعی، ابن علیہ، ابن وہب، ابویوسف، محمد بن حسن شیبانی (یہ دونوں امام ابوحنیفہ کے بھی شاگرد ہیں) ابن مہدی، معن بن علی اور ان کے علاوہ بے شمار خلقت تھی۔

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ مالک امامت کے بڑے رتبہ پر فائز تھے، رُواۃ کے ناقد اور کتاب وسنت سے احکام کے استخراج میں ماہر تھے، اور تمام علمائے عصر اور اقران نے امام مالک کے علم وفضل کے کمال کی شہادت دی ہے جبیب وراق کا بیان ہے کہ ایک روز میں نے امام مالک سے دریافت کیا کہ آپ فلاں اور فلاں تین آدمیوں سے حدیث کی روایت نہیں کرتے ہیں؟ اس سوال پر امام مالک نے اپنا سر جھکا لیا، پھر سر اٹھا کے کہا، ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ (یہ جملہ امام مالک اکثر کہا کرتے تھے) پھر فرمایا اے جبیب! ہم نے اس مسجد میں ستر شیوخ کا زمانہ پایا ہے اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا زمانہ پایا تھا اور تابعین سے روایت کی تھی لیکن ہم نے ان سے حدیث حاصل نہیں کی، ہم اسی سے حدیث حاصل کرتے ہیں جس میں حدیث کی فہم کی اہلیت پاتے ہیں امام مالک کو حدیث میں تثبت حاصل تھا، فن رجال کے عالم تھے، محدثین کے نزدیک تمام علوم حدیث میں قابل اعتماد تھے اسی وجہ سے بعض اُن کے شیوخ اور اقران نے بھی ان سے حدیث حاصل کی ہے۔

چونکہ امام مالک مدینہ کو چھوڑ کر باہر نہیں گئے تھے اس لئے اُن کی زیادہ تر روایتیں اہلِ حجاز سے مروی ہیں اور بہت کم غیر اہل حجاز سے وہ روایت کرتے تھے، دور دراز ممالک سے طالبانِ حدیث ان سے علم حدیث حاصل کرنے کے لئے آیا کرتے تھے اور اُن کے گھر کے دروازے پر طلبہ کی بھیڑ لگی رہتی تھی، بھیڑ کی وجہ سے وہ آپس میں جھگڑ پڑتے تھے۔

۱۴۷ھ ہجری میں امام مالک کو ایک سخت مصیبت پہونچی، حاکم مدینہ نے انہیں ستر کوڑے لگوائے، جس کی وجہ یہ تھی کہ حاکم مدینہ خلیفہ منصور عباسی کے لئے شہریوں سے بیعت لے رہا تھا، اور بیعت لیتے وقت یہ شرط لگائی تھی جو بیعت توڑے گا اس کی بیوی کو طلاق پڑ جائے گی امام مالک نے اس جبری طلاق کو ناجائز قرار دیا جس کی وجہ سے انہیں کوڑے کی سزا دی گئی، جب اس کی اطلاع خلیفہ منصور کو ہوئی تو اس نے حاکم مدینہ کو معزول کر دیا، دوسرے سال

خلیفہ منصور حج کو آیا اور امام مالک سے ملا اور معذرت خواہ ہوا۔

امام مالک کی کتاب موطأ کی سماعت خلیفہ ہارون رشید اور اس کے دونوں بیٹوں (امین اور مامون) نے بھی کی ہے رشید نے امام مالک سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی موطأ کو کعبہ میں آویزاں کردوں اور تمام اسلامی شہروں میں اس کے نسخے پھیلا دوں اور مسلمانوں کو آمادہ کروں کہ وہ اسی کے مطابق عمل کریں، امام مالک نے فرمایا۔

لا تفعل فان الصحابة تفرقوا فی الآفاق ورووا الاحادیث غیر احادیث اهل الحجاز واخذ الناس بما اتركهم وماهم عليه

آپ ایسا نہ کیجئے کیونکہ صحابہ مختلف ممالک میں پھیل گئے تھے اور انہوں نے حدیث کی جو روایت کی ہے وہ اہل حجاز کی روایت سے مختلف ہے اور ان صحابہ کی احادیث پر مسلمان عامل ہو چکے ہیں اس لئے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔

ہارون رشید نے یہ سن کے کہا جزاک اللہ خیرا یا ابا عبداللہ، امام مالک بہت حیادار اور متواضع واقع ہوئے تھے حب رسول کا یہ حال تھا کہ وہ مدینہ میں احتراماً کسی سواری پر سوار نہیں ہوئے، کیونکہ مدینہ کی ارض پاک کو حمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مس کئے ہوئے ہے۔

امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ ہجری میں واقع ہوئی، بقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئے (۱)

۳۔ یحیٰ بن سعید القطان ؒ

(۱۲۰ – ۱۹۸ھ)

ابوسعید یحیٰ بن سعید بن فروخ تیمی القطان ولاء کے لحاظ سے بصری تھے، اتباع تابعین میں بڑے محدث اور جلیل القدر امام مانے گئے ہیں، القطان نے جن شیوخ سے حدیث حاصل کی ان کے نام یہ ہیں۔

یحیٰ بن سعید انصاری، ابن جریج، سعید بن ابی عروبہ، ثوری، ابن عیینہ، مالک، شعبہ، ان کے علاوہ اور بکثرت شیوخ تھے۔

اور القطان سے جن محدثین نے حدیث حاصل کی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، عبدالرحمن بن مہدی

(۱) الحدیث والمحدثون

اور ابو عبید القاسم بن سلام، ان کے علاوہ اور بکثرت خلقت تھی۔

القطان کی امامت، حفظ کی قوت، علم اور صلاح پر علماء کا اتفاق ہے، اور بکثرت محدثین نے بھی اس کی شہادت دی ہے، ابن حنبل کا بیان ہے کہ میں نے تمام احوال میں یحیٰ القطان کے جیسا کسی شخص کو نہیں دیکھا نیز ابن حنبل کا بیان ہے کہ بصرہ میں تثبت القطان پر ختم ہے اور وہ وکیع، ابن مہدی، ابو نعیم اور یزید بن ہارون سے زیادہ اثبت تھے۔ اور القطان نے ایسے پچاس شیوخ سے بھی حدیث کی روایت کی ہے جن سے سفیان نے بھی روایت کی ہے اور یحیٰ القطان کے زمانے میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

ابو زرعہ کا بیان ہے کہ القطان ثقات حفاظ میں سے تھے۔

ابن منجویہ کا بیان ہے کہ یحیٰ القطان حفظ، ورع، فقہ، فضل، دین اور علم میں اپنے زمانہ کے سادات میں سے تھے اور القطان ہی کی ذات تھی کہ جس نے اہلِ عراق کے لئے حدیث کی راہ ہموار کی، ثقات سے متعلق بحث کرنے میں ان کی امعانی نظر رہتی تھی۔ القطان نے ضعفاء کو بالکل ترک کر دیا تھا۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق یحیٰ القطان کی وفات صفر ۱۹۸ھ ہجری میں واقع ہوئی اور ولادت ۱۲۰ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

۴۔ وکیع بن الجراح

(۱۲۷ھ — ۱۹۷ھ)

ابو سفیان وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی اتباعِ تابعین میں بڑے محدث، جلیل القدر حافظِ حدیث، اور حدیث میں اہلِ کوفہ کے امام تھے، وکیع نے جن شیوخ سے حدیث حاصل کی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

اعمش، ہشام بن عروۃ، عبد اللہ بن عون، حنظلۃ بن ابی سفیان، ابن جریج، شریک بن عبد اللہ، اوزاعی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ ان کے علاوہ اور بھی شیوخ تھے۔

وکیع کی جلالتِ قدر، کثرتِ علم، حفظِ حدیث، اتقان، صلاح اور فضل پر علماء کا اتفاق ہے۔ احمد بن حنبل جب وکیع سے حدیث کی روایت کرتے تو فرماتے تھے، مجھ سے ایسے شخص نے حدیث بیان کی ہے جس کی مانند تیری آنکھوں نے کسی کو نہیں دیکھا ہے اور وہ وکیع بن الجراح ہیں، نیز ابن حنبل کا بیان ہے کہ میں نے علم، حفظ، اسناد، اور ابواب میں وکیع جیسا کسی شخص کو نہیں دیکھا ہے، وکیع اچھی طرح سے حدیث حفظ رکھتے تھے اور ورع و اجتہاد کے ساتھ فقہ میں مذاکرہ کرتے تھے، اور کسی کے بارے میں کچھ کلام نہیں کرتے تھے۔

یحیٰ ابن معین کا بیان ہے کہ اللہ کے واسطے حدیث بیان کرتے ہوئے وکیع بن الجراح کے جیسا کسی کو میں نے نہیں دیکھا ہے اور وہ میرے نزدیک سفیان، ابن مہدی اور ابو نعیم سے زیادہ محبوب ہیں، اور میں نے کسی کو وکیع سے زیادہ حافظ حدیث نہیں دیکھا ہے، اور وکیع اپنے زمانے میں ایسے تھے جیسے اوزاعی اپنے زمانے میں تھے۔

ابن عمار کا بیان ہے کہ کوفہ میں وکیع کے زمانے میں کوئی شخص فقہ اور حدیث میں وکیع سے زیادہ علم رکھنے والا نہیں تھا، وکیع کی وفات ۱۹۷ھ ہجری میں ہوئی اور ولادت ۱۲۷ھ ہجری میں ہوئی تھی (۱)

۵۔ سفیان ثوری

(۹۷ – ۱۶۱ھ)

ابو عبد اللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفہ کے فرد فرید امام تھے، اور اتباع تابعین سے تھے، ثوری نے علم حدیث ابو اسحاق سبیعی، عبد الملک بن عمیر، عمرو بن مرۃ اور بڑے تابعین کی ایک جماعت سے اور دوسروں سے بھی حاصل کیا، اور جن لوگوں نے ثوری سے حدیث حاصل کی اُن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

محمد بن عجلان، اعمش یہ دونوں تابعی ہیں، معمر، اوزاعی، مالک، سفیان بن عیینۃ، شعبۃ، فضیل ابن عیاض ابن مبارک، وکیع، ابو نعیم، یحیٰ بن القطان، ان کے علاوہ دوسرے بکثرت بلند رتبہ کے ائمہ نے ثوری سے حدیث حاصل کی۔

ثوری کی امامت، ان کی حدیث، فقہ، ورع، زہد، سادہ زندگی، حق گوئی اور ان کی دوسری خوبیوں پر علماء کا اتفاق ہے، ابو عاصم کا قول ہے کہ ثوری حدیث میں امیر المومنین ہیں۔

ابن مبارک کا بیان ہے کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے حدیث لکھی ہے لیکن ثوری سے بہتر کسی سے حدیث نہیں لکھی یحیٰ بن معین کا قول ہے، جس نے ثوری کی مخالفت کی اس مخالفت میں ثوری کا قول ہی برحق ثابت ہوا۔

ابن مہدی کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو ثوری سے بڑھ کر حدیث کا حافظ نہیں دیکھا۔

ابن عیینۃ کا بیان ہے کہ ابن عباس اپنے زمانہ کے شعبی اپنے زمانہ کے اور ثوری اپنے زمانہ کے ماہر تھے، نیز ابن عیینۃ کا بیان ہے کہ میں ثوری کے غلاموں میں سے ہوں اور میں نے حرام اور حلال کے علم میں ثوری سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا ہے اوزاعی کا بیان ہے جبکہ وہ دنیا سے علماء کے چلے جانے کا ذکر کر رہے تھے، علماء میں سے اب کوئی باقی

---

(۱) الحدیث والمحدثون

نہیں رہا ہے جس کی بات کو عوام رضا مندی اور صحت کے ساتھ سن سکیں سوائے ثوری کے۔

عباس الدوری کا بیان ہے کہ میں نے ابن معین کو دیکھا کہ وہ ثوری کے زمانہ کے کسی شخص کو کسی چیز میں بھی ثوری پر ترجیح نہیں دیتے تھے، خلاصہ یہ کہ ثوری کی ستائش نہایت مشہور و معروف ہے اور وہ چھ قابل تقلید اہل مذاہب میں سے ایک ہیں اور وہ چھ اہل مذاہب یہ ہیں مالک، ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، اوزاعی اور ثوری، ثوری کی ولادت ۹۷ھ ہجری میں ہوئی تھی اور وفات بصرہ میں ۱۶۱ھ ہجری میں واقع ہوئی۔

۴- سفیان بن عُیینة

(۱۰۷-۱۹۸ھ)

ابو محمد سفیان بن عُیینة بن عمران کوفی ثم مکی ولاء کے لحاظ سے ہلالی تھے، اتباع تابعین سے تھے۔

ابن عُیینة نے جن شیوخ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی ان کے نام یہ ہیں:

زُہری، عمرو بن دینار، شعبی، عبداللہ بن دینار، محمد بن المنکدر، ان کے علاوہ تابعین کی ایک جماعت سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

اور جن محدثین نے ابن عُیینة سے حدیث حاصل کی ہے ان کے نام یہ ہیں:۔

اعمش، ثوری، ابن جریج، شعبة، ہمام، وکیع، ابن المبارک، ابن مہدی، القطان، شافعی، احمد بن حنبل، ابن المدینی، ابن معین، ابن راہویہ، حمیدی ان کے علاوہ علمائے حدیث و فقہ کی اتنی بڑی جماعت تھی جس کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

ابن عُیینة کی امامت، فضل، اور حفظِ حدیث کی بلند رتبگی پر محدثین کا اتفاق ہے۔

ابو حاتم اور دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ عمرو بن دینار کی حدیث میں ابن عُیینة تمام لوگوں سے زیادہ اثبت ہیں اور عمرو بن دینار کی حدیث میں شعبة کے مقابلہ میں زیادہ باخبر ہیں۔

سفیان بن عُیینة کی زندگی ہی میں یحییٰ القطان نے کہا کہ سفیان بن عُیینة چالیس سال سے امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔ نیز القطان نے کہا کہ میں نے ابن عُیینة سے بہتر حدیث کے علم میں کسی کو نہیں دیکھا۔

امام شافعی کا بیان ہے کہ میں نے فتویٰ دینے میں سفیان بن عُیینة سے زیادہ محتاط کسی کو نہیں دیکھا اور نہ حدیث کی تفسیر میں کسی کو ان سے بہتر پایا ہے۔

احمد بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ابن عُیینة حدیث کی اچھی دانست رکھتے تھے، اور اصحاب حدیث کے حکماء میں

ان کا شمار تھا۔

ابن وہب کا بیان ہے کہ میں نے کتاب اللہ کے علم میں ابن عیینہ سے زیادہ باخبر کسی کو نہیں دیکھا، ابن عُیینۃ کے مناقب بہت ہیں اور مشہور ہیں۔

ابن عُیینۃ کی ولادت ۱۰۷ھ ہجری میں ہوئی تھی اور وفات ۱۹۸ھ ہجری میں واقع ہوئی (۱)

۷۔ شعبۃ بن الحجاج

(۸۳-۱۶۰ھ)

ابو بسطام کنیت، شعبۃ نام ہے۔ والد کا نام حجاج بن الورد عتکی ہے، از روئے ولا ازدی تھے۔ وطن واسط تھا، پھر وہاں سے منتقل ہو کر بصرہ آگئے، اور یہاں سکونت اختیار کی، یہ اتباع تابعین سے تھے۔ جلیل القدر امام اور حافظ حدیث تھے، محدثین اور محققین میں بڑے رتبہ کے تھے، حدیث کی تعلیم انس بن سیرین، عمرو بن دینار، شعبی اور اکثر تابعین اور غیر تابعین سے حاصل کی۔

شعبہ سے جن محدثین نے حدیث کی تعلیم حاصل کی ہے اُن کے نام یہ ہیں۔

اعمش، ایوب سختیانی، محمد بن اسحاق یہ سب تابعین تھے۔ ثوری، ابن مہدی، وکیع، ابن مبارک، یحیٰ القطان اور بڑے بڑے ائمہ اتنی تعداد میں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا ہے۔

حدیث میں شعبۃ کی امامت، جلالتِ قدر، تلاش و تفحص، احتیاط اور اتقان پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے۔ امام احمد کا بیان ہے کہ حدیث میں شعبۃ کے زمانے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، اور نہ کوئی اُن سے بہتر علم حدیث رکھتا تھا، حدیث کا علم اُن کی قسمت میں مقدر ہو چکا تھا، کوفہ کے ایسے تیس اصحاب حدیث سے شعبۃ نے روایت کی ہے جن سے سفیان ثوری روایت نہ کر سکے۔

امام شافعی کا بیان ہے اگر شعبۃ نہ ہوتے تو عراق میں کوئی بھی حدیث نہ جانتا۔

حماد بن زید کا بیان ہے جب شعبۃ میری موافقت کرتے ہیں تو میں کسی کی مخالفت کی پروا نہیں کرتا ہوں کیونکہ وہ ایک ہی دفعہ حدیث سُن کر نہیں رُک جاتے ہیں، اور جب شعبۃ کسی چیز میں میری مخالفت کرتے ہیں تو میں اسے ترک کر دیتا ہوں۔

---

(۱) الحدیث والمحدثون

سفیان ثوری کا مقولہ ہے کہ شعبۃ حدیث میں امیر المومنین ہیں، اور رجب مسلم بن قتیبہ بصرہ سے آئے تو سفیان نے ان سے دریافت کیا ہمارے استاذ شعبۃ کا کیا حال ہے ؟

صالح بن محمد کا بیان ہے کہ سب سے پہلے جس نے رجال پر گفتگو کی ہے وہ شعبۃ تھے پھر ان کی اتباع میں یحیٰ القطان نے پھر احمد بن حنبل اور ابن معین نے رجال پر کلام کیا۔

احمد بن حنبل کا مقولہ ہے کہ شعبۃ کی تنہا ذات علم حدیث اور احوال رُواۃ میں ایک امت کی ہے عبدالصمد کا بیان ہے کہ شعبۃ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پچاس سے زیادہ اصحاب یعنی شاگردوں کا زمانہ پایا ہے شعبۃ کی وفات بمقام بصرہ ۱۶۰ھ ہجری میں واقع ہوئی اس وقت ان کی عمر ستتر (۷۷) سال کی تھی (۱)

۸۔ عبدالرحمٰن بن مہدی

(۱۳۵ - ۱۹۸ھ)

ابو سعید کنیت، عبدالرحمٰن نام ہے والد کا نام مہدی ہے سلسلۂ نسب کے نام یہ ہیں :۔

ابو سعید عبدالرحمٰن بن مہدی بن حسان بن عبدالرحمٰن عنبری، بصری، لوئی، عبدالرحمٰن بن مہدی اپنے عہد کے اصحاب حدیث کے امام تھے، علم حدیث میں معتمد علیہ سمجھے جاتے تھے، ان کے شیوخ حدیث کے نام یہ ہیں :۔

خالد بن دینار، مالک بن مغول، مالک بن انس، سفیان ثوری، سفیان بن عیینۃ، دونوں حماد شعبۃ ان کے علاوہ اکابر محدثین کی ایک جماعت ہے۔

جن محدثین نے عبدالرحمٰن بن مہدی سے حدیث کی تعلیم حاصل اور روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں :۔

ابن وہب، احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، علی بن المدینی، اسحاق بن راہویہ، ابو عبید القاسم بن سلام، ان کے علاوہ اور دوسرے محدثین ہیں۔

نقد رجال میں عبدالرحمٰن بن مہدی کی جلالت شان اور علم کی گہرائی پر ائمہ حدیث کا اتفاق ہے، وہ احادیث کا تفحص نہایت ورع، زہد، اور امانت کے ساتھ کرتے تھے۔

احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ ابن مہدی حدیث ہی کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔

یحیٰ بن معین کا بیان ہے کہ میں نے حدیث میں عبدالرحمٰن بن مہدی سے زیادہ اثبت کسی کو نہیں دیکھا علی المدینی

---

(۱) الحدیث والمحدثون۔

کا بیان ہے اور یہ بیان وہ بار بار دہراتے تھے کہ بخدا اگر کعبہ کے رکن اور مقام کے درمیان کھڑا کرکے مجھ سے قسم لی جائے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہوں گا کہ میں نے حدیث میں عبدالرحمٰن بن مہدی سے زیادہ عالم ہرگز کسی کو نہیں دیکھا ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی کہا کرتے تھے کہ کوئی شخص اس وقت تک امام نہیں ہوسکتا ہے جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ صحیح اور غیر صحیح کیا ہے، اور ہر چیز سے استدلال کرنے کے قابل نہ ہو جائے اور علم کے مخارج کو نہ جان لے۔

ایک شخص عبدالرحمٰن بن مہدی کے پاس آیا اور کہا اے ابوسعید! آپ کہا کرتے ہیں یہ حدیث ضعیف اور یہ قوی ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، آپ ان باتوں کو کس بنیاد پر کہتے ہیں؟ ابن مہدی نے جواب دیا اگر تو کسی پرکھنے والے صراف کے پاس جائے اور چاندی کے کچھ سکے اس کو دکھائے اور وہ صراف یہ کہے کہ یہ سکہ کھرا ہے، اور یہ کھوٹا ہے اور یہ جعلی ہے کیا تو اس سے پوچھے گا کہ کس بنیاد پر کھرا، کھوٹا اور جعلی تو کہہ رہا ہے؟ یا تو اس کی بات کو تسلیم کرے گا اس شخص نے کہا میں اس صراف کی بات کو تسلیم کرلوں گا، ابن مہدی نے کہا یہی حال علم حدیث کا ہے، حدیث کا ملکہ علمائے حدیث کے پاس طویل نشست، مناظرہ، مذاکرہ اور علم سے حاصل ہوتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی ۱۳۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۹۸ھ ہجری میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱)

۹۔ امام اوزاعی شامی

(۸۸ – ۱۵۷ھ)

ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو شامی دمشقی اوزاعی اپنے عہد میں اہل شام کے امام تھے، اس میں کوئی نزاع نہیں ہے اہلِ شام اور اہلِ مغرب مالکی مذہب اختیار کرنے سے پہلے اوزاعی مذہب کے مقلد تھے۔ اوزاعی اتباع تابعین سے تھے اوزاعی نے حدیث کی سماعت تابعین کی کئی جماعتوں سے کی ہے ان تابعین کے نام یہ ہیں:

عطاء بن ابی رباح، قتادہ، نافع مولیٰ ابن عمر، زُہری، محمد بن المنکدر وغیرہم۔

اوزاعی سے بھی تابعین کی ایک جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے اس جماعت کے افراد میں بعض اوزاعی کے شیوخ بھی ہیں جیسے قتادہ، زُہری، یحییٰ بن ابی کثیر اور بعض اوزاعی کے اقران یعنی ہمعصر ہیں، نیز اوزاعی سے بڑے بڑے ائمہ نے روایت کی ہے جیسے سفیان، مالک، شعبہ، ابن مبارک، ان کے علاوہ اور بکثرت اصحاب ہیں اوزاعی کی امامت، جلالتِ شان، علوِ مرتبت اور کمال فضل پر علماء کا اسی طرح اتفاق ہے جس طرح سے اوزاعی کی

---

(۱) الحدیث والمحدثون۔

کثرتِ حدیث، فقہ کی اعلیٰ دانست، عمل بالسنت اور فصاحت کی مہارت پر ہے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی سے مروی ہے کہ ملک شام میں کوئی بھی اوزاعی سے زیادہ سنت کا جاننے والا نہیں ہے۔ نیز ابن مہدی کا بیان ہے کہ حدیث میں چار امام ہیں، اوزاعی، امالک، سفیان ثوری اور حماد بن زید۔ ابو حاتم کا بیان ہے کہ اوزاعی کی سماعت کی لوگ تقلید کرتے ہیں۔

اوزاعی سے روایت کرنے والوں میں ایک راوی عقل زیادہ اثبت ہیں ان کا بیان ہے کہ اوزاعی نے تقریباً ستر ہزار مسائل کے جواب دیئے ہیں۔

ہمعصر علماء اوزاعی کی غایت تعظیم کرتے تھے، اور اُن کی امامت، زہد، ورع، علم وعمل میں سبقت اور اُن کی برملا حق گوئی کا اعتراف کرتے تھے۔

امیتہ بن یزید سے کسی نے کہا اوزاعی مکحول کے برابر کہاں ہو سکتے ہیں؟ امیتہ بن یزید نے جواب دیا کہ اوزاعی ہمارے نزدیک مکحول سے بلند تر ہیں، پھر اُن سے کہا گیا کہ مکحول نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا ہے۔ امیتہ بن یزید نے کہا اگرچہ مکحول نے صحابہ کو دیکھا ہے تاہم اوزاعی کا فضل وکمال فی نفسہ ہے، اوزاعی میں عبادت، ورع اور علانیہ حق گوئی کے اوصاف جمع تھے۔

سفیان ثوری کو جب اوزاعی کی آمد کی خبر ملی تو وہ شہر سے باہر نکلے اور ذی طوی میں اوزاعی کو دیکھا تو اونٹوں کی قطار میں سے اوزاعی کے اونٹ کو جدا کر کے اس کی نکیل کی رسی اپنی گردن پر ڈالی اور اونٹ کو لے چلے راستہ میں بھیڑ ہوتی تو کہتے جاتے تھے شیخ کے لئے راستہ دو۔

اوزاعی کی ولادت ۸۸ھ ہجری میں ہوئی تھی اور وفات بمقام بیروت ۱۵۷ھ ہجری میں ہوئی، بیروت میں وہ اپنی آخر عمر میں ٹھہرے ہوئے تھے (۱)

۱۰۔ لیث بن سعد

(۹۳ یا ۹۴ – ۱۷۵ھ)

ابوالحارث کنیت، لیث نام ہے، سلسلہ نسب کے بعض نام یہ ہیں:۔

ابوالحارث لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن مصری اور ازروئے ولاء فہمی تھے، اتباع تابعین سے تھے جن

(۱) الحدیث والمحدثون

شیوخ سے لیث نے حدیث حاصل کی تھی ان کے نام یہ ہیں:-

عطاء بن ابی رباح، عبداللہ بن ابی ملیکہ، نافع مولی ابن عمر، سعید المقبری، زہری، یحییٰ انصاری، ابوالزبیر

ان کے علاوہ شیوخ میں اکثر تابعین اور اتباع تابعین تھے۔

جن محدثین نے لیث سے حدیث حاصل کی ان کے نام یہ ہیں:-

محمد بن عجلان، ہشام بن سعد، یہ دونوں لیث کے شیوخ بھی تھے، قیس بن ربیع، ابن مبارک، ابن وہب ابن لہیعہ، عبداللہ بن صالح کاتب لیث، ان کے علاوہ بکثرت ائمہ تھے۔

حدیث اور فقہ میں لیث کی جلالت شان، علو مرتبت پر علماء کا اتفاق ہے، وہ اپنے عہد میں اہل مصر کے امام تھے، امام شافعی کا بیان ہے کہ لیث بن سعد مالک سے زیادہ فقیہ تھے مگر لیث کے شاگردوں نے ان کو بگاڑ دیا تھا۔ محمد بن سعد کا بیان ہے کہ لیث قریش کے مولی تھے، اور ثقہ تھے، کثیر الحدیث اور صحیح الحدیث تھے۔

لیث اپنے عہد میں مصر میں فتویٰ دینے پر مستقل طور سے رہے، اور وہ نہایت دولت مند شریف اور باسخا تھے۔ احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ لیث کا علم وافر تھا، ان کی حدیث صحیح ہوتی تھی، مصریوں میں اُن سے زیادہ کوئی ثقہ نہیں تھا۔ نیز اُن کا بیان ہے کہ میں نے جس جس کو دیکھا اُن میں کوئی بھی لیث کی مانند نہیں تھا۔ لیث کی زبان عربی تھی، قرآن اور نحو کا علم اچھا تھا، حدیث اور اشعار کے حافظ تھے، حافظہ قوی تھا۔

احمد بن حنبل نے لیث کی دس اچھی خصلتوں کا ذکر کیا ہے۔

ابن سعد کے قول کے مطابق لیث کی ولادت ۹۳ یا ۹۴ھ ہجری میں ہوئی تھی اور وفات ۱۷۵ھ ہجری میں ہوئی[1]

۱۱۔ امام شافعی

(۱۵۰ - ۲۰۴ھ)

ابو عبداللہ کنیت محمد نام، شافعی جدی نسبت ہے، سلسلہ نسب یہ ہے:-

ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم ابن المطلب بن عبد مناف بن قصی۔

امام شافعی کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبد مناف پر ملتا ہے، امام شافعی کے اجداد میں السائب

(۱) الحدیث والمحدثون

ابن عبید جنگ بدر کے موقع پر ایمان لائے، اور سائب کے فرزند شافع چھوٹے صحابیوں میں شمار ہوتے ہیں اور امام شافعی کی والدہ قبیلہ ازد کی تھیں۔

امام شافعی کی ولادت بمقام غزہ ۱۵۰ھ ہجری میں ہوئی، صغیر سن تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا ان کی ماں انہیں مکہ لے آئیں اس وقت ان کی عمر دو سال کی تھی، یہیں امام شافعی کی نشو و نما ہوئی اور قرآن کی تعلیم حاصل کی اور قبیلہ ہذیل میں تقریباً دس سال تک قیام کیا، اس قبیلہ کے لوگوں سے زبان دانی اور شعر کی تعلیم پائی اور مکہ کے مفتی مسلم بن خالد زنجی اور دوسرے ائمہ سے فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی اس کے بعد وہ مدینہ چلے گئے جہاں امام مالک کے پاس رہنے لگے امام مالک نے امام شافعی کے علم و فہم، عقل و ادب کو دیکھ کر ان کو عزت کے ساتھ رکھا امام شافعی نے امام مالک کی کتاب موطا پڑھی اور اسے زبانی یاد کر لیا جس سے امام مالک بہت خوش ہوئے اور انہیں پڑھانے میں زیادہ توجہ کی جس وقت امام شافعی مدینہ آئے تھے اس وقت ان کی عمر تیرہ سال کی تھی اور غربت اور مسکینی کی حالت تھی، امام شافعی کی تنگ دستی کی بنا پر یمن کے قاضی مصعب بن عبداللہ قرشی نے خلیفہ ہارون رشید سے ان کے لئے سفارش کی جس کی بنا پر وہ سرزمین یمن کے علاقہ نجران کے حاکم بنائے گئے، کچھ دنوں کے بعد ان کے حاسدوں نے خلیفہ رشید کو یہ غلط خبر دی کہ امام شافعی خلافت کے خواہش مند ہیں، خلیفہ رشید نے ۱۸۴ھ ہجری میں انہیں بغداد طلب کیا اس وقت امام شافعی کی عمر تیس سال کی تھی، خلیفہ ہارون رشید کے سامنے امام شافعی اور محمد بن حسن کا مناظرہ ہوا، جس کے بعد محمد بن حسن نے امام شافعی کی بہت ستائش کی جس سے ہارون رشید کو ان سے جو بدگمانی پیدا ہو گئی تھی وہ دور ہو گئی اور الزام سے بری کر دیئے گئے، محمد بن حسن نے امام شافعی کو اپنے پاس ٹھہرایا اور نہایت عزت سے ان کی خاطر مدارات کی، امام شافعی نے محمد بن حسن سے بہت کچھ تحریری مواد حاصل کیا اور مکہ واپس آ گئے پھر وہ دوسری دفعہ ۱۹۵ھ ہجری میں عراق گئے، اس وقت ان کے پاس علماء کی ایک جماعت کا اجتماع ہوا۔ جس میں احمد بن حنبل، ابو ثور، حسین بن علی کرابیسی اور زعفرانی اور دوسرے علماء شریک تھے، اور یہ سب امام شافعی سے حدیث حاصل کرتے لگے، اس وقت امام شافعی نے ان علماء کو اپنا قدیم مذہب املا کرایا، اس کے بعد امام شافعی مکہ واپس آ گئے پھر ۱۹۸ھ ہجری میں تیسری دفعہ عراق گئے، اس دفعہ یہاں ان کا قیام بہت مختصر رہا، ۱۹۹ھ کے اواخر میں وہ مصر منتقل ہو گئے اور یہاں مستقل اقامت اختیار کی، یہاں تک کہ مصر میں ۲۰۴ھ ہجری میں وفات پائی۔

امام شافعی نے اپنی عمر کے آخری مرحلہ میں جب مصر میں مستقل سکونت اختیار کی تو ان کی خداداد علمی استعداد و صلاحیت نمایاں ہوئی ان سے فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے طالبانِ علم ہر چہار طرف سے ان کی خدمت

میں آنے لگے، اس وقت امام شافعی نے ان طلبہ کو اپنی نئی کتابیں لکھوائیں، جن میں امام شافعی کا جدید مذہب درج تھا جسے مصری مذہب بھی کہتے ہیں، اہلِ مصر نے امام شافعی کو ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی نہایت تعظیم اور تکریم کے ساتھ یاد رکھا۔

امام شافعی کی یہ خصوصیت نمایاں ہے کہ انہوں نے حجاز اور عراق میں سفر کر کے علوم حاصل کئے اور اپنے مذہب کو بہ نفسِ نفیس پھیلایا اور اپنی تمام کتابوں کو خود ہی اپنے ہاتھ سے لکھا اور اپنے شاگردوں کو لکھوایا یہ وصف دوسرے ائمہ کو کم نصیب ہوا۔

علماء کی امام شافعی کے حق میں ستائش:۔

محمد بن حسن کا قول ہے اگر آپ اصحابِ حدیث سے کسی دن باتیں کریں تو شافعی کی زبان میں کریں۔

زعفرانی کہتے ہیں:۔ اصحابِ حدیث سوئے ہوئے تھے شافعی نے انہیں بیدار کیا۔

احمد بن حنبل کا قول ہے:۔ جس کسی نے بھی اپنا ہاتھ قلم دوات پر رکھا اس کی گردن پر شافعی کا احسان ہے نیز امام احمد بن حنبل نے محمد بن مسلم بن وارہ سے جو امامِ حدیث تھے اور مصر سے آئے ہوئے تھے کہا کیا آپ نے شافعی کی کتابیں لکھ لی ہیں؟ ابن وارہ نے کہا نہیں، اس جواب پر امام احمد نے کہا آپ سے کمی واقع ہوگئی ہے، ہمیں مجمل اور مفسر، ناسخ اور منسوخ حدیث کا علم اس وقت ہوا جب ہم شافعی کی مجلس میں بیٹھے۔

ابن خزیمہ سے کسی نے پوچھا کیا کوئی ایسی سنت ہے جو شافعی تک نہیں پہونچی ہے؟ ابن خزیمہ نے کہا نہیں۔

داؤد بن علی بن ظاہری کا بیان ہے کہ شافعی میں اتنے فضائل جمع ہوگئے تھے جو دوسروں میں نہیں تھے، نسب کی شرافت، دین اور اعتقاد کی صحت، نفس کی سخاوت، صحیح و سقیم، ناسخ و منسوخ حدیث کی معرفت، کتاب و سنت کا حفظ، سیرتِ خلفاء پر عمل، حسنِ تصنیف، اور ان سے اچھے تلامذہ کی فراغت یہ سب کام شافعی کے خصوصی اوصاف ہیں۔

کرابیسی کا بیان ہے:۔ ہمیں نہ کتاب کا علم تھا اور نہ سنت و اجماع کا یہاں تک کہ ان باتوں کو ہم نے شافعی سے سنا، ہم نے شافعی کے جیسا نہ کسی کو دیکھا، اور نہ خود شافعی نے اپنے جیسا کسی کو دیکھا ہے، اور نہ ہم نے ان سے بہتر کسی کو صاحبِ فصاحت و معرفت دیکھا ہے، ان تمام اوصاف کے باوجود امام شافعی کا قول ہے

اذا صح عندکم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقولوا به ودعوا قولی فانی اقول به وان لم تسمعوا منی۔

جب تمہارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اسی کو لے لو اور میرے قول کو

چھوڑ دو، میرا قول بھی اسی حدیث کے مطابق ہوگا اگرچہ
تم مجھ سے وہ حدیث نہ سنو۔

علماء امام شافعی کو اصول فقہ کا پہلا مؤلف سمجھتے ہیں۔ اور اصولِ سنت اور قوانینِ روایت میں بھی پہلی تالیفات انہیں کی ہیں اور علمائے حدیث کے لئے علوم سنت میں دین کے طریقہ کی راہ انہیں نے ہموار کی ہے، شافعی کے بعد قواعدِ حدیث اور علومِ حدیث میں جتنے مؤلفین ہوئے وہ سب کے سب امام شافعی کے عیال ہیں۔

جو شخص حدیث اور محدثین کے متعلق امام شافعی کے رسالہ کو پڑھے گا اور پھر ان کے بعد دوسرے علماء جیسے ابن صلاح وغیرہ ہیں ان کی تصانیف کا مطالعہ کرے گا تو اسے معلوم ہوگا کہ امام شافعی ان علوم میں ان سب کے استاد تھے رحمہ اللہ تعالیٰ (۱)

تیسری صدی کے مشہور محدثین

اس صدی میں اکابر محدثین اور علم سنت کے ماہرین پیدا ہوئے جنہوں نے حدیث کی خدمت، رجال کی معرفت اور علل کی بحث میں نمایاں خدمات انجام دیں اور حدیث کی تدوین کو مکمل کیا۔ اس صدی کے چند مشہور محدثین کے حالات یہاں لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ علی بن المدینی

علی نام ہے، والد کا نام عبداللہ بن جعفر ہے، اکثر علی بن المدینی اور کبھی ابن المدینی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں حدیث کے نہایت مشہور اور ممتاز امام تھے، امام احمد بن حنبل، اور یحییٰ بن معین جو اس صدی کے بلند پایہ محدث ہونے کے علاوہ بہت بڑے ناقدین رجال میں سے تھے۔ یہ دونوں علی بن المدینی کے ہمعصر اور احباب میں سے تھے، علی بن المدینی بھی محدث ہونے کے علاوہ نقدِ رجال کے علم میں یکتائے روزگار شمار کئے گئے، انہوں نے بکثرت کتابیں لکھی ہیں جو نہایت مستند تسلیم کی گئی ہیں اور آنے والے محدثین کے لئے رہنمائی کا کام انجام دیتی ہیں، جس کی شہادت علماء نے دی ہے۔ اور مباحث مذکورہ کی تالیف و تصنیف میں ان کی اولیت اور پیشروی کا اعتراف کیا گیا ہے۔ سفیان بن عیینہ جو ابن المدینی کے شیوخ میں ہیں کہتے ہیں کہ بخدا علی بن المدینی مجھ سے

---

(۱) الحدیث المحدثون۔

جس قدر سیکھتے ہیں میں اُن سے زیادہ سیکھتا ہوں۔

یحیٰی بن سعید القطان بھی ابن المدینی کے شیوخ میں داخل ہیں وہ بھی ابن المدینی کے متعلق ابن عُیینہ کے جیسا خیال ظاہر کرتے ہیں۔

امام بخاری کے ابن المدینی اُستاد ہیں، بخاری کا قول ہے، میں نے اپنی کمتری کا احساس کسی کے نزدیک نہیں پایا بجز ابن المدینی کے نزدیک۔

ابو حاتم کا بیان ہے کہ ابن المدینی حدیث اور علل کی معرفت میں کوہ گراں ہیں۔

امام حاکم نیسا پوری نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں ابن المدینی کی حسب ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) کتاب الاسامی والکنی ۸ جزو (۲) کتاب الضعفاء ۱۰ جزو (۳) کتاب المدلسین ۵ جزو (۴) کتاب اول من نظر فی الرجال وفحص عنہم ۱ جزو (۵) کتاب الطبقات ۱۰ جزو (۶) کتاب من روی عن رجل لم یرہ ۱ جزو (۷) کتاب علل المسند ۳۰ جزو (۸) کتاب العلل لاسماعیل القاضی ۱۴ جزو (۹) کتاب علل حدیث ابن عُیینۃ ۱۳ جزو (۱۰) کتاب من لا یحتج بحدیثہ ولا یسقط ۲ جزو (۱۱) کتاب الکنی ۵ جزو (۱۲) کتاب الوہم والخطاء ۵ جزو (۱۳) کتاب قبائل العرب ۱۰ جزو (۱۴) کتاب من نزل من الصحابۃ سائر البلدان ۵ جزو (۱۵) کتاب التاریخ ۱۰ جزو (۱۶) کتاب العرض علی المحدث ۲ جزو (۱۷) کتاب من حدث ثم رجع عنہ ۲ جزو (۱۸) کتاب یحیٰی (القطان) وعبدالرحمٰن (بن مہدی) فی الرجال ۵ جزو (۱۹) کتاب سوالاتہ یحیٰی ۲ جزو (۲۰) کتاب الثقات والمتثبتین ۱۰ جزو (۲۱) کتاب اختلاف الحدیث ۵ جزو (۲۲) کتاب الاسامی الشاذۃ ۳ جزو (۲۳) کتاب الاشربۃ ۳ جزو (۲۴) کتاب تفسیر غریب الحدیث ۵ جزو (۲۵) کتاب الاخوۃ والاخوات ۳ جزو (۲۶) کتاب من تعرف باسم دون اسم ابیہ ۲ جزو (۲۷) کتاب من یعرف باللقب ۱ جزو (۲۸) کتاب العلل المتفرقۃ ۳۰ جزو (۲۹) کتاب مذاہب المحدثین ۲ جزو۔

حاکم نے ان کتابوں کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہم نے ابن المدینی کی کتابوں کی یہ مختصر فہرست پیش کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابن المدینی کی ان کتابوں کے علاوہ اور بھی کتابیں ہوں گی جن کے نام حاکم نے نہیں لکھے۔

علی ابن المدینی کی تصنیفات سے اُن کے تبحر علمی اور فضل و کمال کا پتہ چلتا ہے

ابن المدینی کی وفات ۲۳۴ھ ہجری میں بمقام سرمری واقعہ ہوئی (۱)

۲۔ یحییٰ بن معین

یحییٰ بن معین تیسری صدی ہجری کے چار بڑے ائمہ میں سے ایک ہیں جن پر حدیث کی زعامت (رہبری) ختم ہوگئی ہے وہ چار ائمہ یہ ہیں، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، اور ابوبکر بن ابی شیبۃ۔ یحییٰ بن معین نے حدیث کی سماعت ابن مبارک، سفیان بن عُیینۃ، عبدالرحمٰن بن مہدی، ہشیم، وکیع اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین سے کی ہے۔

یحییٰ بن معین سے جن محدثین نے حدیث کی سماعت کی ہے اُن کے نام یہ ہیں:۔

ابوزرعۃ رازی، ابوحاتم، امام بخاری، امام مسلم، ابوداود، ان کے علاوہ اور بھی بکثرت محدثین نے یحییٰ بن معین سے حدیث کی سماعت کی ہے۔

یحییٰ بن معین کی امانت، دیانت اور جلالتِ شان پر علماء کا اتفاق اور اجماع ہے، جرح و تعدیل کے علم میں اور کذابین حدیث کے احوال کو ظاہر کرنے میں انہیں خصوصیت کا درجہ حاصل تھا۔ حدیث میں تثبّت اُن کا جوہر تھا، محدثین کا بیان ہے کہ ایک روز یحییٰ بن معین قبلہ رُخ ہو گئے اور اپنا ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اے اللہ میں نے جس کسی شخص کے متعلق کلام کیا ہے اگر وہ میرے نزدیک کذّاب ثابت نہ ہو تو میری مغفرت نہ فرما۔ احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معین سے حدیث کی سماعت کرنے سے سینوں میں شفا حاصل ہوتی ہے۔ نیز موصوف کا بیان ہے کہ اللہ نے یحییٰ بن معین کو حدیث کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے وہ حدیث سے کذّابین کے کذب کو ظاہر کرتے ہیں، جس حدیث کو یحییٰ بن معین نہیں جانتے ہیں وہ حدیث ہی نہیں ہے"۔ علی بن المدینی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معین کے جیسا شخص میں نے نہیں دیکھا ہے۔

امام حاکم نیساپوری نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں یحییٰ بن معین کو فقہائے محدثین میں شمار کیا ہے یحییٰ بن معین کی وفات مدینہ میں ۲۳۳ھ ہجری میں واقع ہوئی بقیع کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات کے روز یہ منادی کی گئی کہ یحییٰ بن معین وہ شخص تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے کذّابین کے کذب کو دور کرتے رہے۔

۳۔ ابوبکر بن ابی شیبۃ کوفی

ابوبکر کنیت، عبداللہ نام ہے۔ ابوبکر بن ابی شیبۃ کے نام سے مشہور تھے والد کا نام محمد بن ابی شیبۃ تھا۔

(۱) الحدیث والمحدثون

کوفہ کے رہنے والے تھے، ابوبکر ابن ابی شیبہ نے جن شیوخ سے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:۔

ابوالاحوص، ابن مبارک، شریک، ہشیم، جریر بن عبدالحمید، وکیع، ابن عُلیتہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحیٰی بن سعید القطان، سفیان بن عُیینۃ، زید بن ہارون ان کے علاوہ اور دوسرے بکثرت شیوخ تھے۔

ابوبکر بن ابی شیبۃ سے جن محدثین نے روایت کی ہے اُن کے نام یہ ہیں:۔

امام بخاری، امام مسلم، ابوداود، ابن ماجہ، احمد بن حنبل، محمد بن سعد، ابو زُرعۃ، ابو حاتم، عبداللہ بن احمد بن حنبل، ابراہیم حربی، اور ابوبکر بن ابی شیبۃ کے فرزند ابوشیبۃ ابراہیم، ان کے علاوہ دوسرے بکثرت محدثین نے ان سے روایت کی ہے۔

ابوبکر بن ابی شیبۃ ثقۃ اور حدیث کے حافظ تھے، ان کے حفظ اور اتقان کی تعریف ان کے ہمعصر بکثرت لوگوں نے کی ہے۔

ابو عبید قاسم کا بیان ہے کہ علم چار شخصوں پر ختم ہوگیا ہے، ان میں ابوبکر بن ابی شیبۃ سب سے زیادہ احادیث کے حافظ تھے، احمد ان سب میں زیادہ فقیہ تھے، یحیٰی بن معین ان سب سے زیادہ حدیث کے جامع تھے اور علی بن المدینی ان سب سے زیادہ حدیث کا علم رکھتے تھے۔

صالح بن محمد کا بیان ہے میرے ملنے والوں میں علی بن المدینی حدیث اور علل حدیث کا زیادہ علم رکھتے تھے اور مشائخ کی تصحیفات سے زیادہ باخبر یحیٰی بن معین تھے، اور بوقت مذاکرہ سب سے زیادہ حافظہ رکھنے والے ابوبکر بن ابی شیبۃ تھے۔

ابوزرعۃ رازی کا بیان ہے کہ ابوبکر بن ابی شیبۃ کے جیسا بڑا حدیث کا حافظ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ ابوبکر بن ابی شیبۃ حافظ حدیث، دیندار، صاحب اتقان اور صاحب تصانیف تھے۔ حدیثیں جمع کیں اور حدیث پر کتابیں لکھیں، وہ اپنے زمانہ میں مقطوع احادیث کے بڑے حافظ تھے ۲۳۵ھ ہجری میں ابوبکر بن ابی شیبۃ نے وفات پائی (۱)

۴۔ ابوزرعۃ رازی

ابوزرعۃ رازی کا نام عبداللہ بن عبدالکریم ہے۔ مشہور حفاظ حدیث میں اُن کا بھی شمار ہے، اور یہ ہمعصر محدثین

---

(۱) الحدیث والمحدثون

نے ان کے علم، ورع اور حفظ حدیث کی تعریف کی ہے اور ہمعصر محدثین پر انہیں فوقیت دی ہے محدثین کا بیان ہے کہ ابو زرعۃ کو سات لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں، اور جب وہ اپنی جوانی کی عمر میں احمد بن حنبل سے ملتے تھے تو امام احمد بن حنبل صرف فرض نماز ختم کرکے اور مستحب نمازوں کو چھوڑ کے ابو زرعۃ کے مذاکرہ میں شریک ہوتے تھے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ احمد بن حنبل جیسی بڑی شخصیت کے محدث ابو زرعۃ کے حفظ وضبط اور اتقان کا اعتراف کرتے تھے۔ جب ہی وہ نفلی نماز ترک کرکے ابو زرعۃ کے مذاکرہ میں شریک ہو جاتے تھے۔

حاکم نیساپوری نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں بیان کیا ہے کہ جب قُتیبۃ بن سعد شہر رے میں واپس آئے تو لوگوں نے اُن سے حدیث بیان کرنے کی استدعا کی۔ قُتیبۃ نے کہا کہ میں اس وقت حدیث بیان کروں گا جب میری مجلس میں احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین، علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی شیبۃ اور ابو خیثمۃ بھی آجائیں۔ اس جواب پر لوگوں نے قُتیبۃ سے کہا کہ ہمارے ساتھ ایک جوان شخص ایسا ہے کہ آپ نے جس جس مجلس میں حدیث سُنائی ہے اُس نے آپ سے سُن کر تمام حدیثیں زبانی یاد کر لی ہیں اس کے بعد لوگوں نے ابو زرعۃ سے کہا اے ابو زرعۃ اُٹھو اور قُتیبۃ کی سب حدیثیں سُنا دو چنانچہ ابو زرعۃ اُٹھے اور تمام حدیثیں لوگوں کے سامنے لفظ بہ لفظ سُنا دیں جن کو قُتیبۃ نے مختلف مجلسوں میں سُنایا تھا، یہ دیکھ کر قُتیبۃ نے لوگوں کی استدعاء کو قبول کیا اور اپنی حدیثیں سُنائیں۔

حاکم نیساپوری نے اپنی کتاب معرفۃ علوم الحدیث میں ابو زرعۃ کو حدیث کے نقاد میں شمار کیا ہے۔ ابو زُرعۃ کی وفات ۲۶۴ھ ہجری واقع ہوئی۔

۵۔ ابو حاتم رازی

ابو حاتم رازی کا نام محمد ہے، سلسلہ نسب کے چند نام یہ ہیں، ابو حاتم محمد بن ادریس بن منذر بن داود بن مہران۔ ابو حاتم شہر رے کے رہنے والے تھے، قبیلہ حنظل سے تعلق رکھتے تھے اس لئے حنظلی کہے جاتے تھے، ائمہ حُفاظ اثبات سے تھے، عللِ حدیث اور جرح و تعدیل کے علم سے پوری طرح باخبر تھے۔ محدّث ابو زُرعۃ کے ہمعصر تھے حدیث کی بکثرت سماعت کی تھی، اور سماعتِ حدیث کے لئے شیوخ اور محدّثین کے پاس حاضر ہونے کے لئے شہر بہ شہر پھرتے، اور اکابر ائمہ سے حدیث کی روایت کی۔ ایک روز ابو حاتم رازی نے اپنے فرزند عبدالرحمٰن سے بیان کیا اے بیٹے! میں نے حدیث کی طلب میں ایک ہزار فرسخ (تین ہزار میل) کا سفر پیدل طے کیا ہے۔

ابو حاتم رازی کے پاس جو حُفاظ حدیث موجود تھے اُن سے بطور تحدّی کہتے تھے جو شخص ایک ایسی صحیح حدیث مجھے سُنائے جو مجھے معلوم نہ ہو اُسے میں ایک درہم صدقہ کے طور پر دوں گا لیکن کوئی محدث ایسی ایک حدیث بھی نہ بیان

کرسکا جسے ابو حاتم نہ جانتے ہوں، حاضرین میں محدث ابو زرعۃ بھی موجود تھے جن کی جلالت شان اور علو مرتبت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، حاکم نیشاپوری نے ابو حاتم رازی کو فقہائے حدیث میں شمار کیا ہے، ابو حاتم رازی کی وفات ۲۷۷ھ ہجری میں واقع ہوئی (۱)

۴ ۔ محمد بن جریر طبری

ابو جعفر کنیت، محمد نام ہے، سلسلۂ نسب کے چند نام یہ ہیں۔

ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب، ابن جریر بمقام آمل ۲۲۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے بغداد میں سکونت اختیار کی، اور یہیں وفات پائی، امام ترمذی اور امام نسائی کے طبقہ میں ان کا شمار ہے امام بخاری اور امام مسلم کے شیوخ سے اور دوسرے شیوخ سے بھی حدیث کی بکثرت سماعت کی ہے۔

ابن جریر سے بھی بکثرت علماء نے حدیث کی روایت کی ہے جن میں احمد بن کامل، محمد بن عبداللہ شافعی اور مخلد بن جعفر بھی ہیں۔

ابن جریر اکابر ائمہ سے تھے۔ ان کے قول کے مطابق فیصلہ کیا جاتا، اور ان کے علم و حفظ کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، وہ کتاب اللہ کے حافظ تھے تمام قرآت کا علم رکھتے تھے، معانی قرآن پر انہیں بصیرت حاصل تھی۔ احکام فقہ اور سُنن کے عالم تھے، اور سُنن کے تمام طُرق اور صحیح و سقیم، ناسخ اور منسوخ کو جانتے تھے، صحابہ تابعین اور ان کے بعد ائمہ کے اقوال سے باخبر تھے، لوگوں کے گذشتہ حالات، اور اخبار سے واقف تھے۔ اُن کی تصنیفات میں مشہور کتاب "تاریخ الامم والملوک" ہے اور ان کی تفسیر کی کتاب کے متعلق ابو حامد اسفرائنی کا قول ہے "اگر کوئی شخص اس غرض سے چین تک سفر کرے کہ وہ ابن جریر طبری کی تفسیر حاصل کرے گا تو یہ بڑی بات نہ ہوگی۔ ابن جریر طبری کی ایک اور تصنیف "تہذیب الآثار" ہے۔ مگر اس کتاب کو وہ مکمل نہ کر سکے تھے، اگر یہ کتاب مکمل ہو جاتی تو علوم سُنت میں معجز نما ہوتی، اس کتاب کی ابتدا حضرت ابوبکر صدیق کی روایت سے ہے اور ان کی ہر حدیث اس کی علت اور طرق پر بحث کی ہے، اور جو کچھ اس میں فقہ، علماء کے اختلافات اور استدلال تھے اور جو لغوی الفاظ تھے ان سب کو بیان کیا ہے۔ پھر عشرہ مبشرہ، اہل بیت اور موالی کے مسانید کو اور کچھ ابن عباس کے مُسند کو بیان کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ان کی کتاب تہذیب الآثار عجائب میں سے ہے۔

---

(۱) الحدیث والمحدثون

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ میں نے ابن جریر طبری کی ایک کتاب دیکھی ہے اس میں احادیث غدیر خم دو ضخیم جلدوں میں تھیں، ان کی ایک اور کتاب بھی دیکھی ہے جس میں حدیث طیر کے طُرق کو جمع کیا ہے۔

ابن جریر طبری کی وفات ۳۱۰ھ ہجری میں واقع ہوئی (۱)

۷۔ ابن خزیمۃ

محمد بن اسحاق ابوبکر بن خزیمۃ نیشاپوری امام الائمہ تھے، طلب علم و حدیث کے لئے انہوں نے رے، بغداد، بصرۃ، کوفہ، شام، جزیرۃ، مصر اور واسط کا سفر کیا، اور بکثرت محدثین سے حدیث کی سماعت کی ان محدثین میں اسحاق بن راہویہ، محمد بن حمید رازی بھی ہیں مگر ان دونوں محدثین سے صرف سماعت کی ہے حدیث کی روایت نہیں کی ہے کیونکہ ان دونوں محدثین سے صغر سنی میں حدیث کی سماعت کی تھی، جن محدثین سے حدیث کی روایت کی ہے اُن کے نام یہ ہیں:۔

محمود بن غیلان، محمد بن ابان المستملی، اسحاق بن موسیٰ الخطمی، ابو قدامۃ سرخسی ان کے علاوہ اور دوسرے محدثین ہیں۔ ابن خزیمۃ سے بڑے بڑے ائمہ نے حدیث کی روایت کی ہے جیسے امام بخاری اور امام مسلم ہیں مگر ان دونوں نے ابن خزیمۃ سے جو کچھ حدیث کی روایت کی ہے وہ صحیحین سے خارج کی حدیثیں ہیں۔ ابن خزیمۃ کے شیخ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے بھی ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ نیز یحییٰ بن محمد بن صاعد، ابو علی نسائی، اور اسحاق بن سعد نسوی اور دوسرے بکثرت محدثین نے ابن خزیمۃ سے روایت کی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ابن خزیمۃ علم اور علماء کے قبلہ اور امام تھے، ہر چہار طرف سے طالبانِ علم ان کے پاس آتے تھے۔ ابن خزیمہ حدیث میں بہت زیادہ غور و خوض کرتے تھے، اگر اسناد میں ذرا بھی کلام ہوتا تو اس کی تحقیق کے لئے کافی وقت صرف کرتے تھے۔

حاکم نیشاپوری نے ابو العباس بن سریج کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن خزیمۃ منقاش (چمٹی) سے حدیث کے نکات نکالتے تھے۔ ربیع بن سلیمان کا قول ہے کہ ابن خزیمہ نے جس قدر ہم سے استفادہ کیا ہے اس سے زیادہ ہم نے ابن خزیمۃ سے سیکھا ہے۔ محمد بن حبان تمیمی کا بیان ہے کہ میں نے روئے زمین پر سوائے محمد بن اسحاق (ابن خزیمۃ) کے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا ہے جو سُنن کی صناعت کو اچھی طرح سے جانتا ہو اور سُنن کے صحیح الفاظ اور جو ان میں زیادہ باتیں ہیں ان کو محفوظ رکھتا ہو گویا تمام سُنن اُن کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

---

(۱) الحدیث والمحدثون

دار قطنی کا بیان ہے کہ ابن خزیمۃ امام اثبت اور عدیم النظیر تھے۔

امام حاکم نیساپوری نے ابن خزیمۃ کو فقہائے حدیث میں شمار کیا ہے

ابن خزیمۃ کی تصنیفات کی تعداد ایک سو چالیس کتابوں سے زیادہ ہے اور مسائل کی تعداد علاوہ ہے۔

تصنیف شدہ مسائل بھی سو جزو سے زیادہ پر مشتمل ہیں، حدیث بریرہ کی فقہ تین جزو پر حاوی ہے۔ مسئلہ حج ۵ جزو میں ہے، حدیث میں ابن خزیمۃ کی ایک کتاب صحیح ہے جو کتب حدیث میں بہت اہم ہے مسلم بن الحجاج کی صحیح کے قریب درجہ کی ہے، جیسا کہ سیوطی نے اپنی الفیہ میں بیان کیا ہے، مگر ابن خزیمہ کی صحیح کا اکثر حصہ معدوم ہو گیا ہے

ابن خزیمۃ کی وفات ۳۱۱ھ ہجری میں واقع ہوئی (۱)

۸۔ محمد بن سعد کاتب واقدی

ابو عبداللہ محمد بن سعد بن منیع قرشی ہاشمی از روئے ولاء البصری تھے مگر بغداد میں رہتے تھے، وہ امام، حافظ مورخ اور ثقہ تھے، ان کے والد مولی تھے حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ہاشمی کے۔ محمد ابن سعد ۱۶۸ھ ہجری میں بمقام بصرہ پیدا ہوئے اور ۲۳۰ھ ہجری میں بغداد میں وفات پائی۔

محمد بن سعد نے محمد بن عمرو واقدی سے حدیث کی روایت کی اور انہیں سے علم حاصل کر کے فارغ ہوئے، ان کے علاوہ جن شیوخ سے محمد بن سعد نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:۔

ابن علیۃ، سفیان بن عیینۃ، یزید بن ہارون واسطی، عبیداللہ بن موسیٰ عبسی، ابو نعیم فضل بن دُکین کوفی ان کے علاوہ بصرہ، کوفہ، واسط، بغداد، مکہ مکرمۃ، مدینۃ منورۃ، شام، یمن، مصر اور تمام بلاد اسلامیہ کے اکثر شیوخ سے روایت کی ہے، محمد بن سعد اسلامی شہروں کے شیوخ سے روایت کرنے والوں میں مُکثرین (زیادہ روایت کرنے والے) میں شمار کئے جاتے ہیں، خصوصاً محمد بن عمرو واقدی سے جو بحر مواج کی مانند تھے بہت زیادہ روایت کی ہے۔ محمد بن سعد سے جن لوگوں نے روایت کی ہے اُن کے نام یہ ہیں:۔

مصعب زبیری، حارث محمد بن اسامۃ صاحب مسند، احمد بن عبید بن ناصح ہاشمی، احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری مصنف فتوح البلدان، ابوبکر عبداللہ بن محمد المعروف بہ ابی الدنیا۔

حسین بن محمد بن عبدالرحمٰن بن فہم جو ابن سعد کے طبقات کبریٰ کے راویۃ ہیں ان کا اپنے شیخ ابن سعد کے

(۱) الحدیث والمحدثون

متعلق یہ قول ہے کہ ابن سعد بڑے صاحب علم تھے، حدیث، فقہ اور غریب کے موضوع پر بکثرت کتابیں لکھی تھیں۔ ابن سعد تمام رُواۃ کے نزدیک پسندیدہ تھے، خلیفہ مامون عباسی اور اس کے بعد کے عہد میں جو بدترین فتنے کھڑے ہوئے تھے ان سے بالکل الگ تھلگ رہے، جس کی وجہ سے انہیں اپنے اور اپنے استاذ کے علم کے نشر و اشاعت کا اچھا موقع ملا اور ان کی تمام کتابیں محفوظ رہ گئیں، اور مقبول عام ہوئیں۔ ان کی کتابوں میں سب سے اہم طبقات الکبریٰ ہے جس میں ممتاز علمائے سیر جیسے شعبی، اوزاعی، موسیٰ بن عقبۃ، محمد بن اسحاق واقدی کے بیان کردہ واقعات کو جمع کیا ہے، ابن سعد نے طبقات کبریٰ میں انبیاء علیہم السلام اور سید المرسلین خاتم النبین محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد کے حالات کو بطور تمہید کے بیان کیا ہے، اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور غزوات کو بیان کر کے صحابہ، تابعین کے طبقات اور ان کے بعد اپنے زمانہ تک کے اکابر علماء کا ذکر کیا ہے اور ان سب کے تذکروں کو اسلامی شہروں پر تقسیم کر دیا ہے مثلاً مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، شام، یمن، مصر، کوفہ، بصرہ، بغداد اور تمام اسلامی شہروں کے اکابر علماء کا ذکر ہر شہر کے تحت جدا جدا کیا ہے۔ یہ اپنے موضوع میں پہلی قدیم کتاب ہے اس بہترین کتاب سے کوئی محدث، فقیہ اور مورخ بے نیاز نہیں رہ سکتا ہے، اس میں جتنی روایتیں ہیں وہ سب کی سب قوی نہیں ہیں بلکہ ان کے اسانید میں مقطوع اور مرسل روایتیں بھی ہیں، ابن سعد کا مقصد یہ تھا کہ کتاب کے موضوع پر مبنی روایتیں مل سکیں لے لی جائیں، کیونکہ ان کے اسانید کی چھان بین اہلِ علم پر آسان ہے، درحقیقت ابن سعد کے بعد جن لوگوں نے علم رجال پر کتابیں لکھی ہیں وہ سب ابن سعد کے علم کے عیال ہیں، مگر جن لوگوں نے ابن سعد کی کتاب طبقات الکبریٰ کو مختصر کیا ہے وہ اختصار کی وجہ سے ابن سعد کی ترتیب اور سیاق اسانید کو برقرار نہ رکھ سکے (۱)

۹- اسحاق بن راہویہ

ابو یعقوب کنیت، اسحاق نام، ابن راہویہ عرفی نام اور حنظلی نسبت ہے، سلسلۂ نسب کے چند نام یہ ہیں اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم، راہویہ اسحاق کے والد ابراہیم کا لقب ہے، ابن راہویہ نہ صرف عام مسلمانوں کے بلکہ ممتاز علمائے اسلام کے امام تھے، فقہ اور حدیث میں امامت کا درجہ حاصل تھا؛ اور ان علوم میں انہیں مہارت تھی، حفظ، صدق، ورع اور زہد کے اوصاف سے متصف تھے، طلب علم کے لئے عراق، حجاز،

(۱) الحدیث والمحدثون

یمن اور شام کا سفر کیا، جن شیوخ سے حدیث کی سماعت کی تھی اُن کے نام یہ ہیں:۔

جریر بن عبدالحمید رازی، اسماعیل بن علیۃ، سُفیان بن عُیینۃ، وکیع بن الجراح، بقیۃ بن الولید، عبدالرزاق ابن ہمام، نضر بن شُمیل، ان کے علاوہ اور بھی دوسرے شیوخ تھے۔

جن محدثین نے ابن راہویہ سے حدیث کی سماعت کی ان کے نام یہ ہیں۔

محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن الحجاج نیساپوری، محمد بن نصر مروزی، ابوعیسٰی ترمذی، احمد بن سلمۃ، ان کے علاوہ اور دوسرے بکثرت محدثین ہیں۔

ابن راہویہ سے ان کے قدیم شیوخ میں یحیٰی بن آدم اور بقیۃ بن الولید نے روایت کی ہے۔ ابن راہویہ کا بیان ہے کہ یحیٰی ابن آدم نے مجھ سے دو ہزار حدیثیں لکھی ہیں اور ابن راہویہ کے معاصرین اور ہمعصر محدثین میں احمد بن حنبل نے بھی ابن راہویہ سے روایت کی ہے۔

ابن راہویہ حفظ، اتقان، امامت اور صداقت میں ضرب المثل تھے۔ اپنے متعلق ان کا بیان ہے کہ میں ایک لاکھ حدیث کے مقام و مکان کو جانتا ہوں گویا ان کو دیکھ رہا ہوں اور ستر ہزار حدیثیں میرے دل میں محفوظ ہیں۔ اور چار ہزار احادیث مُزَوَّرۃ بھی مجھے زبانی یاد ہیں، لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ احادیث مُزَوَّرۃ کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے جواب دیا جب یہ مزورۃ احادیث (جھوٹی حدیثیں) صحیح احادیث میں مل کر میرے سامنے سے گذرتی ہیں تو میں اُن کو چُن کر پھینک دیتا ہوں۔

ابن راہویہ سے کسی نے پوچھا کیا آپ کو ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں؟ انہوں نے جواب دیا میں نہیں جانتا کہ ایک لاکھ کیا ہے، لیکن جو کچھ میں حدیث سُنتا ہوں وہ میرے دل میں نقش کالحجر ہو جاتی ہیں اور یاد کی ہوئی حدیثیں کبھی دل سے فراموش نہیں ہوتی ہیں۔

ابوداؤد خفاف کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو ابن راہویہ نے گیارہ ہزار حدیثیں زبانی لکھوائیں پھر ان حدیثوں کو زبانی ہم لوگوں کو سُنایا، لکھی ہوئی حدیثوں سے ہم مقابلہ کرتے جاتے تھے اس وقت ان سے نہ ایک حرف کی کمی واقع ہوئی اور نہ ایک حرف زیادہ کیا۔

ابوحاتم رازی کا بیان ہے کہ میں نے ابوزرعۃ سے اسحاق بن ابراہیم (ابن راہویہ) حنظلی کے اسانید اور متون کے حفظ کا ذکر کیا، میرے بیان پر ابوزرعۃ نے کہا اسحاق سے زیادہ حافظ حدیث کوئی نہیں دیکھا گیا۔ یہی ابوحاتم کہتے ہیں کہ ابن راہویہ کو اتقان اور حافظہ کی سلامتی کا جو وصف عطا کیا گیا تھا وہ قابل تعجب ہے۔ ائمہ نے اسحاق بن

راہویہ کی بہت ستائش کی ہے۔

ابو داؤد کا بیان ہے کہ اسحاق بن راہویہ کی وفات سے پانچ ماہ پہلے اُن کے دماغ میں اختلاط (خلل دماغی) پیدا ہو گیا تھا، اس اختلاط کے دوران میں جن لوگوں نے اُن سے جس قدر حدیثیں سُنی تھیں ان سب کو پھینک دیا۔

اسحاق بن راہویہ ۱۶۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے اور ۲۳۸ھ ہجری میں بمقام نیسا پور ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی (۱)

۱۰۔ امام احمد بن حنبل رح

ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی مروزی ثم بغدادی امام الائمہ، حافظ الحدیث اور فقیہ الامت کے القاب سے موسوم تھے، ۱۶۴ھ ہجری میں بغداد میں پیدا ہوئے، اپنی نوجوانی میں قاضی ابو یوسف شاگرد ابو حنیفہ کی مجلس میں شریک ہوتے رہے، پھر اس مجلس کی شرکت ترک کر کے ۱۸۶ھ ہجری سے حدیث کی سماعت کی طرف متوجہ ہو گئے جس کے لئے انہوں نے اسلامی ممالک اور شہروں کا سفر کیا، اور اپنے عہد کے مشائخ حدیث سے سماعت کی، امام ابن حنبل کے مشائخ امام موصوف کو نہایت عزت و توقیر اور احترام کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، امام ابن حنبل کے شیوخ میں ہشیم، ابراہیم بن سعد، اور سفیان بن عیینہ بھی تھے، امام ابن حنبل نے امام شافعی سے فقہ حاصل کی، جب کہ امام شافعی بغداد آئے تھے، اور ان سے وابستہ رہ کر استفادہ حاصل کرتے رہے، امام ابن حنبل نے نہایت توجہ سے سُنت اور فقہ کی تعلیم حاصل کی، جس کا اثر یہ ہوا کہ اصحاب حدیث نے ابن حنبل کو امام اور فقیہ تسلیم کر لیا، اور ان سے بڑے پایہ کے علماء کی ایک جماعت نے حدیث حاصل کی، ان علمائے حدیث میں امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام مسلم بن الحجاج نیسا پوری امام شافعی، عبد الرزاق اور وکیع کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، آخر الذکر تین اصحاب یعنی امام شافعی، عبد الرزاق اور وکیع امام احمد بن حنبل کے شیوخ ہیں۔

امام شافعی باوجودیکہ حدیث اور فقہ میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے، پھر بھی وہ احادیث کی صحت اور ضعف کے بارے میں امام ابن حنبل پر اعتماد کرتے تھے، اسی لئے ۱۹۵ھ ہجری میں جب امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا بغداد میں دوسری دفعہ باہم اجتماع ہوا تو امام شافعی نے امام احمد بن حنبل سے فرمایا اے ابو عبد اللہ! جب آپ کو

(۱) البدایہ والنہایہ، ج

کسی حدیث کا علم ہو تو آپ مجھے بھی مطلع فرمائیں تاکہ میں اس حدیث کے راوی کے پاس جا کر اس سے ملوں خواہ وہ راوی حجازی ہو، یا شامی، عراقی ہو یا یمنی، اس وقت امام احمد بن حنبل کی عمر تیس سال سے کچھ ہی زیادہ ہو گی۔

امام شافعی کا بیان ہے کہ میں جب عراق سے روانہ ہوا اس وقت عراق میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو علم و فضل، زُہد اور تقویٰ میں احمد بن حنبل سے افضل ہو۔

اسی طرح امام ابن حنبل کے عہد کے دوسرے علمائے حدیث اپنے مسلک و مشرب کے اختلاف کے باوجود فقہ اور حدیث میں امام ابن حنبل کے بلند مرتبہ کا اعتراف کرتے تھے۔

اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبل روئے زمین پر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان حُجّت اور سند واقع ہوئے ہیں۔

یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل میں اتنی خوبیاں ہیں کہ میں نے کسی عالم میں وہ خوبیاں نہیں دیکھیں وہ مُحدّث، حافظ، عالم، متقی، زاہد اور عقلمند تھے، نیز یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ لوگ چاہتے تھے کہ ہم بھی احمد بن حنبل کی مانند ہو جائیں، بخدا ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اُن کی مانند ہو سکیں اور نہ اس کی طاقت ہے کہ اُن کے طریقہ پر چل سکیں۔

فرقہ معتزلہ کی ایک جماعت خلیفہ مامون، پھر المعتصم، اور پھر الواثق پر چھا گئی تھی اور ان عباسی خلفاء کو ان کے اپنے اپنے دورِ خلافت میں اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا اور ان خلفاء سے معتزلین جو کام چاہتے تھے کرا لیتے تھے معتزلیوں نے ان خلفاء کو آمادہ کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو خلقِ قرآن کے عقیدے کی دعوت دیں اور لوگوں کو اس عقیدہ کے ماننے پر مجبور کریں۔ اکابر علماء میں امام احمد بن حنبل کو اس عقیدہ کے ماننے کے لئے مجبور کیا گیا، امام موصوف نے سختی سے اس کا انکار کیا جس کی پاداش میں اُنہیں کوڑے لگائے گئے اور قید میں رکھا گیا، یہ واقعہ ۲۲۰ھ ہجری المعتصم کے عہد کا ہے۔ کوڑوں کی ضرب اتنی سخت تھی کہ اس سے امام موصوف کے بدن سے خون جاری ہو گیا اور وہ بیہوش ہو گئے تھے۔ جب امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگائے گئے تھے، تو مشہور زاہد بشر حافی نے فرمایا کہ احمد بن حنبل بھٹی میں تپائے گئے جس میں سے وہ سُرخ سونا بن کر نکلے۔

علی بن المدینی کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبل نے راہِ اسلام میں جس قدر استقامت دکھلائی ہے، ایسی استقامت کسی نے نہیں دکھلائی ہے۔

جب علی بن المدینی کے اس مقولہ کی خبر ابو عبید قاسم بن سلام کو پہونچی تو انہوں نے کہا کہ علی بن المدینی کا قول بالکل بجا اور درست ہے، حضرت ابو بکر صدیق نے اہل ردّہ یعنی مرتدین کے زمانہ میں جو سخت ترین زمانہ تھا اپنے اطراف میں معاونین اور مددگاروں کو پایا تھا لیکن ابن حنبل کی آزمائش اور ابتلاء کے زمانہ میں اُن کا کوئی مددگار نہ تھا، میں نہیں جانتا ہوں کہ مسلمانوں میں اُن کی مانند کوئی ہے۔

امام احمد بن حنبل کی وفات ۲۴۱ھ ہجری میں بغداد میں واقع ہوئی، تمام علمائے اسلام احمد بن حنبل کی ستائش میں رطب اللسان ہیں۔

۱۱- امام بخاری

ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرۃ بن بردزبۂ جُعفی بخاری، امام بخاری کے اجداد میں ایک شخص حرب خاندان جُعفی کے ایک حاکم کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اس لئے امام بخاری کا خاندان جُعفی مشہور ہو گیا۔

امام بخاری محدثین کے امام اور حُفّاظ حدیث کے شیخ تھے، اُنہیں اپنے تمام اقران اور ہمعصر محدثین پر فوقیت حاصل تھی۔

امام بخاری ۱۹۴ھ ہجری میں بمقام بخارا پیدا ہوئے، جب وہ مکتب میں زیر تعلیم تھے اللہ تعالیٰ نے اُنہیں حدیث کے حفظ کرنے کی توفیق عطا فرمائی، فربری امام بخاری کے شاگرد امام بخاری کے ورّاق محمد بن ابو حاتم کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ جب میں مکتب میں زیر تعلیم تھا مجھے حدیث کے حفظ کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق عطا کی گئی، میں نے پوچھا اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ امام بخاری نے جواب دیا کہ اس وقت میری عمر دس سال کی تھی یا کچھ کم، پھر جب میں نے مکتب چھوڑا تو داخلی اور دوسرے محدثین کے پاس جانے لگا، ایک روز داخلی لوگوں کے سامنے حدیث پڑھ رہے تھے پڑھنے کے دوران میں اُنہوں نے کہا سُفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم میں نے اُنہیں ٹوکا اور کہا ابو الزبیر نے ابراہیم سے روایت نہیں کی ہے، داخلی نے مجھے جھڑک دیا میں نے کہا کہ آپ اصل نسخہ کی طرف رجوع فرمائے اگر آپ کے پاس اصل نسخہ موجود ہو، میرے اس کہنے پر وہ اندرون خانہ گئے، کتاب دیکھی اور واپس آئے اور مجھ سے کہا لڑکے! کس طرح سے روایت ہے؟ امام بخاری نے کہا وہ ابو الزبیر نہیں بلکہ زبیر بن عدی ہیں جو ابراہیم سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ داخلی نے قلم لے کر اپنی کتاب کی اصلاح کی اور مجھ سے فرمایا تم نے صحیح کہا ہے اس وقت امام بخاری

سے ایک شخص نے دریافت کیا جس وقت آپ نے داخلی کو ٹوکا تھا اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ امام بخاری نے جواب دیا میں اس وقت گیارہ سال کا تھا۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ جب میں سولہ سال کا ہوا میں نے ابن المبارک اور وکیع کی کتابوں کو حفظ کر لیا اور اصحاب رائے کے کلام سے بھی واقف ہو گیا، اس کے بعد میں اپنی والدہ اور بھائی کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوا پھر جب میں اٹھارہ سال کا ہوا اس وقت میں نے ایک کتاب تصنیف کی جو صحابہ اور تابعین کے فیصلوں پر مشتمل تھی اس کے بعد میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس رہ کر تاریخ تصنیف کی اور چاندنی راتوں میں لکھا کرتا تھا، تاریخ میں ایسا کوئی اسم نہیں ہے جس کے متعلق میرے پاس کوئی قصہ نہ ہو مگر طوالت کے خیال سے میں نے ان قصوں کو نہیں لکھا۔

امام بخاری حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف اسلامی ملکوں میں گئے، سہل بن السری کا بیان ہے کہ امام بخاری نے فرمایا میں طلب علم کے لئے شام، مصر اور الجزیرۃ دو دفعہ اور بصرہ چار دفعہ گیا اور حجاز میں چھ سال اقامت کی اور میں شمار نہیں کر سکتا کہ کتنی دفعہ محدثین کے ہمراہ کوفہ اور بغداد گیا۔

حدیث کی صحیح و سقیم کی تمیز کرتے ہوئے سند اور متن کے ساتھ حدیث کے حفظ کرنے میں امام بخاری کا ہم پلہ کوئی نہیں تھا، ایک دفعہ وہ سمرقند تشریف لے گئے وہاں ان کے پاس چار سو علمائے حدیث کا اجتماع ہوا ان علماء نے امام بخاری کا امتحان لینے کے لئے احادیث کے متون اور اسانید کو الٹ پلٹ کر کے اور شامی اسانید کو عراقی اسانید میں داخل کر کے امام بخاری کے سامنے پڑھا اور ان کی تصحیح کی درخواست کی امام بخاری نے تمام احادیث کے اسانید اور متون کو درست کر کے بتا دیا جس میں ذرا بھی سند یا متن میں غلطی یا کمی و بیشی واقع نہیں ہوئی، اسی طرح دوسرا امتحانی واقعہ بغداد میں بھی امام بخاری کے ساتھ پیش آیا تھا اور وہاں بھی امام بخاری نے احادیث کے اسانید اور متون کی تصحیح کر دی تھی جس کے بعد تمام محدثین نے امام بخاری کی فوقیت فضیلت اعلیٰ قابلیت اور ان کے انتہا درجہ کے حافظہ کا اعتراف کیا۔

امام بخاری کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ کسی کتاب کو ایک ہی دفعہ کے پڑھنے میں زبانی یاد ہو جاتی تھی امام موصوف کے تمام ہمعصر شیوخ اور علماء حدیث نے ان کی بیحد ستائش کی ہے، چند علماء کے بیانات حسب ذیل ہیں۔ امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ خراسان کے ملک نے بخاری کے جیسا شخص کسی کو نہیں پیدا کیا ہے۔

علی بن المدینی امام بخاری کے استاد کا بیان ہے کہ بخاری نے اپنے جیسا عالم کسی کو نہیں دیکھا ہے۔

محمد بن نظر بن سہل شافعی کا بیان ہے کہ میں بصرہ، شام، حجاز اور کوفہ گیا اور وہاں کے علماء سے ملا ان کی مجلسوں میں جب امام بخاری کا ذکر آتا تھا تو وہ سب کے سب امام بخاری کو اپنے اوپر فضیلت دیتے تھے۔ احمد بن حمدون قصار کا بیان ہے کہ میں نے امام مسلم بن الحجاج کو امام بخاری کے پاس آتے ہوئے دیکھا، آتے ہی انہوں نے امام بخاری کی پیشانی کو چوما اور کہا۔

دعنی اقبل رجلیک یا استاذ الاستاذین وسید المحدثین وطبیب الحدیث فی علله ثم سأله عن حدیث کفارۃ المجلس فذکر له علته فلما فرغ قال مسلم لا یبغضک الا حاسد واشهد ان لیس فی الدنیا مثلک۔

مجھے اجازت دیجیے کہ آپ کے پاؤں کا بوسہ لوں اے استادوں کے استاد اے محدثین کے سردار اور اے حدیث کی علتوں کے طبیب پھر امام مسلم نے امام بخاری سے مجلس کے کفارہ کی حدیث پوچھی امام بخاری نے اس حدیث کی علتوں کو بیان کیا۔ جب وہ اپنے بیان سے فارغ ہوئے تو امام مسلم نے کہا سوائے حاسد کے آپ سے کوئی بغض نہیں رکھ سکتا ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی مانند کوئی نہیں ہے۔

ترمذی کا بیان ہے کہ علل، تاریخ، اور اسانید کی واقفیت میں بخاری سے زیادہ علم والا شخص عراق اور خراسان نے نہیں دیکھا ہے۔

ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ زیر آسمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا زیادہ جاننے والا اور زیادہ حفظ رکھنے والا محمد بن اسماعیل بخاری کے سوا کسی کو میں نے نہیں دیکھا ہے۔

بے شک امام بخاری تفقہ میں اور سنن و آثار سے احکام کے استنباط میں ائمہ مجتہدین سے تھے۔

امام بخاری سے منقول ہے کہ ہر ضرورت کی چیز کا حکم کتاب اور سنت میں موجود ہے۔ کسی نے پوچھا کیا اس کا علم ممکن ہے امام بخاری نے جواب دیا ہاں۔

اسحاق بن راہویہ جو امام بخاری کے شیخ ہیں ان کا بیان ہے "اگر بخاری حسن بصری کے زمانے میں ہوتے تو لوگ حدیث کے علم اور اس کی فقہ کے بارے میں بخاری ہی کے محتاج ہوتے۔

ابو نعیم اور احمد بن حماد اور دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ بخاری اس امت کے فقیہ ہیں۔

ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی کا بیان ہے کہ محمد بن اسماعیل بخاری ہم سے زیادہ فقیہ، زیادہ علم رکھنے والے

اور زیادہ غور و خوض کرنے والے اور زیادہ علم کے طلب کرنے والے تھے۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ علماء میں بعض وہ ہیں جنہوں نے امام بخاری کو فقہ اور حدیث میں امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ پر فضیلت دی ہے۔

امام بخاری نہایت حیادار، شجاع، صاحب سخاوت، متقی، زاہد اور شریف النفس واقع ہوئے تھے امرا و سلاطین سے کنارہ کش رہتے تھے، یہاں تک کہ امیر بخارا خالد بن احمد ذُہلی نے امام بخاری کو اپنے پاس طلب کیا تاکہ امیر کے لڑکے اُن سے حدیث کی سماعت کر سکیں، لیکن امام بخاری نے انکار کیا اور کہا کہ میرے گھر ہی میں علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس جواب کے بعد امیر بخارا نے لوگوں کو امام بخاری سے حدیث کی سماعت کرنے سے منع کر دیا لیکن لوگوں نے اس حکم کی پروا نہ کی اور وہ سماعت کرتے رہے آخرکار امیر نے امام بخاری کو خارج البلد ہونے کا حکم دیا، امام بخاری یہ حکم پا کر بخارا سے روانہ ہو گئے اور ایک دوسرے شہر میں پہونچے جس کا نام خیرتنگ ہے جو سمرقند سے دو فرسخ (چھ میل) کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور وہاں اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اُنہیں اپنے پاس بلالے کیونکہ اُنہوں نے دین میں فتنہ پیدا ہوتے دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی کہ وہ بیمار ہو گئے۔ اور عید الفطر کی رات ۲۵۶ھ کو ۶۲ سال کی عمر میں وفات پائی، اپنے بعد امام بخاری نے تمام مسلمانوں کے لئے مفید علم چھوڑا جو اُن کی مؤلفات میں بھرا ہوا تھا۔ ان مؤلفات کی تفصیل یہ ہے۔

قضایا الصحابۃ والتابعین، تاریخ کبیر، تاریخ اوسط، تاریخ صغیر، الادب المفرد، القراءۃ خلف الامام، برالوالدین، خلق افعال العباد، کتاب الضعفاء، الجامع الکبیر، المسند الکبیر، التفسیر الکبیر، کتاب الاشربۃ کتاب الہبۃ، اسامی الصحابۃ، کتاب الوحدان، کتاب المبسوط، کتاب العلل، کتاب الکنیٰ، الجامع الصحیح۔

(تاریخ کبیر رجال کے بیان میں ہے، یہ کئی جلدوں میں مصری ٹائپ میں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں چھپ گئی ہے اس کی تصحیح شیخ عبدالرحمٰن یمانی مرحوم نے نہایت محنت سے کی ہے جبکہ موصوف اس محکمہ میں مخطوطات کی تصحیح کی خدمت پر مامور تھے، جہاں یہ خاکسار بھی مخطوطات کے مقابلہ اور تصحیح کی خدمت پر مامور تھا، اور شیخ صاحب موصوف کے ساتھ بعض مخطوطات کی تصحیح میں شریک کار تھا، سقوط حیدرآباد کے بعد شیخ صاحب مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں سعودی حکومت نے موصوف کو علمی خدمت پر مامور کر لیا۔ الادب المفرد کی شرح بزبان عربی ہمارے مکرم دوست مولانا سید فضل اللہ جیلانی سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے لکھی ہے، یہ کتاب دو بار مصر میں چھپی ہے۔ مولانا موصوف مولانا سید شاہ محمد علی مونگیری خلیفہ مولانا

فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے نبیرہ ہیں، مولانا سید فضل اللہ جیلانی اور یہ خاکسار دونوں عرصہ دراز تک محلہ عثمان شاہی حیدرآباد دکن میں ہم محلہ رہ چکے ہیں موصوف عمرہ ادا کرنے کے بعد پاکستان تشریف لائے اور ان دنوں (یعنی ماہ جون ۱۹۷۱ء) کراچی میں تشریف فرما ہیں یہاں موصوف کی چند صاحبزادیاں بھی پہلے سے آباد ہیں۔ مؤلف)

۱۲۔ امام مسلم

ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری نیساپوری امام کبیر اور حافظ الحفاظ تھے، ۲۰۴ ہجری میں نیساپور میں پیدا ہوئے، صغر سنی سے حدیث کی طلب میں مشغول ہو گئے، حدیث کی تحصیل کے لئے مختلف شہروں کے محدثین کی خدمت میں حاضر ہوئے، طلب حدیث کے سلسلہ میں عراق، حجاز، شام اور مصر کا سفر کیا، اور ان شہروں کے شیوخ سے نیز امام بخاری کے مشائخ اور دوسرے مشائخ سے بھی حدیث کی تعلیم حاصل کی، اور جس زمانے میں امام بخاری آخری مرتبہ نیساپور پہونچے تھے امام مسلم اُن سے ربط پیدا کر کے اُن کے پاس برابر آنے جانے لگے، اور ان سے علمی فوائد حاصل کرنے لگے اور امام بخاری کے علم و فضل سے متاثر ہو کر اُن ہی کے طریقہ پر چلنے لگے اکثر مسائل میں امام بخاری سے مباحثہ بھی کرتے تھے، امام بخاری کے علم سے امام مسلم اتنے متاثر تھے کہ وہ اپنے شیخ محمد بن یحیٰی ذُہلی سے کنارہ کش ہو گئے کیونکہ ایک روز ذُہلی نے اپنی بھری مجلس میں جس وقت امام مسلم بھی وہاں موجود تھے کہا تھا کہ جو شخص امام بخاری کے قول "اللفظ بالقرآن" کا قائل ہو وہ ہماری مجلس سے جدا ہو جائے اسی وقت امام مسلم اس مجلس سے اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے اور جس قدر حدیث کی سماعت ذُہلی سے کی تھی اس کو جمع کر کے ذُہلی کے پاس واپس کر دیا، اور اپنی کتاب صحیح اور دوسری کتابوں میں بھی ذُہلی سے روایت ترک کر دی۔

امام مسلم سے ایک بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے اس جماعت میں امام مسلم کے ہمعصر ائمہ حفاظ حدیث اور ان کے ہمعصر محدثین شریک ہیں جن میں ابو حاتم رازی، موسیٰ بن ہارون، احمد بن سلمہ، اور ترمذی اور دوسرے لوگ داخل ہیں۔

امام مسلم کی امامت، جلالت شان، سُنّت میں حذاقت و مہارت اور علوئے مرتبت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے جس کی سب سے بڑی دلیل صحیح مسلم ہے جس کے حُسنِ ترتیب، بلا کمی و بیشی کے طُرق حدیث میں تلخیص، اسانید میں تحویل سے احتراز، اور اسانید و متن میں رُواۃ کے الفاظ میں اختلاف پر (اگرچہ کم ہی سہی) تنبیہ یہ سب مخصوصیات ہیں جن کی وجہ سے صحیح مسلم بے مثال سمجھی جاتی ہے، بکثرت علمائے حدیث نے امام مسلم کی تعریف و ستائش کی ہے۔

احمد بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوزرعہ اور ابو حاتم سے صحیح کے علم میں مسلم بن الحجاج کو اپنے عہد کے مشائخ پر

ترجیح دیتے ہوئے سنا ہے۔

اسحاق بن منصور نے مسلم بن الحجاج سے کہا جب تک آپ کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے زندہ رکھے ہم خیر سے محروم نہ ہوں گے۔

امام مسلم نے علم حدیث میں متعدد کتابیں لکھی ہیں جن میں اُن کی صحیح ، اسماء الرجال میں مُسند کبیر اور ابواب پر کتاب جامع کبیر ہے ان کے علاوہ کتاب العلل، کتاب اوہام المحدثین، کتاب التمیز، کتاب من لیس لہ الا راوٍ واحد، کتاب طبقات التابعین اور کتاب المخضرمین وغیرہ کتابیں ہیں امام مسلم کی وفات ۲۶۱ھ ہجری میں بعمر ۵۵ سال بمقام نیسابور واقع ہوئی (۱)

۱۳۔ امام نسائی

(۲۱۵ – ۳۰۳)

ابو عبدالرحمن کنیت، احمد نام ہے، سلسلہ نسب کے چند نام یہ ہیں :-

ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار، ملک خراسان میں نسا ایک مشہور شہر کا نام ہے وہاں کے رہنے والے تھے، شہری نسبت سے نسائی اور نسوی کہے جاتے ہیں۔

۲۱۵ھ ہجری میں امام نسائی پیدا ہوئے۔ وہ حافظ حدیث، دین کے رہنما، اپنے اہل عصر کے امام اور ائمہ حدیث میں ان کا شمار تھا، جرح و تعدیل کے علم میں اصحاب حدیث کے رکن رکین تھے۔

ابو عبداللہ حاکم نیساپوری کا بیان ہے کہ میں نے دار قطنی سے متعدد بار یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ ابو عبدالرحمن نسائی رُواۃ کے جرح و تعدیل کے علم میں اپنے زمانے کے اصحاب حدیث پر فوقیت رکھتے تھے، وہ بہت زیادہ محتاط اور متقی واقع ہوئے تھے، اسی احتیاط کا اثر تھا کہ وہ سُنن میں حارث بن مسکین سے روایت کرتے وقت یہ کہتے ہیں حارث بن مسکین کے سامنے حدیث کی قراءت ہوئی اور میں سُنتا تھا اور یہ نہیں کہا کہ حدثنا یا اخبرنا حارث بن مسکین جیسا کہ نسائی دوسری روایتوں میں اپنے مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں۔

نسائی نے جن شیوخ سے حدیث کی سماعت کی ہے اُن کے نام یہ ہیں :

اسحٰق بن راہویہ، ابو داود سجستانی، محمود بن غیلان، قتیبۃ بن سعید، علی بن خشرم، ان کے علاوہ خراسان

(۱) الحدیث والمحدثون

حجاز، جزیرۃ، مصر، شام اور دوسرے شہروں کے شیوخ سے بھی سماعت کی۔

جن محدثین نے نسائی سے حدیث کی سماعت کی ان کے نام یہ ہیں:۔

دولابی، ابو القاسم طبرانی، ابو جعفر طحاوی، محمد بن ہارون بن شعیب ان کے علاوہ ایک بڑی جماعت نے نسائی سے حدیث حاصل کی ہے۔

نسائی نے ۱۵ سال کی عمر میں اپنے علمی سفر کا آغاز کیا، اور قتیبۃ بن سعید بلخی کے پاس پہونچے اور ان کے پاس ایک سال دو ماہ قیام کر کے حدیث کی تعلیم حاصل کی، پھر وہ مصر آئے اور عرصہ دراز تک یہاں رہے، یہاں اُن کی تصانیف خوب پھیلیں اور یہاں کے لوگوں نے امام نسائی سے حدیث حاصل کی، پھر ۳۰۲ھ میں مصر سے روانہ ہو کر دمشق پہونچے۔ یہاں حضرت معاویہ کے فضائل کے متعلق اُن سے اُن کا عقیدہ دریافت کیا گیا، امام نسائی نے حضرت علی کو حضرت معاویہ پر فضیلت دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ان کی مخالفت میں ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں اتنا مارا کہ وہ نیم جان ہوگئے، دار قطنی کا بیان ہے کہ امام نسائی جب دمشق میں مبتلائے مصیبت ہوئے تو اُنہوں نے کہا کہ مجھے مکہ پہونچا دو وہ مکہ لائے گئے اور یہاں اُن کی وفات ہوئی اور صفا اور مروہ کے درمیان مدفون ہوئے لیکن امام ذہبی کا بیان ہے کہ امام نسائی کی وفات فلسطین کے علاقہ رملۃ میں ہوئی ہے۔

تاج سُبکی اپنے شیخ حافظ ذہبی اور اپنے والد تقی سُبکی سے ناقل ہیں کہ نسائی امام مسلم صاحب صحیح سے زیادہ حافظ تھے، اور نسائی کی سُنن صحیحین کے بعد درجہ رکھتی ہے اور اس میں حدیث ضعیف بہت کم ہے، اور بعض شیوخ کا یہ بھی بیان ہے کہ نسائی کی تصنیفات سب کی سب اشرف ہیں اور اسلام میں ان کی مانند کوئی تصنیف نہیں ہے۔

ابن مندۃ، ابن سکن، ابو علی نیسا پوری، ابو احمد بن عدی، خطیب اور دار قطنی ان سب کا بیان ہے کہ نسائی کی سُنن میں جو کچھ ہے وہ سب صحیح ہے۔ لیکن ان علماء کے اس بیان میں صریح تساہل ہے۔ اور بعض مغاربۃ اس حد تک آگے گئے ہیں کہ اُنہوں نے سُنن نسائی کو کتاب بخاری پر فضیلت دیدی ہے، لیکن یہ شاذ افراد ہیں، ابو علی نیسا پوری کا بیان ہے کہ رجال کے بارے میں نسائی کی جو شرط ہے وہ امام مسلم کی شرط سے سخت ہے مگر یہ قول قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ بقاعی نے الفیۃ کی شرح میں ابن کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ سُنن نسائی میں مجہول رجال بھی ہیں، خواہ وہ شخصی طور پر مجہول ہیں اور یا ان کے حالات مجہول ہیں اور ان رجال میں مجروح بھی ہیں،

نیز نسائی کی سُنن میں ضعیف، معلّل اور منکر احادیث بھی ہیں۔

بہرحال حدیث اور علل میں نسائی کی تصنیفات بکثرت ہیں، نسائی کی وفات ۳۰۳ھ ہجری میں بعمر ۸۸ سال واقع ہوئی (۱)

۱۴۔ ابو داؤد

ابو داؤد کُنیت، سلیمان نام ہے، والد کا نام اشعث بن اسحاق ہے اسدی اور سجستانی نسبت ہے، ابو داؤد اپنی اسی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، ۲۰۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے، طلب علم کے لئے سفر کیا، اور عراق، شام، مصر اور خراسان کے مشائخ سے حدیثیں لکھیں، نیز امام بخاری و امام مسلم کے مشائخ سے جن میں احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبۃ، قتیبۃ بن سعید داخل ہیں اور دوسرے ائمہ حدیث سے بھی حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

جن محدثین نے امام ابو داؤد سے حدیث حاصل کی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، امام ابو داؤد کے فرزند عبداللہ ابو عبدالرحمٰن نسائی، اور ابو علی لولوی ہیں ان کے علاوہ بہت سے افراد ہیں، علماء نے حدیث اور دوسرے علم میں ابو داؤد کے قوی حافظہ، وسعتِ علم، روشن فہم، دینداری اور تقویٰ کی تعریف کی ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث، سنن اور غزوات کے علم کے بارے میں ابو داؤد حُفّاظِ حدیث کے زمرے میں بلند رُتبہ رکھتے تھے۔

امام ابو عبداللہ حاکم کا بیان ہے کہ ابو داؤد بلاشبہ اپنے عہد کے اصحابِ حدیث کے امام تھے، ان سے مصر، حجاز، شام دونوں عراق اور خُراسان کے لوگوں نے حدیث کی سماعت کی ہے۔

ابو داؤد سے پہلے علمائے حدیث کے اہل قلم محدثین کا دستور تھا کہ وہ جامع مُسند اور اسی قسم کی تصنیفات لکھتے تھے جن میں سُنن، احکام، اخبار، فتاویٰ، قصص، آداب اور مواعظ سب ہی امور ملے جُلے لکھے جاتے تھے لیکن صرف سُنن مخصوص طور پر لکھنے کا کسی نے التزام نہیں کیا تھا، ابو داؤد پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنی تصنیف میں صرف احکام کی احادیث کو جمع کیا۔ اور اس کتاب کو لکھنے کے بعد امام احمد بن حنبل کے سامنے پیش کیا، امام احمد نے ابو داؤد کی کتابِ سُنن کو بنظرِ استحسان دیکھا اور بہتر قرار دیا۔

ابراہیم حربی کا قول ہے کہ جب ابو داؤد نے اپنی کتاب سُنن تصنیف کی تو اُن کے لئے حدیث اسی طرح سے نرم اور آسان کر دی گئی تھی جس طرح سے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم کر دیا گیا تھا، امام ابو داؤد

---

(۱) الحدیث والمحدثون۔

نے بکثرت کتابیں لکھی ہیں، ابو داؤد کی وفات بصرہ میں ۲۷۵ھ ہجری کا میں واقع ہوئی (۱)

۱۵- ترمذی

ابو عیسیٰ کنیت، محمد نام ہے، سلسلۂ نسب کے چند نام یہ ہیں۔

ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی، ترمذی، ابو عیسیٰ ترمذی حدیث کے حافظ امام ثقہ اور حجت تھے۔ ۲۰۹ھ ہجری کا میں شہر ترمذ میں پیدا ہوئے، امام ترمذی نے ایک بڑی جماعت سے حدیث حاصل کی جس میں قتیبۃ بن سعید، اسحاق بن موسیٰ، محمود بن غیلان، سعید بن عبدالرحمٰن، محمد بن بشار، علی بن حجر، احمد بن منیع محمد بن المثنیٰ، سفیان بن وکیع، اور محمد بن اسماعیل بخاری تھے۔ اور جن محدثین نے ترمذی سے حدیث حاصل کی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، محمد بن احمد بن محبوب المحبوبی، یہ جامع ترمذی کے راوی ہیں، ابو حامد احمد بن عبداللہ مروزی، ہیثم بن کلیب شاشی، محمد بن منذر شکر۔

ابو عیسیٰ ترمذی نے طلب علم کے لئے اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ اور خراسان، عراق اور حجاز کے علماء کی ایک بڑی جماعت سے حدیث کی سماعت کی اور حدیثیں لکھیں پھر نہایت اچھی کتابیں تصنیف کیں، ان تصانیف میں بعض کتابوں کے نام یہ ہیں جامع ترمذی، کتاب الاسماء، الکنیٰ، شمائل ترمذی، تواریخ، کتاب العلل، کتاب الزہد، ترمذی کی امامت اور جلیل القدر ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔

ابن حبان نے ترمذی کو ثقہ قرار دیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ترمذی نے حدیثیں جمع کی ہیں حافظ حدیث اور کتابوں کے مصنف ہیں اور حدیثوں کا مذاکرہ کیا ہے۔

ابو یعلیٰ خلیلی کا بیان ہے کہ ترمذی کے ثقہ ہونے میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔

ترمذی کے ثقہ ہونے کی توثیق کے لئے یہ بات کافی ہے کہ امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری امام ترمذی پر اعتماد کرتے تھے اور ان سے بھی حدیث حاصل کرتے تھے۔

حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے کہ ترمذی سے علماء نے اور محمد بن اسماعیل بخاری نے بھی اپنی صحیح میں ترمذی سے روایت کی ہے۔

امام ترمذی کی ان خصوصیات کی بنا پر ابن حزم کا یہ قول کہ ترمذی مجہول شخص ہیں التفات کے قابل نہیں ہے

---

(۱) الحدیث والمحدثون

نیز حافظ ابن کثیر کا قول ہے کہ ابن حزم کے نزدیک ابوعیسیٰ ترمذی کا مجہول ہونا ترمذی کو ضرر نہیں پہونچا سکتا ہے کیونکہ خود ابن حزم نے اپنی کتاب مُحلّی میں لکھا ہے "ومن محمد بن عیسیٰ بن سورۃ" ترمذی کا نام لکھنے پر بھی ابن حزم کے نزدیک ان کا مجہول ہونا ترمذی کی قدر و منزلت کو کم نہیں کرتا ہے۔

حافظ ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابوعیسیٰ ترمذی جامع کے مصنف حافظ حدیث اور ثقہ تھے، علماء کا اس پر اتفاق ہے، ابو محمد بن حزم نے کتاب الاتصال کے فرائض کے بیان میں ترمذی کو مجہول لکھ دیا ہے، ابن حزم کو شاید ترمذی کی جامع اور کتاب العلل کی اطلاع نہ ہوگی۔

ترمذی آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، مصوف کی وفات ۲۷۹ھ ہجری میں بمقام ترمذ بعمر ستر سال واقع ہوئی[1]

۱۶۔ ابن ماجہ

ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ قزوینی، ماجہ ابوعبداللہ محمد کے والد یزید بن عبداللہ کا نام تھا اس لئے وہ ابن ماجہ کے نام سے مشہور ہو گئے، وہ سنن، تفسیر اور تاریخ کے مصنف ہیں ۲۰۹ھ ہجری میں پیدا ہوئے احادیث کی تحصیل اور کتابت کے لئے رے، بصرہ، کوفہ، بغداد، شام، مصر، اور حجاز کا سفر کیا اور ان شہروں کے بکثرت شیوخ سے حدیث حاصل کی، ان شیوخ میں ابوبکر بن ابی شیبۃ، امام مالک اور لیث کے شاگرد بھی داخل ہیں ابن ماجہ سے جن محدثین نے حدیث حاصل کی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں ابن سیبویہ، محمد بن عیسیٰ صفار، اسحاق بن محمد، علی بن ابراہیم بن سلمۃ قطان، حافظ ابن کثیر کے جد (دادا) احمد بن ابراہیم، اور سلیمان بن یزید۔

ابویعلیٰ خلیلی قزوینی کا بیان ہے کہ ابن ماجہ حدیث کے عالم اور صاحب تصانیف تھے، ان کی تصانیف میں سنن اور تاریخ ہے طلب حدیث کے لئے عراق، عرب و عراق عجم، مصر اور شام کا سفر کیا۔

ابن کثیر کا بیان ہے کہ محمد بن یزید ابن ماجہ مشہور کتاب سنن کے مصنف ہیں، یہ کتاب ان کے علم و عمل اور تبحر کی دلیل ہے وہ اصول اور فروع میں سنت کی اتباع کرتے تھے۔ ان کی سنن ۳۲ کتاب، ایک ہزار پانچ سو ابواب اور چار ہزار احادیث پر مشتمل ہے، ان کی حدیثیں جید یعنی اچھی ہیں سوائے چند حدیثوں کے ۲۷۳ھ میں ابن ماجہ کی وفات ہوئی[2]

۱۷۔ دارمی

ابومحمد کنیت، عبداللہ نام ہے، نسبی سلسلہ کے چند نام یہ ہیں، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام

---

(۱) الحدیث والمحدثون (۲) الحدیث والمحدثون

ابن عبد الصمد ابو محمد عبد اللہ تمیمی، دارمی اور سمرقندی تین نسبتوں سے مشہور تھے، ۱۸۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے، اسی سال مشہور محدث ابن المبارک کی وفات ہوئی تھی، دارمی نے طلب علم کے لئے حرمین شریفین، خراسان، شام، عراق اور مصر کا سفر کیا اور یہاں کے اکابر محدثین سے حدیث حاصل کی، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے دارمی سے حدیث کی روایت کی ہے، نسائی نے بھی خارج از سُنن دارمی سے روایت کی ہے۔

خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ دارمی حافظ حدیث، طلب علم کے سیاح اور ثقہ تھے، زہد و تقویٰ، دیانت امانت میں مشہور تھے، ایک دفعہ وہ سمرقند میں قاضی بنائے گئے، ایک مقدمہ کے فیصلہ کے بعد منصب قضا سے استعفا دیدیا، نہایت عاقل، حلیم، عابد اور زاہد تھے۔ دارمی نے مُسند، تفسیر اور کتاب الجامع تصنیف کی ہے۔ ابو حاتم، امام احمد بن حنبل، رجاء بن مرجیٰ یہ سب کے سب دارمی کی تعریف میں رطب اللسان تھے، ابو حاتم کا بیان ہے کہ دارمی اپنے زمانہ کے امام تھے، دارمی کی وفات ۲۵۵ھ ہجری میں بروز ترویہ واقع ہوئی (تذکرۃ الحفاظ)

۱۸۔ امام ابن قُتیبۃ دینوری

ابو محمد کنیت، عبد اللہ نام ہے، والد کا نام مسلم بن قُتیبۃ ہے، دینوری اور مروزی اُن کی نسبت ہے ابن قُتیبۃ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، عربی لُغت میں مہارت کی وجہ سے وہ لُغوی بھی کہے جاتے ہیں، ان کی کتاب المعارف اور ادب الکاتب بہت مشہور کتابیں ہیں، وہ فاضل اور ثقہ تھے، بغداد میں سکونت اختیار کی تھی اور یہاں اسحاق بن راہویہ، ابو اسحاق ابراہیم زیادی (زیادی کی نسبت اُن کے جد زیاد بن ابیہ کی طرف ہے) ابو حاتم سجستانی، اور انہیں محدثین کے طبقہ کے اصحاب حدیث سے تعلیم حاصل کرکے حدیث کی روایت کی، ابن قُتیبۃ سے ان کے فرزند ابو جعفر احمد فقیہ نے حدیث کی روایت کی ہے، ابو جعفر فقیہ مصر کے منصب قضا پر فائز کئے گئے تھے، جس وقت وہ ۳۲۱ھ ہجری میں مصر وارد ہوئے تھے۔ ان کے متعلق مشہور ہے کہ اُنہوں نے اپنے والد ابن قُتیبۃ دینوری کی تمام تصانیف کی روایت کی ہے۔ ابن قُتیبۃ سے ابن دستوریۃ فارسی نے بھی روایت کی ہے۔ ابن قُتیبۃ کی تمام تصانیف بیحد مفید ہیں، دو کتابوں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، ان کی دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں: غریب القرآن، غریب الحدیث، عیون الاخبار، مشکل القرآن، مشکل الحدیث، طبقات الشعراء، الاشربۃ، اصلاح الغلط، کتاب التفقیۃ، کتاب الخیل، کتاب اعراب القرآن، کتاب الانواء، کتاب المسائل والجوابات، المیسر والقداح، ان کتابوں کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں، ابن قُتیبۃ اپنی تمام کتابیں بغداد میں اپنی وفات کے قریب زمانہ تک پڑھاتے رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ابن قُتیبۃ کے والد مروزی تھے، مگر خود ابن قُتیبۃ

کی پیدائش بغداد یا کوفہ میں ہوئی تھی، وہ قاضی کی حیثیت سے مدت تک دینور میں مقیم رہے تھے اس لئے وہ دینوری مشہور ہو گئے تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنی کتاب "تفسیر سورۂ اخلاص" میں یہ لکھنے کے بعد کہ آیات متشابہ کی صحیح تاویل راسخین علم جانتے ہیں۔ یہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ قول اکثر اہلِ سنت کا لکھا ہے جن میں ابن قتیبہ، ابو سلیمان دمشقی اور دوسرے لوگ ہیں اور ابن قتیبہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی مذہبی نسبت احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کی طرف کی جاتی تھی، وہ مذاہب سنت کے مشہور حامیوں میں سے تھے اور اس بارے میں ابن قتیبہ کی متعدد تصنیفات ہیں، چنانچہ کتاب التحدیث کے مصنف نے ابن قتیبہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ سر بلند ائمہ اور علماء میں ایک تھے، وہ نہایت اچھے مصنف اور صاحبِ قلم تھے، ان کی تصانیف کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے، وہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق ابن راہویہ کے مذہب کی طرف میلان رکھتے تھے، اور ابراہیم حربی اور محمد بن نصر مروزی کے معاصر تھے اہلِ مغرب انہیں عظمت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اور ان کا مقولہ ہے کہ جس گھر میں ابن قتیبہ کی کوئی کتاب نہ ہو وہ خیر سے خالی ہے۔"

میں (ابن تیمیہ) کہتا ہوں کہ ابن قتیبہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اہلِ سنت کے لئے ویسے ہی حامی تھے جیسے معتزلہ فرقہ کے لئے جاحظ تھا اور ابن قتیبہ اہلِ سنت کے لئے ویسے ہی بلند پایہ خطیب تھے جیسا معتزلہ کا اعلیٰ تر خطیب جاحظ تھا" یہاں تک شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کلام ہے۔

حافظ ذہبی نے اپنی کتاب میزان میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ ابو محمد صاحب تصانیف اور راست گو تھے روایت کم کرتے تھے، اسحاق بن راہویہ اور ایک جماعت سے حدیث کی روایت کی ہے۔

خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ ابن قتیبہ ثقہ، دیندار اور صاحبِ فضل تھے۔

ابن قتیبہ کی وفات بماہ رجب ۲۷۶ھ ہجری میں واقع ہوئی (۱)

امام ابن قتیبہ کی منجملہ تصانیف میں کتاب "تاویل مختلف الحدیث" نہایت اہم کتاب ہے، اس کتاب میں موصوف نے سنت اور اہلِ سنت پر مخالفین کے جس قدر اعتراضات اور شکوک تھے، اور احادیث میں جس قدر بتائے گئے تھے اور مشکل حدیثوں کو پیش کیا گیا تھا اور جس قدر ان کے طعنے تھے ان سب کو نقل کر کے فرداً فرداً ہر اعتراض اور طعنہ کا

(۱) الحدیث المحدثون

ثانی اور مسکت جواب دیا ہے اور احادیث کے تناقض اور اشکال کو دور کر دیا ہے، یہ کتاب اہل علم کے مطالعہ کے لئے نہایت ضروری ہے کیونکہ اسی کتاب سے مخالفین سنت خصوصاً مستشرقین معتزلہ اور اہل اہواء کے سابقہ اعتراضوں کو ابن قتیبہ کی اسی کتاب سے نقل کر کے دوبارہ اہل اسلام کے سامنے پیش کرتے اور دھوکہ دیتے رہتے ہیں۔

تیسری صدی ہجری کے چند مشہور ائمہ حدیث کا تذکرہ اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں کیا گیا ہے، ان کے علاوہ اس صدی میں اتنے محدثین پیدا ہوئے جن کا شمار کرنا مشکل ہے، اسلامی ممالک کے ہر بڑے شہر میں بیک وقت کافی تعداد میں محدثین پیدا ہوئے جو مذاکرہ کر کے احادیث کو اسی طرح حفظ رکھتے تھے جس طرح حفاظ قرآن تلاوت کر کے قرآن کو اپنے سینوں میں یاد رکھتے ہیں، ان محدثین کی شبانہ روز کی محنت اور جانفشانی سے پورے ممالک اسلامیہ میں حدیث کی کافی اشاعت ہوتی رہی، حدیث حاصل کرنے والے طلبہ کا ہجوم محدثین کی درسگاہوں میں یا ان کے گھروں میں رہتا تھا، خوشنویس کاتبوں کی تعداد بھی ہر بڑے شہر میں بکثرت ہوگئی تھی جو مشہور محدثین کی تصانیف کی کتابت کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے، اور ان کی لکھی ہوئی کتابیں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتی تھیں اور معقول معاوضہ دے کر طالبان علم حاصل کرتے تھے، بعض محدث کا اپنا خاص کاتب ہوتا تھا جو وراق کہا جاتا تھا، وہ وراق اپنے خاص محدث کی تصانیف لکھنے میں مشغول رہتا تھا، حدیث کے مختلف شعبوں میں مختلف عنوان اور موضوع کے تحت اس صدی کی اس قدر کتابیں لکھی گئی ہیں جن کا شمار ناممکن ہے تیسری صدی میں باوجودیکہ حدیث کی تدوین تقریباً مکمل ہوگئی تھی اور کتابی صورت میں ہر جگہ حدیث کی کتابیں ملتی تھیں پھر بھی اسناد اور متن کے ساتھ زبانی روایت کا سلسلہ بھی قائم تھا، اس تیسری صدی کے محدثین کی خدمات مزید اس خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں کہ اس صدی کے چھ اکابر محدثین کی تالیفات میں سے چھ کتابیں جو صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں منتخب کر کے حدیث کی تعلیم کے لئے عالم اسلام کے تمام دینی درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں داخل کی گئیں اور گیارہ صدی سے اب تک نصاب میں داخل ہیں اور کوئی دینی طالب علم حقیقی معنے میں عالم کی سند کا مستحق نہیں سمجھا جاتا ہے جب تک صحاح ستہ کی تعلیم سے فارغ نہ ہو جائے۔

اس صدی میں محدثین نے حدیث کی کتابیں صحیح، سنن، مصنف اور مسند کے نام سے جس قدر لکھی ہیں ان کی ایک فہرست یہاں فضیلۃ الاستاذ محمد عبدالعزیز خولی مدرس شریعت اسلامیہ مدرسہ قضاء شرعی مصر کی کتاب مفتاح السنۃ سے جس کا دوسرا نام تاریخ فنون الحدیث ہے، نقل کی جاتی ہے، اس فہرست میں محدث اور

اُن کی کتاب حدیث کا نام اور مصنف کا سنہ وفات درج ہے صحت کے اعتبار سے کتابوں کے نام نمبروار لکھے گئے ہیں۔

کُتب السُّنّۃ فی القرن الثالث

تیسری صدی کی سُنّت (حدیث) کی کتابیں

(۱) صحیح بخاری (۲۵۱) (۲) صحیح مسلم (۲۶۱) (۳) سنن ابی داود (۲۷۵) (۴) سنن نسائی (۳۰۳) (۵) جامع ترمذی (۲۷۹) (۶) سنن ابن ماجہ (۲۷۳) (۷) مسند امام احمد بن حنبل (۲۴۱) (۸) المنتقی فی الاحکام ابن جارود (۳۰۷) (۹) مصنف ابن ابی شیبۃ (۲۳۵) (۱۰) کتاب محمد بن نصر المروزی (۲۹۴) (۱۱) مصنف سعید بن منصور (۲۲۷) (۱۲) کتاب تہذیب الآثار محمد بن جریر طبری کی (۳۱۰) (۱۳) مسند کبیر بقی بن مخلد قرطبی کی (۲۷۶) مصنف نے اس کتاب کو صحابہ کے اسماء پر ترتیب دیا ہے اس میں تیرہ سو سے زیادہ صحابیوں سے روایت ہے اور ہر صحابی کی حدیث کو فقہ کے ابواب پر مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب بہت اچھی ہے اس کے مؤلف ثقہ اور صاحب ضبط و اتقان ہیں (۱۴) مُسند عبید اللہ ابن موسیٰ (۲۱۳) (۱۵) مُسند اسحاق بن راہویہ (۲۳۷) (۱۶) مسند عبد بن حمید (۲۴۹) (۱۷) مُسند دارمی (۲۵۵) (۱۸) مسند ابی یعلی موصلی (۳۰۷) (۱۹) مسند ابن ابی اسامۃ الحارث ابن محمد التیمی (۲۸۲) (۲۰) مسند ابن ابی عاصم احمد بن عمرو الشیبانی (۲۷۰) اس مسند میں پچاس ہزار حدیثیں ہیں (۲۱) مسند ابن ابی عمر و محمد بن یحییٰ العدنی (۲۴۳) (۲۲) مسند ابی ہریرۃ ابراہیم بن العسکری کی (۲۸۲) (۲۳) مسند امام علی بن احمد بن شعیب نسائی (۳۰۳) (۲۴) مسند العنبری ابراہیم بن اسماعیل الطوسی (۲۸۰) (۲۵) مسند کبیر بخاری (۲۶) مسند مسدد بن مسرہد (۲۲۸) (۲۷) مسند محمد بن جہدی (۲۷۲) (۲۸) مسند الحمیدی (۲۱۹) (۲۹) مسند ابراہیم بن معقل نسفی (۲۹۵) (۳۰) مسند ابراہیم بن یوسف الہنجانی (۳۰۱) (۳۱) مسند مالک احمد بن شعیب نسائی کی (۳۰۳) (۳۲) مسند کبیر حسن بن سفیان (۳۰۳) (۳۳) مسند المعلل ابی بکر البزار (۲۹۲) (۳۴) مسند ابن سنجر (۲۵۸) (۳۵) مسند کبیر یعقوب بن شیبۃ (۲۶۲) اس سے بہتر کوئی مسند نہیں ہے مگر ناتمام ہے (۳۶) مسند علی بن المدینی (۲۳۴) (۳۷) مسند ابن ابی عزرۃ احمد بن حازم (۲۷۶) (۳۸) مسند عثمان بن ابی شیبۃ (۲۳۹)

مسانید کا درجہ سنن کی کتابوں سے کم ہے، کیونکہ مسانید کے مصنفین عادۃً ہر صحابی کی حدیث کو صحیح یا سقیم اپنی مسندوں میں جمع کر دیتے تھے اس لئے مسانید سے مطلقاً استدلال کرنا قابل غور و تامل ہوتا ہے، بعض محدثین نے اس قاعدہ سے امام احمد بن حنبل کی مسند کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

چوتھی صدی اور اس کے بعد کی سیاسی حالت

اور سُنت پر اس کا اثر

۱۳۲ھ میں حکومت بنو اُمیہ کے خاتمہ کے بعد جس کا دارالخلافہ دمشق میں تھا بنو عباس نے حکومت پر قبضہ کرتے ہی پایۂ تخت کو دمشق سے بغداد میں منتقل کر دیا، اور بجز اندلس (اسپین) کے جہاں بنو امیہ کی حکومت پہلے سے قائم تھی تمام اسلامی ممالک پر بنو عباس کا اقتدار قائم ہو گیا اور دارالسلام بغداد کی مرکزی حیثیت ہر جگہ تسلیم کر لی گئی، اور عباسی خلفاء یکے بعد دیگرے امیر المومنین کے لقب سے یاد کئے جانے لگے اور مامون عباسی کے عہد میں محدثین کے خلاف حکومت کی طرف سے جو سخت فتنہ برپا کیا گیا تھا وہ چند برس کے بعد خلیفہ واثق عباسی کے عہد میں ختم ہو گیا، اور سُنت کے فروغ میں جو تھوڑی سی رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی وہ دور ہو گئی جس کے بعد ارباب حکومت نے بھی علماء اور اصحاب حدیث کا ساتھ دیا، جس کی وجہ سے سنت کی اشاعت تیزی سے ہوتی رہی۔ لیکن چوتھی صدی کے آغاز کے ساتھ بغداد کی مرکزی حکومت میں ضعف اور اختلال کے آثار شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ اس کے ٹکڑے ہونے لگے، جب اندلس کی اموی حکومت کے حکمران عبدالرحمٰن ناصر نے بغداد کی مرکزی حکومت میں ضعف کے آثار پیدا ہوتے ہوئے دیکھے تو اس نے اندلس میں ۳۲۵ہجری میں اپنے لئے امیر المومنین کے لقب کا اعلان کر دیا، دوسری طرف فاطمیوں نے شمالی افریقہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی، تیسری طرف دولت اخشیدیہ نے مصر میں اپنے استقلال اور خود مختاری کے لئے کوششیں شروع کر دیں، اگرچہ ظاہر میں دولت اخشیدیہ عباسی حکومت کے اقتدار کا دم بھرتی رہی، بنو حمدان کی حکومت نے بھی موصل اور حلب شام پر اپنی حکومت کا جھنڈا بلند کر دیا اور یہ حکومت بھی ظاہری طور پر عباسی حکومت کی سیادت کا اقرار کرتی رہی، یمن میں زیدی شیعہ نے بھی اپنی علیحدہ حکومت قائم کر لی، سامانی سلطنت کا اقتدار مشرق اور ماوراء النہر کے شہروں پر قائم ہو گیا اور بنو بویہ نے بغداد کو اپنی گرفت میں لے لیا، اور برائے نام بنو عباس کا اثر بغداد میں رہ گیا، ان انقلابات کے ساتھ ساتھ سیاسی حالت ایک حال پر قائم نہ تھی، اضطرابی کیفیت ہر جگہ نظر آتی تھی اور ہر جگہ سیاسی انقلابات کے کوہ آتش فشاں پھٹ رہے تھے، فاطمین جو شمالی افریقہ پر قابض ہو چکے تھے وہ مسلسل مصر پر دباؤ ڈالتے اور حملہ کرتے رہتے تھے، آخر کار ۳۵۸ہجری میں وہ مصر پر قابض ہو گئے۔ دوسری طرف آل سلجوق کا امنڈتا ہوا سیلاب اکثر اسلامی ممالک پر محیط ہو گیا، اور بنو بویہ کے مقبوضات پر قبضہ کر کے الجزیرہ اور وسطی ایشیا پر بھی آل سلجوق چھا گئے، اور فاطمیوں سے بھی شام کا ملک چھین

لیا اور سوائے مصر اور بلادِ مغرب کے پورے اسلامی ممالک پر اُن کا تسلط قائم ہو گیا۔

پھر جب آلِ سلجوق کی ہوا اکھڑی اور اُن میں اختلافات پیدا ہو گئے تو پانچویں صدی میں عیسائی حکومتوں کی متحدہ طاقت نے صلیب کے نام پر اسلامی حکومت کے خلاف بڑی جنگ چھیڑ دی جو تاریخ میں صلیبی جنگ یا حروبِ صلیبیہ کے نام سے مشہور ہے، اس صلیبی جنگ کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا جس کے نتیجے میں اہلِ صلیب ۴۹۲ھ ہجری میں بیت المقدس پر قابض ہو گئے، دولتِ سلجوق کی تباہی کے بعد اس کے کھنڈر پر تاتاری سلطنت قائم ہو گئی اور شرق سے مغرب تک اسی کا سکہ چلنے لگا اور اسی کا جھنڈا لہرانے لگا، یہاں تک کہ محمود نور الدین کی تلوار نے مصر میں فاطمی حکومت کو ختم کر دیا اور مصر عباسی حکومت کے دائرہ میں دوبارہ آ گیا اور صلاح الدین ایوبی نے جو محمود نور الدین کا سپہ سالار تھا مصر میں شاندار حکومت قائم کی۔

مشرقی ممالک، خراسان اور اس کے آس پاس کے شہروں پر خوارزم شاہ محمد بن تکش نے ایک طاقتور حکومت قائم کر لی اور تمام چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں کو ختم کر کے اپنے حدودِ ممالک میں شامل کر لیا چھٹی صدی کے اواخر میں خوارزم شاہ کا ارادہ تھا کہ آگے بڑھ کر عباسی خلیفہ کا قصہ بھی ختم کر دے کہ دفعتًا تاتاریوں کا سیلاب بڑے زوروں سے اُٹھا اور چنگیز خاں تاتاری اپنی سرکردگی میں بے پناہ اور بے نیام فوج گراں لے کر اسلامی سلطنت پر چڑھ دوڑا اور یلغار کرتا ہوا تمام اسلامی شہروں کو لوٹتا اور تباہ کرتا ہوا بغداد پہونچ گیا اور خلیفہ کو قتل کر کے عباسی خلافت کا تختہ اُلٹ دیا اور لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کیا، یہ ۶۵۶ھ ہجری کا واقعہ ہے (۱)

ان دردناک اور ہولناک تاریخی و سیاسی واقعات کے رونما ہوتے ہوئے اس کا لازمی اثر یہ ہو سکتا تھا کہ سنت کی تحریک جو تمام اسلامی ممالک میں زوروں پر جاری تھی رُک جاتی اور علم حدیث کی تعلیم و تعلم سے لوگ کنارہ کش ہو جاتے، لیکن اس کے برعکس علماء اور اہلِ علم کا شعور اور احساسات اور تیز سے تیز تر ہو گئے اور ناساز گار حالات کا مقابلہ نہایت حکمت اور دانشمندی سے کیا، اور اپنی تعلیمی کوششوں اور علمی سرگرمیوں میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا، خدا کی رحمت اُن کے سروں پر سایہ فگن ہو گئی، اور وہ علم حدیث کی تعلیم کے ہر منزل میں آگے بڑھتے رہے۔ اُنہیں تعلیم دینے کے لئے نہ بڑی عمارت کی ضرورت تھی اور نہ بڑی بڑی تنخواہوں کی دھن، جو بیٹھ کر سہری کرکے مسجدوں میں یا درسگاہوں میں اپنے حلقۂ درس کے طلبہ کو علم کے سرچشمے سے سیراب کرتے رہے اعلیٰ صفر ابد

(۱) الحدیث والمحدثون

جاری رہا، تالیف وتصنیف میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا، نقدِ رجال، احادیث کی پہچان بین علل حدیث تاریخ رُواۃ اور تمام علومِ حدیث پر بہتر سے بہتر کتابیں تصنیف ہوتی رہیں، متقدمین کی کتابیں جو عالم اسلامی کے اکناف واطراف میں بکھری ہوئی تھیں اکٹھی کی گئیں، اسانید کے بارے میں گفتگو کرتے تو متقدمین علماء ہی کے زبان اور اسلوب میں کرتے، اور اگر پچھلے علماء کی کتابوں کو مختصر کرتے تو ازسرنو اُن کو ترتیب وتہذیب سے آراستہ کرتے، اور اسانید کو حذف کر دیتے، تاہم علمائے سابقین کی روش ہی پر اپنی کوششوں کو برقرار رکھتے، اور احادیث کی روایت اور اسانید کی تلاش وتفحص میں ملکہ اور اعلیٰ مہارت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، لیکن اتنا ضرور ہوا کہ چوتھی صدی ہجری سے زبانی روایت جسے عربی میں شفاہی روایت کہتے ہیں اس کا طریقہ رفتہ رفتہ متروک ہونے لگا، کیونکہ قوتِ حافظہ جو اسلاف میں تھی وہ بعد کے لوگوں میں کمزور ہوگئی تھی اس لئے طلبہ لکھی ہوئی احادیث کی کتابوں کو سامنے رکھ کے اپنے اپنے شیوخ سے پڑھنے لگے اور شیوخ بھی کتابوں ہی کی مدد سے پڑھانے لگے اور پھر یہ سلسلہ مستقل طور سے قائم ہوگیا جو اب تک قائم ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں بھی اسلامی ممالک کے مختلف حصوں میں اکابر محدثین پیدا ہوئے جن کی علمی خدمات کے ذکر سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں، ان چوتھی صدی ہجری کے بعض مشہور محدثین میں سے چند مشہور محدثین کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

چوتھی صدی کے بعض مشہور محدثین

۱۔ حاکم نیساپوری

(۳۲۱ — ۴۰۵ھ)

ابوعبداللہ کنیت، محمد نام ہے، سلسلۂ نسب کے چند نام یہ ہیں:۔
ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم ضبّی طہانی نیساپوری، حاکم ابن البیّع کے نام سے مشہور ہوگئے تھے۔
۲ ربیع الاول ۳۲۱ھ ہجری کی صبح کو نیساپور میں پیدا ہوئے، اپنے والد اور ماموں کی خاص توجہ سے طلبِ علم میں مشغول ہوئے، نو سال کی عمر سے حدیث کی سماعت شروع کی، ابوحاتم بن حبان سے حدیث کا املا کیا، حاکم کے شیوخ کی تعداد تقریباً دو ہزار ہے جن میں ایک ہزار صرف نیساپور کے شیوخ تھے امام دارقطنی بھی حاکم کے شیخ تھے اور دارقطنی نے بھی حاکم سے روایت کی ہے، طلبِ علم کے لئے دو بار عراق اور حجاز کا سفر کیا، مختلف شیوخ سے مذاکرہ اور حُفّاظِ حدیث سے مناظرہ کیا، حاکم کی جملہ کتابیں پندرہ سو جزو پر مشتمل ہیں، چند کتابوں کے نام یہ ہیں:۔
مُستدرک، تاریخ نیساپور، فضائل شافعی، فوائد الشیوخ، امالی العشیات، تراجم الشیوخ، معرفۃ علوم الحدیث،

کتاب العلل، کتاب الامالی، المدخل الی علم الصحیح وغیرہ ذلک۔

"ابو بکر خطیب کا بیان ہے کہ ابو عبداللہ بن البیع حاکم ثقہ تھے مگر تشیع کی طرف مائل تھے" اگرچہ حاکم کے سلسلہ روالۃ تاویل کر کے اس کی تردید کی ہے، حاکم نے مستدرک کی احادیث کو شیخین کی شرائط پر تخریج کیا ہے، لیکن بہت سی حدیثیں صحت کی شرط پر نہیں ہیں بلکہ اس میں ضعیف اور موضوع احادیث بھی ہیں حافظ ابن حجر نے حاکم کے تساہل کی یہ توجیہہ کی ہے کہ حاکم نے کتاب کا مسودہ تیار کر کے رکھا ہوگا کہ اس کی تنقیح کریں گے لیکن اس کام کے انجام دینے سے پہلے ان کی وفات ہوگئی اور تنقیح نہ ہوسکی جس کی وجہ سے ضعیف اور موضوع احادیث بھی کتاب میں رہ گئیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حاکم کے ہمعصر چار حفاظ حدیث تھے، دارقطنی بغداد میں، عبدالغنی مصر میں، ابو عبداللہ بن مندہ اصفہان میں اور ابو عبداللہ حاکم نیساپور میں ان سب کی خصوصیت یہ تھی کہ دارقطنی علل میں، عبدالغنی انساب میں زیادہ علم رکھتے تھے، ابن مندہ کثرت حدیث کے جاننے میں مشہور تھے اور حاکم تصنیف میں بہت پیچھے شمار کئے جاتے تھے۔

امام سہل صعلوکی، امام ابن فورک اور تمام ائمہ عصر حاکم کو اپنے اوپر فوقیت دیتے اور حفظ میں اُن کی انفرادیت کو تسلیم کرتے تھے، ۳۵۹ھ ہجری میں حاکم نیساپور کے قاضی بنائے گئے، جس کی وجہ سے عوام انہیں حاکم کہنے لگے، پھر وہ اسی نام سے علمی حلقہ میں بھی مشہور ہوگئے۔

حاکم کی وفات ۳ صفر بروز چہارشنبہ ۴۰۵ھ ہجری میں واقع ہوئی، وہ غسل کے لئے حمام میں داخل ہوئے، غسل کر کے حمام سے باہر آئے اور ابھی قمیص بھی نہ پہن سکے تھے کہ ایک آہ کی اور روح پرواز کر گئی۔ بعد عصر تدفین عمل میں آئی۔ قاضی ابوبکر حیری نے اُن کے جنازے کی نماز پڑھائی (۱)

(مستدرک حاکم کی چاروں جلدیں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی ہیں اس کی چوتھی جلد ۱۹۲۴ء میں زیر طبع تھی کہ یہ خاکسار اسی محکمہ میں مخطوطات کے مقابلہ اور تصحیح کی خدمت کے لئے مامور کیا گیا اس طرح خاکسار کو مستدرک جلد چہارم میں دیگر رفقاء کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ مؤلف)

(حاکم کی معرفۃ علوم الحدیث کو ڈاکٹر معظم حسین سابق صدر شعبہ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی نے یورپ کے مختلف کتب خانوں کے نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کر کے اپنے ایک مقدمہ کے ساتھ مصر میں طبع کرایا اور طباعت کے تمام اخراجات دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کی طرف سے ادا کئے گئے۔ مؤلف)

---

(۱) الحدیث والمحدثون

۲۔ دار قطنی

علی نام ہے ۔ دار قطنی کے نام سے مشہور تھے ۔ ان کے نسب کے سلسلے کے چند نام یہ ہیں :۔

علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن دینار بن عبداللہ ، دار قطنی حافظ الحدیث اور حدیث کے امیر المومنین کہے جاتے تھے ، انہوں نے شیوخ کی بڑی تعداد سے حدیث کی سماعت کی ، اور حدیث میں ان کی تالیفات و تصنیفات بہت اچھی اور مفید سمجھی جاتی ہیں ، فناعت جرح و تعدیل میں اپنے عہد کے امام تھے ، ان کی روایت بہت وسیع تھی ، ان کی ایک کتاب کا نام الالزامات ہے ، جو صحیحین پر مستدرک ہے ، دوسری مشہور کتاب سنن ہے ان کے علاوہ کتاب الافراد اور کتاب العلل ہے ۔ دار قطنی بچپن ہی سے حفظ و فہم میں مشہور تھے ۔

ابن جوزی کا بیان ہے کہ دار قطنی میں بہت خوبیاں جمع ہوگئی تھیں ، وہ حدیث ، قرارات ، نحو ، فقہ اور شعر میں وافر علم رکھتے تھے ، عدالت اور صحت عقیدہ کے اوصاف سے متصف تھے ۔ علماء نے دار قطنی کی بے حد تعریفیں کی ہیں ۳۸۵ھ ہجری میں امام دار قطنی کی وفات ہوئی (۱)

(خاکسار کہتا ہے کہ دار قطنی پر مولانا شمس الحق ابو الطیب کا عربی میں حاشیہ ہے ، اور ہندوستان میں یہ کتاب چھپی ہے ، مولانا شمس الحق موضع ڈیانواں متصل بستی گرائے پر سرائے ضلع عظیم آباد پٹنہ ہندوستان کے رہنے والے تھے ۔ مؤلف)

۳۔ ابن حبان

ابو حاتم ابن حبان محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد البستی التمیمی ۔

ابن حبان نے اکثر اسلامی شہروں کے شیوخ کی بڑی تعداد سے حدیث کی سماعت کی ، اپنے زمانے کے رحالۃ و بہت علمی سفر کرنے والے تھے ۔

ابن سمعانی کا بیان ہے کہ ابن حبان اپنے عہد کے امام تھے ، شاش اور اسکندریہ کے درمیان کے تمام شہروں کی علمی سیاحت کی ہے ۔

حاکم ابو عبداللہ نیساپوری کا بیان ہے کہ ابن حبان ، فقہ ، حدیث ، لغت اور وعظ کے علمی خزانہ تھے ، اور

---

(۱) الحدیث والمحدثون

عقلمند لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

خطیب بغداد کا بیان ہے کہ ابن حبان بڑے ثقہ اور بکثرت تصانیف کے مصنف تھے، ان تصانیف میں ان کی مسند صحیح ہے جس کا نام "الانواع والتقاسیم" ہے، جس کے متعلق خود ابن حبان کا بیان ہے کہ میں نے اس کتاب کو شاش اور اسکندریہ کے تقریباً ایک ہزار شیوخ سے لکھا ہے۔

ابن حبان کی اس کتاب کی ترتیب بالکل نئی ہے، نہ وہ ابواب پر لکھی گئی ہے اور نہ مسانید پر بلکہ اسے ابن حبان نے پانچ قسموں پر تقسیم کر دیا ہے وہ پانچ قسمیں یہ ہیں: اوامر، نواہی، اخبار، اباحات اور افعال نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان میں سے ہر ایک کی بھی کئی قسمیں کر دی ہیں جس کی وجہ سے مسائل کے معلوم کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔

علاء الدین علی بن بلبان فارسی (۷۳۹ھ) نے ابن حبان کی اس کتاب کو ابواب پر مرتب کر دیا ہے اور اس کا نام "الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان" رکھا ہے۔

محدثین کا خیال ہے کہ شیخین (امام بخاری و امام مسلم) کے بعد مجرد صحیح حدیث کی جس نے تصنیف کی ہے اس میں صحیح تر ابن خزیمہ کی تصنیف ہے، پھر ابن حبان کی۔ ساتھ ہی ابن حبان کی طرف تساہل کی نسبت بھی کی ہے۔ لیکن ابن حبان کا تساہل ابو عبداللہ حاکم کے تساہل سے کم ہے۔ چنانچہ حازمی کا قول ہے کہ ابن حبان حدیث میں حاکم سے زیادہ امکن (قوی تر) ہیں۔

حافظ ابن حجر نے ابن حبان کے تساہل کے سلسلہ میں اپنی کتاب لسان المیزان کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

وهذا الذی ذهب الیه ابن حبان من ان الرجل اذا انتفت جهالة عینه کان علی العدالة حتی یتبین جرحه، مذهب عجیب والجمهور علی خلافه	ابن حبان کا یہ مسلک کہ جب کسی شخص سے جہالت عین (یعنی جہالت ذات) کی نفی ہو جائے تو اس پر عدالت کا حکم لگا کر اسے عدل قرار دیا جائے گا تاوقتیکہ اس پر جرح نہ ثابت ہو جائے وہ عدل ہی رہے گا۔ یہ حبان کا عجیب مسلک ہے جو جمہور کے خلاف ہے۔

اسی لئے ابن حبان کی کتاب ثقات میں کافی تعداد میں مجہول راوی ہیں اور ان کو ابن حبان نے ثقہ اس لئے قرار دیا ہے کہ کسی نے ان پر جرح نہیں کی ہے۔

جمہور کے نزدیک کسی راوی کی جہالت عین (یعنی شخصی و ذاتی جہالت) اس وقت تک دور نہیں ہو سکتی

ہے جب تک اس سے کم از کم دو عدل (معتبر) راوی کی روایت ثابت نہ ہو، دو عدل راوی کی روایت سے اس کی جہالت عین تو دور ہو جائے گی لیکن اس سے اس کی عدالت (معتبر ہونا) ثابت نہ ہو گی، تا وقتیکہ عدل کی شرائط پوری نہ ہوں۔

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا کہ ابن حبان کی وفات بماہ شوال ۳۵۴ھ ہجری میں ہوئی اس وقت ان کی عمر ستر اور اسی سال کے درمیان تھی۔

۴۔ الطبرانی

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی (۲۶۰۔ ۳۶۰ھ) نے تین معجم تالیف کی ہے معجم کبیر معجم اوسط اور معجم صغیر۔ معجم کبیر میں صحابہ کے مسانید کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے، سوائے مسند ابوہریرۃ کے جسے علیحدہ ایک مصنف میں رکھا ہے۔ طبرانی ۲۶۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۶۰ھ ہجری میں وفات پائی ایک سو دس ماہ کی عمر پائی (تذکرۃ الحفاظ) بیان کیا جاتا ہے کہ طبرانی کی معجم کبیر میں تقریباً پانچ لاکھ بیس ہزار حدیثیں ہیں۔ جب علماء کے کلام میں طبرانی کی معجم کا مطلقاً ذکر ہوتا ہے تو اس سے مراد معجم کبیر ہوتی ہے۔ معجم اوسط کو طبرانی نے اپنے شیوخ کے ناموں پر تالیف کیا ہے جو دو ہزار شیوخ پر مشتمل ہے، طبرانی نے اپنے اس شیخ سے بھی روایت کی ہے جو طبرانی کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے تھے، کیونکہ طبرانی کے شیوخ بکثرت تھے اور روایت بھی کثرت سے کی تھی ان شیوخ کی حدیث زیادہ تر غریب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ معجم اوسط میں تیس ہزار حدیثیں ہیں، معجم اوسط چھ بڑی جلدوں پر حاوی ہے، اس معجم کے متعلق طبرانی کہتے تھے کہ یہ کتاب میری روح ہے، کیونکہ اس کی تالیف میں انہوں نے سخت تعب و تکلیف اٹھائی تھی۔

معجم اوسط کے متعلق حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ اس میں ہر نفیس حدیث یا عزیز ہے اور یا منکر ہے۔ تیسری معجم صغیر ایک جلد میں ہے، اس کی تخریج ایک ہزار شیوخ سے کی ہے اس معجم میں اپنے ہر ایک شیخ سے تقریباً ایک ایک حدیث روایت کی ہے، اس میں پندرہ سو حدیثیں اسناد کے ساتھ درج ہیں (۱)

۵۔ قاسم بن اصبغ

ابو محمد قاسم بن اصبغ بن محمد بن یوسف البیانی، قاسم کی نسبت بیانہ بروزن جبانہ کی طرف ہے یہ ملک اندلس کا ایک شہر ہے جو قرطبہ سے تیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

---

(۱) الحدیث والمحدثون۔

جلد ثانی

قاسم بن اصبغ مالکی تھے ۳۴۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان کی کتاب کا نام "الصحیح المنتقیٰ" ہے (۱)

حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ قاسم بن اصبغ کی وفات قرطبہ میں ماہ جمادی الاولیٰ ۳۴۰ھ ہجری میں ہوئی کبرسنی میں جب نسیان غالب آگیا تو روایت ترک کردی تھی تاکہ حدیث کی صیانت اور احترام باقی رہے۔

۶- ابن السکن

(۲۹۴-۳۵۳ھ)

حافظ حدیث ابو علی سعید بن عثمان بن سعید بن السکن بغدادی نزیل مصر، محرم ۳۵۳ھ ہجری میں مصر میں وفات پائی، ابن السکن نے ایک کتاب "الصحیح المنتقیٰ" تالیف کی اس کا دوسرا نام السنن الصحاح المأثورۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس کتاب میں تمام ضروری احکام ابواب پر ترتیب دیئے گئے ہیں، ساتھ ہی ضمن میں اُن احادیث کو بھی رکھا ہے جو ابن السکن کے نزدیک سُنن ماثورہ تھیں، اور اسانید کو ان احادیث سے حذف کر دیا ہے (۲)

۷- الطحاوی

ابو جعفر کنیت، احمد بن محمد نام، اور الطحاوی نسبت ہے، ۳۲۱ھ ہجری میں وفات پائی، ان کی کتاب کا نام "معانی الآثار" ہے، جسے ابواب پر تالیف کیا ہے۔ اس میں ناسخ و منسوخ حدیثوں کو، متناقض حدیثوں میں علماء کی تاویلوں کو اور احادیث کی صحت کی دلیلوں کو بیان کیا ہے تاکہ اہل الحاد اور اہل زندقہ متناقض اور ناسخ و منسوخ اور مشکل آثار کی بحث چھیڑ کے اور طرح طرح کے شکوک پیدا کر کے جو اعتراضات کرتے رہتے تھے اُن کی اچھی طرح سے تردید ہو سکے اور اہل فہم کی تشفی ہو جائے۔

علامہ عینی متوفی ۸۵۵ھ ہجری نے معانی الآثار کی ایک شرح لکھی ہے، اور ابن قطلوبغا متوفی ۸۷۹ھ ہجری نے معانی الآثار کے رجال پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "کتاب الایثار برجال معانی الآثار" ہے (۳)

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ طحاوی کی ولادت ۲۳۷ھ ہجری میں اور وفات ۳۲۱ھ ہجری میں ہوئی۔

۸- ابو عوانہ

ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن یزید اسفرائینی، اصل ان کی نیساپوری ہے، حافظ حدیث اور بڑے ثقہ تھے۔ ان کی تالیف کا نام "الصحیح المسند" ہے۔ جسے صحیح مسلم پر تخریج کی ہے، اور اس میں مزید اضافہ بھی کیا ہے

(۱-۲-۳) الحدیث والمحدثون

ابوعوانہ نے طلبِ علم کے لئے اسلامی دنیا کا سفر کیا تھا حاکم نیساپوری کا بیان ہے کہ ابوعوانہ علمائے حدیث اور اثبات میں سے تھے ، ۳۱۶ھ ہجری میں وفات پائی ، ان کی قبر اندرون شہر اسفرائن میں ہے جس پر مشہد کی طرح عمارت بنائی گئی ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے ، ابوعوانہ پہلے شخص ہیں جو امام شافعی کے مذہب اور کتابوں کو اسفرائن لائے تھے (تذکرۃ الحفاظ)

۹- ابن مندۃ

ابوعبداللہ کنیت ، محمد نام ہے ، والد کا نام ابویعقوب اسحاق ہے ، ابوعبداللہ کے اجداد میں ابن مندۃ ایک ممتاز شخص تھے جن کی نسبت سے ابوعبداللہ ابن مندۃ مشہور ہوگئے ۔ حافظ ذہبی نے ابن مندۃ کو امام ، حافظ جوّال (زیادہ سیاحت کنندہ) اور محدث العصر کے القاب سے یاد کیا ہے ، ابن مندہ ۳۱۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ذوالقعدہ ۳۹۵ھ ہجری میں وفات پائی ۔ طلبِ علم میں شاش سے اسکندریہ تک سفر کیا سوائے چند شہروں کے جن میں بصرہ ، ہرات ، سجستان اور آذربیجان داخل ہیں ان کے سوا کوئی ایسا اسلامی شہر نہ تھا جہاں ابن مندۃ تحصیلِ علم کے لئے نہ گئے ہوں اسی لئے وہ ختّام الرّحالین کہے جاتے ہیں ۔ یعنی سفرات پر ختم ہوگیا ہے ۔ اور مکثرین میں ہیں یعنی حدیث کی سب سے زیادہ روایت کرنے والوں میں بھی فرد تھے ۔ ابن مندۃ نے جس قدر حدیث کی سماعت کی اور جس قدر حدیث لکھ کے جمع کیا اس امت میں کسی نے اتنی حدیث کی نہ سماعت کی ہے اور نہ حدیثیں جمع کی ہیں ۔

جعفر المستغفری کہتے ہیں میں نے ابوعبداللہ ابن مندۃ سے زیادہ حدیث کا حافظ کسی کو نہیں دیکھا ہے ، ایک روز میں نے ابن مندۃ سے پوچھا کہ شیخ سے آپ کی سماعات کس قدر ہیں انہوں نے جواب میں کہا پانچ ہزار من لکھے ہوئے اجزا ہیں ، حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ایک من میں دس بڑے جزو سما سکتے ہیں ۔

جب ابن مندۃ خراسان سے واپس آرہے تھے تو ان کے پاس کتابوں کا جو ذخیرہ تھا وہ چالیس بوجھ کے برابر تھا ابن مندۃ کی صحت اتنی اچھی تھی کہ خود ابن مندۃ کا بیان ہے کہ میں نے عمر بھر نہ کبھی دوا پی اور نہ فصد کھلوائی اور نہ کسی سے کچھ عطیہ قبول کیا ۔

ابن مندۃ کے فرزند عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ ان کے والد ابن مندۃ نے چار شیوخ سے چار ہزار جزو حدیثیں لکھی ہیں وہ چار شیوخ یہ ہیں ، ابن الاعرابی ، اصم خیثمۃ ، اور الہیثم بن کلیب ، نیز ابن مندۃ کے فرزند اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار سات شیوخ سے حدیث کی کتابت کی ہے ۔

ابو اسحاق بن حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ بن مندۃ کے جیسا شخص کسی کو نہیں دیکھا ہے۔

حافظ حدیث جعفر بن احمد کا بیان ہے کہ میں نے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ سے حدیث لکھی ہے لیکن ان میں کوئی بھی ابن مندۃ سے زیادہ حفظ والا نہیں تھا۔

شہر ہرات کے شیخ ابو اسماعیل القاری کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ ابن مندۃ اپنے زمانے کے سند ہیں۔ امام دہر ابو احمد غسال نے ابن مندۃ کو جب کہ یہ نیشاپور میں تھے ایک حدیث کے اتصال کے متعلق خط لکھا اور اس کا جواب دریافت کیا، ابن مندۃ نے نہایت وضاحت سے اس کا جواب دیا اور اس حدیث کی علت کو بیان کیا ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری ابن مندۃ کے تلامذہ میں سے ہیں۔

حافظ ابو نعیم اور حافظ ابن مندۃ میں باہم عقائد کے بارے میں سخت اختلافات تھے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو سخت الفاظ سے یاد کرتے تھے، تاہم جب ابو نعیم کے سامنے ابن مندۃ کا ذکر ہوتا تو وہ کہتے کہ وہ جبال میں سے ایک جبل ہیں یعنی علم کے ایک کوہ اور پہاڑ ہیں۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ حافظ ابو نعیم اور حافظ ابن مندۃ میں عقائد کے بارے میں باہم سخت اختلافات تھے۔ لیکن بحمداللہ حدیث کے سلسلہ میں دونوں صدوق اور غیر متہم تھے۔

ابن مندۃ کا گھرانہ علمی گھرانہ تھا، ان کی تالیف کا نام معرفۃ الصحابۃ ہے، اس کتاب کے متعلق ابن عساکر کا بیان ہے کہ اس میں اوہام بہت ہیں (تذکرۃ الحفاظ للذہبی)

۱۰۔ ابن السنی

ابوبکر کنیت، احمد نام ہے، نسبی سلسلہ کے چند نام یہ ہیں:۔ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط دینوری ابوبکر احمد ابن السنی کے نام سے مشہور تھے، حافظ حدیث، امام اور ثقہ تھے، ان کے جد اعلیٰ اسباط حضرت جعفر بن ابی طالب ہاشمی کے مولیٰ تھے، ابن السنی کی تالیف کا نام کتاب عمل الیوم واللیلۃ ہے: یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں طبع ہوگئی ہے، اس کتاب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شب و روز کے اعمال کا تذکرہ ہے ابن السنی سنن نسائی کے راوی ہیں، سنن کو مختصر کرکے اس کا نام المجتبیٰ رکھا ہے۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ابن السنی دیندار نیک خو اور راست باز تھے، اسی برس سے زیادہ عمر پائی تھی۔

ابن السنی کے فرزند علی بن احمد کا بیان ہے کہ میرے والد نے حدیث لکھتے لکھتے قلم کو دوات پر رکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے اسی حالت میں ان کی روح پرواز کرگئی، یہ واقعہ ۳۶۴ھ ہجری کے آخری سال کا ہے (تذکرۃ الحفاظ)

۱۱۔ رامہرمزی

ابو محمد کنیت، حسن نام ہے، والد کا نام عبدالرحمن بن خلاد فارسی ہے، شہر رامہرمز کے رہنے والے تھے اس لئے وہ رامہرمزی مشہور ہوگئے، حافظ حدیث، اپنے وقت کے امام اور قاضی تھے، علوم حدیث میں ان کی تصنیف کا نام "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" ہے، اور دوسری تصنیف کا نام کتاب الامثال ہے۔

ابوالقاسم ابن مندۃ نے اپنی کتاب الوفیات میں بیان کیا ہے کہ رامہرمزی شہر رامہرمز میں تقریباً ۳۶۰ھ تک بقید حیات تھے۔

رامہرمزی کے تذکرہ میں کتاب تذکرۃ الحفاظ للذہبی کے حاشیہ میں ہے کہ کتاب کشف الظنون میں مرقوم ہے کہ رامہرمزی کی وفات ۳۶۰ھ ہجری میں واقع ہوئی ہے، نیز اسی حاشیہ میں ہے کہ ابن حجر کا بیان ہے کہ علوم حدیث میں رامہرمزی کی کتاب "المحدث الفاصل بین الراوی والواعی" غالباً پہلی کتاب ہے (تذکرۃ الحفاظ)

۱۲۔ ابن عدی

(۲۷۷ - ۳۶۵ھ)

ابو احمد کنیت، عبداللہ نام ہے، نسبی سلسلہ کے چند نام یہ ہیں: ابو احمد عبداللہ بن عدی بن عبداللہ بن محمد بن مبارک جرجانی ابن عدی کے نام سے مشہور تھے، اور ابن القطان بھی انہیں لوگ کہتے تھے۔

۲۷۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے، اور جمادی الآخرہ ۳۶۵ھ ہجری میں وفات پائی، ان کے جنازے کی نماز امام ابوبکر اسماعیلی نے پڑھائی۔ ابن عدی اپنے زمانے کے امام، حافظ حدیث اور اعلام میں سے تھے، قوت حافظہ میں ضرب المثل تھے، اکابر محدثین سے جن میں ابو عبدالرحمن نسائی بھی ہیں حدیث کی سماعت کی، فن جرح و تعدیل میں ابن عدی کی تصنیف الکامل مشہور کتاب ہے، نیز ابواب مختصر المزنی پر ایک کتاب لکھی جس کا نام الانتصار ہے۔

حمزۃ السہمی کا بیان ہے کہ میں نے دارقطنی سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ضعفاء پر ایک کتاب لکھیں، اس کے جواب میں دارقطنی نے کہا کیا آپ کے پاس ابن عدی کی کتاب نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں ہے۔ دارقطنی نے کہا بس وہ کافی ہے اس پر اضافہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

خلیلی کا بیان ہے کہ ابن عدی حفظ اور جلالت شان میں بے نظیر تھے۔

حافظ احمد بن ابی مسلم کا بیان ہے کہ میں نے ابو احمد بن عدی کے جیسا شخص کسی کو نہیں دیکھا۔ ابن عدی کا حافظہ فوقیت رکھتا تھا۔ احمد بن ابی مسلم کی ملاقات طبرانی اور ابو احمد حاکم سے ہوچکی تھی ان دونوں کے حافظہ اور

ابن عدی کے حافظہ کا مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان دونوں (طبرانی اور ابواحمد حاکم) کا حافظہ بہ تکلف اور ابن عدی کا حافظہ طبع زاد تھا۔ ابن عدی کی معجم ایک ہزار سے زیادہ شیوخ پر مشتمل ہے (تذکرۃ الحفاظ)

۱۳۔ المحاملی قاضی

ابو عبداللہ کنیت، الحسین نام ہے، والد کا نام اسماعیل بن محمد ہے، ضبّی اور بغدادی نسبت ہے المحاملی نام سے مشہور تھے ۲۳۵ھ ہجری کے اوائل میں پیدا ہوئے، نو برس کی عمر سے حدیث کی سماعت شروع کی، ان کے شیوخ کی تعداد بہت ہے جن میں ابو حذافہ احمد بن اسماعیل السہمی صاحب مالک بھی ہیں۔ اور تلامذہ میں امام دارقطنی بھی ہیں۔ المحاملی نے حدیث کی بکثرت سماعت کی، حدیثیں جمع کیں اور کتابیں لکھیں۔

خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ المحاملی فاضل، دیندار اور صادق القول تھے، بیس سال کی عمر میں قاضی بنائے گئے اور ساٹھ سال تک کوفہ میں منصب قضا پر مامور رہے۔

ابن جمیع الغسانی کا بیان ہے کہ المحاملی کے پاس سفیان بن عیینہ تک کے ستر تلامذہ کا مجمع بھی رہتا تھا۔ ابو بکر داؤدی کا بیان ہے کہ المحاملی کی مجلسوں میں دس ہزار اشخاص شریک ہوتے تھے۔

۳۲۰ھ ہجری سے پہلے المحاملی منصب قضا سے مستعفی ہو گئے تھے، اپنی ولایت میں وہ بہت نیک نام رہے ۳۷۰ھ ہجری میں المحاملی نے اپنے گھر میں فقہ کی مجلس کا افتتاح کیا تھا، جس میں اہل علم اور اہل نظر برابر شریک ہوتے رہے۔ ۱۲ ربیع الآخر ۳۳۰ھ ہجری کو حسب دستور المحاملی نے مجلس منعقد کی جس کے بعد وہ بیمار ہو گئے اور گیارہ روز کے بعد وفات پائی۔ سب سے آخر میں المحاملی سے ابو القاسم سبط السلفی نے حدیث عالی روایت کی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

پانچویں صدی ہجری کے بعض مشہور محدثین

۱۔ امام بیہقی

ابوبکر کنیت، احمد نام ہے، والد کا نام حسین بن علی بن موسیٰ ہے، قریہ بیہق علاقہ خسروجرد ملک خراسان کے رہنے والے تھے اس لئے وہ بیہقی اور خسروجردی مشہور رہے، حافظ حدیث اپنے زمانے کے امام اور شیخ خراسان تھے۔ ماہ شعبان ۳۸۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے، قوت حفظ اور فہم میں بے نظیر تھے، ان کے شیوخ کی تعداد بہت تھی، ان شیوخ میں سب سے زیادہ ابو عبداللہ حاکم نیساپوری سے استفادہ حاصل کیا، امام بیہقی کے پاس صحاح ستہ میں سے

سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور ترمذی یہ تین کتابیں نہیں تھیں، نیک نیتی اور حسن مقصد کی وجہ سے ان کے عمل میں برکت ہوئی، امام بیہقی کی تصنیفات بکثرت ہیں، چند کے نام یہ ہیں۔

اسماء و صفات دو جلد، سنن کبریٰ دس جلد، سنن و آثار چار جلد، شعب الایمان دو جلد، دلائل النبوت تین جلد، سنن صغیر دو جلد، الزہد ایک جلد، البعث ایک جلد، الآداب ایک جلد، نصوص الشافعی تین جلد، المدخل ایک جلد، الدعوات ایک جلد، الترغیب والترہیب ایک جلد، مناقب الشافعی ایک جلد، مناقب احمد ایک جلد کتاب الاسریٰ وغیر ذالک۔

عبد الغافر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے، کہ امام بیہقی علماء کی سیرت پر واقع ہوئے تھے، نہایت قانع، زاہد اور متقی تھے۔ امام الحرمین ابو المعالی کا بیان ہے کہ ہر شافعی شخص پر امام شافعی کا احسان ہے سوائے بیہقی کے کہ بیہقی کا احسان امام شافعی پر ہے کیونکہ بیہقی نے امام شافعی کے مذہب کی نصرت اور حمایت میں بہت کتابیں لکھی ہیں۔ امام بیہقی اپنی عمر کے آخری زمانے میں اپنے وطن بیہق سے نیشاپور گئے یہاں انہوں نے اپنی کتابوں کی حدیثیں بیان کیں اور اسی شہر میں ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ ہجری میں وفات پائی، ان کی میت تابوت میں رکھ کر بیہق پہونچائی گئی، اور اسی قریہ میں دفن کی گئی، یہ قریہ نیشاپور کے علاقہ میں ہے اور نیشاپور سے دو یوم کے فاصلہ پر ہے، اور شہر خسروجرد قریہ بیہق کا صدر مقام ہے (تذکرۃ الحفاظ)

(یہ بندہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ امام بیہقی کی سنن کبریٰ کی دس جلدیں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی ہیں سنن کبریٰ کے متعدد قلمی نسخے مختلف مقامات سے حاصل کئے گئے تھے، اس کی ایک قلمی جلد یہ بندہ فراغت حج کے بعد جدہ سے حاصل کر کے اپنے ساتھ لایا تھا، اور مصری حکومت نے سرکاری کتب خانہ خدیویہ سے سنن کبریٰ کی پوری دس جلدوں کی عکسی تصویر دائرۃ المعارف کی درخواست پر بھجوائی تھی، سنن کبریٰ کی تصحیح اور نسخوں کے مقابلہ میں یہ بندہ بھی برابر شریک رہا تھا۔ مؤلف)

امام بیہقی کو امام شافعی کے مذہب کی نصرت و حمایت میں اس قدر غلو تھا کہ امام بیہقی نے سنن بیہقی میں امام ابو حنیفہ کے مسلک کی تضعیف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر بہت سے اعتراضات کر دیئے ہیں کیونکہ امام ابو حنیفہ کی حدیثوں کا ماخذ زیادہ تر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات ہیں، یہ بات ایک محدث کی شان کے خلاف ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں کوئی امام جو ان کے بعد کا ہے ان کے رتبے کو نہیں پہونچ سکتا ہے۔ (مؤلف)

۲۔ خطیب بغدادی

(۳۹۱ - ۴۶۳ھ)

خطیب کی کتاب الکفایہ کے آخر میں اُن کے حالات مختلف کتابوں سے اخذ کر کے لکھے گئے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ابو بکر کنیت، احمد نام ہے، نسبی سلسلہ کے چند نام یہ ہیں:۔ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی ابو بکر احمد خطیب بغدادی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، ان کے والد ابو الحسن علی بھی خطیب تھے، خطیب بغدادی عربی النسل ہیں، ان کا خاندان فرات کے نواح میں حصاصہ یا حصاصہ کے مقام میں سکونت پذیر تھا اور گھوڑوں کی سواری میں مشہور تھا۔

خطیب بغدادی بروز پنجشنبہ ۲۴ جمادی الآخرۃ ۳۹۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے، ان کے والد ابو الحسن علی علم دوست شخص اور عراق کے ایک قریہ درزیجان یا درانجان میں خطیب تھے، اپنے فرزند ابو بکر احمد کو گیارہ سال کی عمر میں حدیث کی سماعت کے لئے مشغول کیا، پھر طلب حدیث کے لئے خطیب بغدادی نے کوفہ، بصرہ، شام، دمشق، نیسا پور، اصبہان، رے، ہمدان، حجاز، قدس، صور اور دوسرے شہروں کا علمی سفر کیا جو اس زمانے کا دستور تھا، تحصیل علم کا شوق اس قدر غالب تھا کہ صحیح بخاری پانچ دنوں میں کریمہ بنت احمد مروزیہ سے پڑھی، راستہ چلتے چلتے بھی ہاتھ میں کتاب لئے پڑھتے جاتے تھے، ان کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے بعض کے نام یہ ہیں:۔ البرقانی، ابو نعیم اصبہانی، ابو سعد مالینی، قاضی ابو الطیب طبری، ابو الحسن بن المحاملی وغیرہم اور خطیب کے تلامذہ میں بعض کے نام یہ ہیں۔ فقیہ نصر مقدسی، ابو عبداللہ حمیدی، ابو نصر بن ماکولا۔ عبدالعزیز کتانی ان کے علاوہ تلامذہ کی تعداد بکثرت تھی۔

ابن سمعانی کا بیان ہے کہ خطیب بلاشبہ اپنے عہد کے امام اور حافظ حدیث تھے۔ ان کی تصنیفات کی تعداد تقریباً سو تھی۔ جو اصحاب حدیث کے لئے نہایت عمدہ ہیں۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ خطیب نے طلب علم کے لئے اقلیموں کا سفر کیا، علم میں مہارت حاصل کی، کتابیں تصنیف کیں اور جمع بھی کیں، مسافرین ان کی تصانیف کو اپنے ساتھ لئے چلتے تھے، عام فنون حدیث میں انہیں فوقیت حاصل تھی۔ ابن ماکولا کا بیان ہے کہ ابوبکر خطیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کی معرفت، حفظ، اتقان اور ضبط میں اُن بڑی شخصیتوں میں آخر شخص تھے جن کو میں نے دیکھا ہے، وہ حدیث کے علل، اسانید، صحیح، غریب، فرد، منکر اور مطروح سے اچھی طرح سے واقف تھے، بغداد میں دارقطنی کے بعد خطیب کی مانند کوئی شخص نہ تھا۔

موتمن ساجی کا بیان ہے کہ بغداد نے دارقطنی کے بعد خطیب کے جیسا شخص نہیں پیدا کیا۔ ابو علی بردانی کا بیان ہے کہ خطیب نے اپنے جیسا شخص کسی کو نہیں دیکھا۔

ابو اسحاق شیرازی کا بیان ہے کہ خطیب حدیث کی معرفت، اور حفظ میں دارقطنی اور اُن کے مماثل لوگوں کے مشابہ تھے۔ ابو سعد سمعانی کا بیان ہے کہ خطیب باوقار، پُر رُعب، ثقہ، فصیح، خوشخط، کثیر الضبط اور علم کے متجسس تھے، حفاظِ حدیث کا اُن پر خاتمہ ہوگیا ہے۔

ابن نجار کا بیان ہے کہ خطیب نے بغداد میں نشو و نما پائی، قرآن کو تمام روایات کے ساتھ پڑھا، اور خلافیات سے بھی آگاہ ہوئے۔

امام ذہبی کا بیان ہے کہ خطیب شافعی مذہب کے اکابرین سے تھے۔

ابن السبکی کا بیان ہے کہ خطیب علم کلام میں ابوالحسن اشعری کے پیرو تھے۔

خطیب کی مشہور اور ضخیم تصانیف میں تاریخ بغداد ہے (جو چودہ جلدوں پر حاوی ہے) اور اہم تصانیف میں الکفایۃ ہے، حافظ ابن حجر خطیب کی کتاب الکفایۃ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اصطلاح حدیث میں سب سے پہلے قاضی ابو محمد رامہرمزی نے کتاب المحدث الفاصل لکھی، لیکن وہ اُسے مکمل نہ کر سکے، پھر حاکم ابو عبداللہ نیساپوری نے کتابیں لکھیں مگر وہ بھی اس فن کو مہذب اور مرتب نہ کر سکے، ان کے بعد ابو نعیم اصبہانی حاکم کے نقش قدم پر چلے اور حاکم کی کتاب سے اپنی کتاب کو مُستخرج کیا لیکن اُنہوں نے بہت سی باتوں کو اپنے بعد کے آنے والوں پر چھوڑ رکھا، ان سب کے بعد ابو بکر خطیب کا زمانہ آیا اور اُنہوں نے روایت کے قوانین میں کتاب الکفایۃ لکھی، اور اس فن کے آداب میں ایک دوسری کتاب لکھی جس کا نام "جامع لآداب الراوی والسامع" ہے اور حدیث کا کوئی ایسا فن نہیں ہے جس میں اُنہوں نے کتاب نہ لکھی ہو، اسی بنا پر حافظ ابو بکر بن نقطہ کا بیان ہے کہ ہر وہ شخص جو انصاف پسند ہے جانتا ہے کہ خطیب کے بعد تمام محدثین خطیب کی کتابوں کے عیال ہیں۔

جن علماء نے خطیب کے حالات لکھے ہیں اُن کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خطیب نہایت دولت مند تھے اور اپنی دولت و ثروت کو اصحابِ حدیث اور طلبہ پر خرچ کرتے تھے۔

ابن السبکی کا بیان ہے کہ خطیب نے اپنی بیماری کے زمانہ میں جس میں اُن کی وفات ہوئی ہے اپنی تمام کتابوں کو وقف کر دیا تھا اور اپنی دولت و ثروت کو اہلِ علم، اصحابِ حدیث پر اور تمام نیک کاموں میں تقسیم کر دیا اور تقسیم سے پہلے امیر المومنین القائم بامر اللہ سے اجازت حاصل کی تھی کیونکہ خطیب کا کوئی وارث نہ تھا اگر وہ امیر المومنین

سے اجازت نہ لیتے تو اُن کا سارا مال بیت المال میں چلا جاتا۔

خطیب بغدادی کی وفات بروز دوشنبہ بوقت صبح ۷ رذی الحجہ ۴۶۳ھ ہجری میں واقع ہوئی اور مشہور صوفی بزرگ بشر بن الحارث الحافی کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔

ابن جوزی نے اپنی کتاب المنتظم میں لکھا ہے کہ خطیب کہا کرتے تھے کہ میں نے آبِ زمزم اس نیت سے پیا ہے کہ میں بغداد جاؤں اور وہاں اپنی کتاب تاریخ بغداد کی روایت کروں، اور مرنے کے بعد بشر الحافی کے پہلو میں دفن کیا جاؤں، اللہ تعالیٰ نے میری دو آرزوؤں کو پورا کر دیا ہے یعنی بغداد میں آنا اور کتاب تاریخ بغداد کی روایت کرنا، تیسری آرزو بھی انشاء اللہ تعالیٰ پوری ہوگی، یعنی بشر الحافی کے پہلو میں دفن کیا جانا۔

خطیب کی وفات اُس حُجرہ میں ہوئی جو مدرسہ نظامیہ کے جوار میں مقام درب السلسلہ میں واقع تھا جہاں وہ سکونت پذیر تھے۔ خطیب کے جنازے کو ابو اسحاق شیرازی نے اٹھایا اور پل پار کرکے کرخ سے ہوتے ہوئے جامع منصور لے گئے، جہاں اُن کے جنازے کی نماز میں بہت بڑی خلقت شریک ہوئی جس میں فقہاء اور اعیان شہر بھی تھے۔

خطیب جس قبر میں مدفون ہوئے اسے احمد بن علی طرثیثی نے کئی سال پہلے سے اپنے لئے کھود رکھی تھی اور اُسے محفوظ رکھا تھا اور اس قبر پر کئی ختم قرآن شریف پڑھا تھا، جب اس قبر میں خطیب کی میت رکھی جانے لگی تو طرثیثی مزاحم ہوئے اور کہا یہ میری قبر ہے میں نے اسے اپنے لئے کھود رکھی ہے میں کسی کو اس میں دفن نہیں ہونے دوں گا، اس وقت ابو سعد صوفی بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے طرثیثی سے کہا اے شیخ! اگر بشر الحافی زندہ ہوتے اور تم اور خطیب دونوں اُن کے پہلو میں بیٹھنا چاہتے تو تم دونوں میں بشر الحافی کے پہلو میں کون بیٹھ سکتا تھا، طرثیثی نے کہا کہ خطیب کو بشر الحافی کے پہلو میں بیٹھنے کا موقع ملتا، ابو سعد صوفی نے کہا تو مناسب ہے کہ مرنے کے بعد بھی خطیب ہی کو اُن کے پہلو میں جگہ ملے۔ یہ سُن کے طرثیثی راضی ہوگئے اور اپنی کھودی ہوئی قبر سے خطیب بغدادی کے حق میں دست بردار ہوگئے رحمہ اللہ تعالیٰ۔

خطیب بغدادی کی کتاب الکفایۃ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں طبع کی گئی ہے اور اس کی تصحیح اور قلمی نسخوں کے مقابلے میں جن مصححین کے نام کتاب کے آخر میں درج ہیں اُن کے زمرے میں اس بندۂ ناچیز کا نام بھی شریک ہے۔ مؤلف)

۲- ابن عبد البر قُرطُبی اندلسی

ابو عمر کنیت، یوسف نام ہے ابن عبد البر کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ نسبی سلسلہ کے چند نام یہ ہیں:

ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم نمری، حافظ المغرب، امام اور شیخ الاسلام کے القاب سے یاد کئے جاتے تھے، قبیلہ نمر بن قاسط سے تعلق رکھنے کی وجہ سے نمری کہے جاتے تھے، اندلس میں بماہ ربیع الآخر ۳۶۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے، طلب العلم کے لئے اندلس سے مصر اور مکہ آئے اور یہاں کے شیوخ سے حدیث حاصل کی، حفظ اور اتقان میں اپنے اہل زمانہ پر فوقیت حاصل کر کے سیادت کا درجہ پایا۔

ابن عبد البر کے شاگرد حمیدی کا بیان ہے کہ ابن عبد البر فقیہ، قراءآت قرآن، علوم حدیث اور رجال کے عالم اور فقہ میں امام شافعی کے اقوال کی طرف مائل تھے۔

ابو الولید باجی کا بیان ہے کہ حدیث میں ابو عمر ابن عبد البر کی مانند اندلس میں کوئی شخص نہیں تھا، وہ اہل مغرب میں سب سے زیادہ حفظ کے مالک تھے۔

ابن حزم کا بیان ہے کہ ابو عمر ابن عبد البر کی کتاب "التمہید" فقہ حدیث میں اتنی اچھی ہے کہ اس کی مانند کسی کتاب کا علم مجھے نہیں ہے اس سے بہتر کوئی کتاب کیا ہوگی۔

ابو عمر ابن عبد البر کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں: (۱) کتاب الاستذکار اس میں کتاب التمہید کو مختصر کیا گیا ہے (۲) الکافی، امام مالک کے مذہب کے بارے میں ہے پندرہ جلدوں پر حاوی ہے (۳) الاستیعاب، صحابہ کرام کے حالات میں نہایت مفصل کتاب ہے اور بے مثال ہے (دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں طبع کی گئی ہے۔ صحابہ کے حالات میں ابن اثیر کی اسد الغابۃ اور حافظ ابن حجر کی الاصابہ بعد کو لکھی گئی ہیں۔ مؤلف) (۴) جامع بیان العلم وفضلہ (۵) کتاب الاکتفاء نافع اور ابو عمر کی قراءات کے بیان میں ہے (۶) کتاب بہجۃ المجالس نوادر اور شعر میں ہے (۷) کتاب التقصی، مؤطا کی حدیث سے متعلق ہے (۸) کتاب الانباہ، قبائل رواۃ کے بارے میں ہے (۹) کتاب الانتقاء، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مذاہب سے متعلق ہے (۱۰) البیان تلاوت قرآن سے متعلق ہے (۱۱) الاجوبۃ المرعبۃ (۱۲) کتاب الکنی (۱۳) کتاب المغازی (۱۴) کتاب الانصاف، اسماء اللہ تعالیٰ کے بیان میں ہے (۱۵) کتاب القصد والامم فی انساب العرب والعجم (۱۶) کتاب الشواہد فی اثبات خبر الواحد (۱۷) کتاب الفرائض ان کے علاوہ اور دوسری کتابیں بھی ہیں۔

حافظ ابن عبد البر کو حدیث میں جو تفوق اور تقدم حاصل تھا اس کے ساتھ فقہ، معانی، نسب و اخبار کے علوم و فنون میں بھی انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔

ابن عبد البر عرصہ تک اندلس کے مغربی حصہ میں رہے اس کے بعد وہ اندلس کے شرقی حصہ میں منتقل ہو کر

دانیہ، بلنسیہ، اور شاطبہ میں سکونت پذیر ہوتے رہے، یہ تینوں شہر اندلس میں واقع ہیں اور انہی شہروں میں سے کسی ایک شہر میں ماہ ربیع الآخر کی آخری تاریخ شب جمعہ ۴۶۳ھ ہجری میں وفات پائی، اس وقت اُن کی عمر ۹۵ سال پانچ ماہ کی تھی، اسی سال بغداد میں مشہور محدث خطیب بغدادی کی بھی وفات ہوئی تھی۔

حافظ ابن عبدالبر نہایت دیندار پاک طینت، ثقہ، مُحدِّث، صاحبِ سُنت مُتَّبِعِ شریعت تھے پہلے ظاہری مذہب کے پیرو تھے پھر اس کو ترک کرکے مالکی مذہب کے حامل ہوگئے اور فقہ میں شافعی مذہب کی طرف مائل رہتے۔ تذکرۃ الحفاظ)

۴۔ ابن ماکولا

ابو نصر کُنیت، علی نام ہے، ابن ماکولا کے نام سے مشہور تھے، والد کا نام ہبۃ اللہ ہے، نسبی سلسلہ کے نام یہ ہیں:۔ ابو نصر علی بن ہبۃ اللہ بن علی بن جعفر بن علی بن محمد بن دلف بن ابی دلف قاسم بن عیسیٰ العجلی، جرباذ فانی ثم بغدادی عرب کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل کی ایک شاخ عجل ہے اسی کی طرف ابن ماکولا منسوب ہیں۔

ابن ماکولا کی پیدائش ماہ شعبان ۴۲۲ھ ہجری میں بمقام عکبراء ہوئی، طلبِ علم کے لئے بغداد، دمشق، مصر، ماوراء النہر، خراسان اور دوسرے اہم مقامات کا سفر کیا، اور بکثرت شیوخ سے علم حاصل کیا، ابن ماکولا کے تلامذہ کی تعداد بھی کثیر ہے۔

ابن ماکولا کی مشہور تصنیف "الاکمال" ہے، دوسری کتابوں کے بھی وہ مصنف تھے، ابن ماکولا دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، حافظ ابن عساکر کا بیان ہے کہ ابن ماکولا کے والد امیر المومنین قائم کے وزیر تھے، اور اُن کے چچا حسین بن علی بغداد میں قاضی القضاۃ تھے، دولت مندی کی وجہ سے ابن ماکولا امیر کبیر مشہور تھے۔ ایک دفعہ خلیفہ المقتدی باللہ نے ابن ماکولا کو اپنا نمائندہ بنا کر سمرقند بھیجا تھا تاکہ وہاں کے بادشاہ طمغا خان سے خلیفہ کے لئے بیعت لیں، باوجود دولت مندی کے ابن ماکولا نے علم کی خدمت میں زندگی بسر کی۔

ابن ماکولا کی تعریف میں ابو اسحاق حبّال بیان کرتے ہیں کہ وہ جب مصر آئے تو ایک کاتب کے بھیس میں تھے اس لئے ہم لوگوں نے اُن کی طرف نظر بھی نہ اٹھائی لیکن جب ہمیں اُن کی علمی صلاحیت اور قابلیت معلوم ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بلند پایہ کے علماء میں سے ہیں۔

ابن ماکولا کے شاگرد حمیدی اندلسی کا بیان ہے کہ میں کبھی خطیب بغدادی کی طرف کسی مسئلہ میں رجوع کرتا تھا تو وہ کہتے تھے کتاب دیکھ کے بتاؤں گا، اور جب ابن ماکولا کی طرف کسی مسئلہ میں رجوع کرتا تھا تو وہ فوراً

زبانی جواب دیتے تھے، گویا وہ کتاب سامنے رکھ کے پڑھ رہے ہیں۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں میں نے ابن ماکولا کی کتاب مستمر الاوہام دیکھی ہے وہ نفیس کتاب ہے، اس کتاب سے ابن ماکولا کے تبحر علمی اور امامت کا پتہ چلتا ہے۔

سمعانی کا بیان ہے کہ ابن ماکولا نہایت دانشمند، عارف اور حافظ تھے۔ انہیں لوگ خطیب ثانی کہتے تھے وہ اچھے نحوی، اور ماہر شاعر بھی تھے، فصیح عبارت لکھتے تھے، بغداد میں اُن کے زمانے میں اُن کا کوئی نظیر نہیں تھا دُنیا کی سیاحت کرنے کے بعد بغداد میں مقیم ہو گئے تھے۔

ابن ماکولا کے حالات میں ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ وہ بچپن سے علم کی طرف راغب تھے، حدیث کی اچھی طرح سے تحصیل کی، عربی ادب اور نظم و نثر میں پورا ملکہ حاصل تھا وہ کئی تصنیفات کے مالک تھے۔

شجاع ذہلی کا بیان ہے کہ ابن ماکولا حافظ، فہیم اور ثقہ تھے، علم حدیث میں بھی کتاب تصنیف کی تھی۔

مؤتمن ساجی کا بیان ہے کہ ابن ماکولا نے اہل علم کے طریقہ کو اپنے لئے لازم نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو فائدہ نہ پہونچا سکے۔

ابن ماکولا مقتول کئے گئے تھے، ابن عساکر ابن ماکولا کے قتل کئے جانے کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسماعیل بن سمرقندی سے سُنا ہے کہ ابن ماکولا کے چند ترک غلام تھے، جنہوں نے ابن ماکولا کو جرجان میں قتل کر دیا، یہ واقعہ چار سو ستر سال ہجری اور کچھ برسوں کا ہے۔

ابن ناصر کا بیان ہے کہ ابن ماکولا کرمان جا رہے تھے، سفر کی حالت میں اُن کے ساتھ اُن کے چند ترک غلام تھے جنہوں نے ان کو قتل کر کے اُن کا سارا مال لے لیا، یہ واقعہ ۴۷۵ھ ہجری کا ہے، دوسرے لوگوں نے بھی ان کے قتل کے واقعہ کو بیان کیا ہے لیکن سنین اور مقام سفر میں اختلاف کیا ہے، سال قتل زیادہ سے زیادہ ۴۸۶ھ بتایا گیا ہے چنانچہ قاضی ابن خلکان نے جو ابن ماکولا کے شاگرد تھے لکھا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابن ماکولا ۴۸۶ھ ہجری میں قتل کئے گئے ہیں (تذکرۃ الحفاظ)

۵۔ حُمیدی اُندلسی بغدادی

ابوعبداللہ کُنیت، محمد نام ہے، حُمیدی کے نام سے مشہور ہیں، نسبی سلسلے کے چند نام یہ ہیں:۔ ابوعبداللہ محمد بن ابو نصر فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حُمید بن یصل ازدی، اندلس کے مشرقی محاذ میں ایک جزیرۂ منورقہ نامی ہے اسی جزیرۃ میں حُمیدی ۴۲۰ھ ہجری سے کچھ پہلے پیدا ہوئے، جس کی وجہ سے وہ اندلسی منورقی کی نسبت سے

یاد کئے جاتے ہیں، حمیدی نے اندلس، مصر، شام، عراق اور دوسرے شہروں کے شیوخ سے حدیث کی سماع اور روایت کی آخر میں بغداد میں سکونت پذیر ہوگئے اور وہیں ان کی وفات ۱۷ ذی الحجہ ۴۸۸ ہجری میں واقع ہوئی۔ حمیدی اندلس کے ابن حزم ظاہری کے خاص شاگردوں میں ہیں اسی لئے ظاہری کہے جاتے ہیں۔

حمیدی کا بیان ہے کہ میرے والد اندلس کے دارالخلافہ قرطبہ کے محلہ رصافہ میں رہتے تھے، وہاں سے منتقل ہوکر وہ جزیرۃ میورقہ میں جا بسے وہیں میری پیدائش ہوئی اور ۴۲۵ ہجری میں جب میں بچہ تھا کندھے پر اٹھا کر حدیث کی سماعت کے لئے شیخ کے پاس مجھے بھیجا جاتا تھا اس وقت بھی شیخ کے سامنے جو کچھ پڑھا جاتا تھا میں اسے سمجھتا تھا۔ حمیدی کے بعض شیوخ کے نام یہ ہیں:۔ ابن حزم اندلسی، ابو عمرو بن عبدالبر، ابوزکریا عبدالرحیم بخاری، ابوالقاسم الحیانی دمشقی، ابوبکر خطیب بغدادی، ابوغالب بن بشران اموی، اور مشہور جوہری کے تلامذہ سے بھی بہت کچھ استفادہ کیا، مکہ میں مشہور محدثہ کریمہ مروزیہ سے بھی ملاقات کی، طلب علم میں حمیدی کی محنت کا یہ حال تھا کہ گرمی کی راتوں میں جب وہ لکھتے لکھتے تھک جاتے تھے تو ایک بڑے ظرف میں پانی بھر کر اس میں بیٹھ جاتے تھے، جب بدن کی گرمی دور ہوجاتی تو پانی کے ظرف سے باہر نکل آتے تھے۔

ابن ماکولا کا بیان ہے کہ ہم نے اپنے دوست حمیدی کے جیسا شخص کسی کو نہیں دیکھا ہے، وہ عفیف، پاک طینت اور ہمیشہ علم کی طلب میں مشغول رہا کرتے تھے۔

یحیٰی بن ابراہیم سلماسی کا بیان ہے کہ میری آنکھوں نے حمیدی کے جیسا شخص صاحب فضل و شرف، بہت زیادہ عالم اور علم کی اشاعت کرنے والا نہیں دیکھا ہے، وہ متقی، ثقہ، حدیث اور علل کے امام تھے، اور کتاب و سنت کے مطابق اور اصحاب حدیث کے طریقہ پر علمی تحقیق کرتے تھے، ان کی عبارت فصیح ہوتی تھی، اور عربی علم ادب میں متبحر تھے۔ ابو عابد عبدری کا بیان ہے کہ حمیدی نے اپنے جیسا شخص کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ان کے جیسے شخص کے متعلق کسی سوال کی ضرورت ہے۔ محدث شہاب کے پاس حدیث کی سماعت کے لئے حمیدی زیادہ جاتے تھے اسی لئے حمیدی کا قول ہے "صیّرنی الشہابُ شہابًا" مجھے محدث شہاب نے ستارہ شہاب بنا دیا ہے۔

اندلس کے علماء ابن حزم ظاہری کے سخت مخالف تھے، ان کی شدید مخالفت کی وجہ سے وہ اندلس کے دور دراز مقام پر جلاوطن کر دئے گئے تھے، ان کے خاص شاگرد حمیدی نے بھی ترک وطن کر کے مشرق کی راہ لی اور بغداد جاکر بس گئے۔ حمیدی کی بعض تصنیفات کے نام یہ ہیں (۱) کتاب الجمع بین الصحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں کو ملاکے ایک کر دیا تھا) (۲) تاریخ اندلس (۳) جمل تاریخ اسلام (۴) کتاب الذہب المسبوک فی وعظ الملوک

(۵) کتاب الترسّل (۶) کتاب مخاطبات الاصدقاء (۷) کتاب ذم النمیمۃ۔

ابن طرخان کا بیان ہے کہ میں نے حمیدی سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ علوم حدیث کی تین کتابیں ایسی ہیں کہ ان کی طرف خاص توجہ کرنی چاہئے وہ تین یہ ہیں (۱) کتاب العلل، اس میں سب سے اچھی کتاب دارقطنی کی کتاب ہے (۲) "کتاب المؤتلف والمختلف" اس میں سب سے بہتر امیر ابن ماکولا کی "الاکمال" ہے (۳) کتاب وفیات المشائخ مگر اس میں کوئی کتاب موجود نہیں ہے، اس لئے میرا ارادہ ایسی کتاب لکھنے کا ہے، ابن طرخان کا بیان ہے کہ حمیدی صحیحین کے لکھنے میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ اُن کی وفات ہو گئی اور کتاب وفیات المشائخ نہ لکھ سکے، بغداد میں حمیدی کی جب وفات ہوئی تو اُن کے جنازے کی نماز امام ابوبکر الشاشی نے جامع قصر میں پڑھائی اور باب النہر کے قبرستان میں شیخ ابو اسحاق شیرازی کی قبر کے پاس دفن کئے گئے، پھر دو سال کے بعد اُن کی میت اس قبر سے نکال کر باب حرب کے قبرستان میں مشہور صوفی اور زاہد بشر الحافی کی قبر کے پاس دفن کی گئی۔

حافظ ابن عساکر کا بیان ہے کہ حمیدی نے وصیت کی تھی کہ اُن کی میت بشر الحافی کی قبر کے پاس دفن کی جائے لیکن مظفر ابن رئیس الرؤساء نے وصیت کے خلاف عمل کیا۔ ایک عرصہ کے بعد ابن رئیس نے حمیدی کی میت کو ماہ صفر ۴۹۱ھ ہجری میں (یعنی دو سال دو ماہ کے بعد) قبر سے نکلوا کر وصیت کے مطابق دوسری قبر میں بشر الحافی کی قبر سے متصل منتقل کرا دیا، اس وقت میت کا کفن بالکل نیا معلوم ہو رہا تھا، اور میت کے جسم سے خوشبو پھیل رہی تھی۔

حمیدی کے دو شعر عربی کے بطور نمونہ یہاں لکھے جاتے ہیں:۔

لقاء الناس لیس یفید شیئاً ۔ سوی الھذیان من قیل وقال لوگوں کے میل جول سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا ہے، سوائے بکواس اور قیل وقال کے

فاقلل من لقاء الناس الا ۔ لاخذ العلم او اصلاح حال لوگوں سے میل جول کم کردو، بجز تحصیل علم اور اصلاح کے لوگوں سے نہ ملو

(تذکرۃ الحفاظ از ذہبی)

چھٹی صدی ہجری کے بعض مشہور محدثین

۱۔ السمعانی

(ــ ۵۱۰ھ)

السمعانی: ابوبکر کنیت، محمد نام، السمعانی، التیمی اور المروزی نسبتیں ہیں، والد کا نام ابوالمظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار ہے۔ اپنے زمانہ کے حافظ حدیث اور امام اور بہت مشہور اور پرگو واعظ تھے، مدرسہ نظامیہ بغداد میں بھی وعظ

کہتے تو پتھر جیسے دل والے بھی نرم ہو جاتے تھے۔ عربی ادب علم حدیث، رجال اور انساب میں ماہر تھے اور ان علوم میں اپنے اقران پر فوقیت رکھتے تھے۔ وہ اپنے واعظ میں اسانید کے ساتھ حدیث بیان کرتے تھے جامع مرو میں ایک سو چالیس مجلسوں میں املا کرایا ایک دفعہ عین مجلس میں لوگوں نے ان کے حافظہ کا امتحان لیا اور دس حدیثوں کے اسانید کو الٹ پلٹ کر ان کے سامنے پیش کیا السمعانی نے سب احادیث کے متون اور اسانید کو درست کرکے بتا دیا جس کے بعد لوگوں نے ان کی قابلیت کا اعتراف کیا اس مجلس میں انہوں نے اپنے طلبہ کے لئے چندہ مانگا اس وقت ایک ہزار دینار وصول ہو گئے۔ ان کی کتاب انساب السمعانی کا نہایت خوشخط قلمی نسخہ انگلستان کے ایک مستشرق کو دستیاب ہوا اس نے اس کی عکسی تصویر کے ذریعے کتاب کی اشاعت کی اس کا ایک نسخہ اسی عکسی تصویر کا دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں مصححین کے پیش نظر رہتا تھا اور بوقت ضرورت اس سے استفادہ کیا جاتا تھا ابوبکر السمعانی کی وفات بماہ صفر ۵۱۰ھ ہجری میں بعمر ۴۳ سال ہوئی وہ نہایت متقی تھے۔ امراء و سلاطین سے جب ملتے تھے اس وقت بھی ان کے تقویٰ میں فرق نہ آتا تھا۔

۲۔ بغوی

(- ۵۱۶ھ)

ابو محمد کنیت، حسین نام ہے۔ محی السنۃ اور رکن الدین دو القاب سے یاد کئے جاتے تھے، والد کا نام مسعود بن محمد بن الفراء ہے بغوی حافظ، مجتہد، اپنے زمانے کے امام اور شافعی المذہب تھے، علماء ربانیین میں ان کا شمار تھا۔ عابد، زاہد اور بہت قانع تھے یہاں تک کہ بغیر سالن کے صرف روٹی کے ٹکڑوں پر گزر کرتے رہتے تھے، لوگوں کے کہنے سننے سے روغن زیتون کے ساتھ روٹی کھانے لگے، علم و عمل کے جامع تھے، بغوی نے قاضی حسین مصنف تعلیقہ سے فقہ حاصل کی، اور حدیث کی روایت بھی ان سے اور دوسرے شیوخ سے کی، ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت تھی، تقریباً اسی سال کی عمر پائی۔ بغوی کی تصانیف میں تفسیر معالم التنزیل، شرح السنۃ، التہذیب اور المصابیح مشہور کتابیں ہیں (تفسیر معالم التنزیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بغوی محدث ہونے کے علاوہ نہایت اچھے مفسر قرآن بھی تھے مؤلف) بمقام مرو روذ ماہ شوال ۵۱۶ھ ہجری میں وفات پائی اور اپنے شیخ قاضی حسین کی قبر کے پاس دفن کئے گئے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

۳۔ رزین — (- ۵۲۵ھ)

ابو الحسن کنیت، رزین نام ہے، والد کا نام معاویہ بن عمار عبدری ہے، اندلس کے شہر سرقسطہ کے رہنے والے

تھے اس لئے اندلسی سرقسطی کی نسبت سے مشہور تھے، مکہ مکرمہ میں برسوں مقیم رہے، اور مکہ میں ابومکتوم اور عیسیٰ بن ابی ذر الہروی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، صالح، فاضل اور حدیث کے عالم تھے، لیکن نازل الاسناد تھے رزین کی تالیفات میں کتاب التجرید ہے جس میں صحاح ستہ سے سنن ابن ماجہ کو خارج کرکے موطأ امام مالک کو ایک ساتھ جمع کردیا ہے۔ ان کی دوسری تالیف اخبار مکہ ہے، ۵۲۵ھ ہجری میں مکہ میں وفات پائی، بعض لوگوں نے ۵۳۵ھ ہجری ان کی تاریخ وفات لکھی ہے (حاشیہ جامع الاصول ماخوذ از طبقات مالکیہ)

۴۔ السمعانی

(۵۰۶ – ۵۶۲ھ)

ابوسعد کنیت: عبد الکریم نام، اور تاج الاسلام لقب ہے، السمعانی کی نسبت سے مشہور ہیں، والد کا نام احمد ہے حافظ ذہبی نے ابوسعد السمعانی کا نسب اس طرح سے لکھا ہے۔ ابوسعد عبد الکریم بن احمد الحافظ تاج الاسلام معین الدین ابی بکر محمد بن العلامۃ المجتہد ابی المظفر منصور بن محمد بن عبد الجبار بن محمد بن احمد بن جعفر التمیمی السمعانی المروزی (شاید معین الدین سے پہلے لفظ ابن طباعت میں چھوٹ گیا ہے)

ابوسعد السمعانی شعبان ۵۰۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے، ۵۰۹ھ ہجری کے اواخر میں ان کے والد انہیں اپنے ساتھ شہر نیساپور لے گئے۔ ۵۱۰ھ ہجری میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا جس کے بعد ان کی کفالت اور پرورش ان کے اعمام اور اہل خاندان نے کی، قرآن مجید کے حفظ کرنے اور فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد حدیث کی تحصیل کی طرف وہ راغب ہوئے جس کے لئے انہوں نے دور دراز ممالک کا سفر کیا، مرو، اصبہان، بغداد، کوفہ، دمشق، بخارا، سمرقند اور بلخ کا سفر کرکے وہاں کے علماء سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ وہ نہایت ذکی، فہیم، ثقہ، حافظ، عادل، دیندار، جمیل السیرت، حسن الصحبت اور علامہ تھے۔

ابن نجار کا بیان ہے کہ میں نے ایک ایسے شخص سے سنا ہے جس سے السمعانی نے بیان کیا تھا کہ ان کے شیوخ کی تعداد سات ہزار ہے السمعانی کی یہ ایسی خصوصیت ہے جو کسی عالم کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔ السمعانی کی تصانیف بہت ہیں اور سب ہی اچھی ہیں ان کی مشہور تصنیف "المعجم" ہے جو کئی جلدوں پر حاوی ہے۔ اور ایک دوسری کتاب "التحبیر" ہے جس میں انہوں نے اپنے شیوخ کے حالات لکھے ہیں یہ بھی بہت مفید کتاب ہے جسے بہت خوبی سے لکھا ہے۔

السمعانی سے ان کے مشائخ اور اقران نے بھی سماعت کی ہے اور ایک جماعت نے ان سے حدیث کی روایت

کی ہے۔ السمعانی اپنے علمی سفر کے دوران میں جب بیت المقدس پہونچے تھے اس زمانے میں عیسائیوں کا اس پر قبضہ تھا۔ ربیع الاول ۵۶۲ھ ہجری میں بمقام مرو السمعانی کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر ۵۶ سال کی تھی (تذکرۃ الحفاظ)

۵۔ ابن عساکر

ابو القاسم کنیت، علی نام ہے، والد کا نام حسن ہے، سلسلۂ نسب کے چند نام یہ ہیں: ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ ابن عبد اللہ بن حسین، دمشق کے رہنے والے شافعی المذہب تھے، اور ابن عساکر کی کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔ ان کی تعریف میں علمائے اسلام انہیں محدث، حافظ کبیر، فخر الائمۃ، اور ثقۃ الدین کہا کرتے تھے، وہ اپنے وقت کے امام اور صاحب تصانیف تھے۔ ۴۹۹ھ ہجری کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ اور ۵۰۵ھ ہجری سے یعنی سات سال کی عمر میں اپنے والد اور بھائی ضیاء الدین کی توجہ سے حدیث کی سماعت میں شریک کئے گئے۔ پھر سن بلوغ کو جب پہونچے تو وہ بغداد، کوفہ، اصبہان، مرو، ہراۃ کا سفر کرکے اکابر شیوخ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی، ابن عساکر کے شیوخ کی تعداد تیرہ سو ہے۔ مزید برآں اسّی سے زیادہ عورتوں سے بھی تعلیم حاصل کی، ابن عساکر کے تلامذہ کی تعداد بھی بکثرت ہے ابو سعد السمعانی بھی ابن عساکر کے شاگرد ہیں، ابن عساکر کی مشہور و معروف تصنیف تاریخ دمشق ہے جو اسّی جلدوں مشتمل ہے، دوسری کتاب الموافقات چھ جلدوں میں ہے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ابن عساکر کی تصنیفات کے نام لکھے ہیں، بخیال طوالت یہاں نہیں لکھے گئے۔

السمعانی کا بیان ہے کہ ابن عساکر حافظ، ثقہ، صاحب اتقان، دیندار، نیک کردار اور صاحب علم وفضل تھے، متن اور اسناد حدیث کے علم کے جامع تھے، تحصیل علم میں بڑی محنت کی تھی، اور علم کے اس قدر جامع تھے کہ دوسرے علماء اس وصف سے متصف نہ تھے۔ اپنے ہمعصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے۔

ابن عساکر کے فرزند محدث بہاء الدین قاسم کا بیان ہے کہ میرے والد جماعت کے پابند تھے، ہر شب کو ایک ختم قرآن کرتے تھے اور ماہ رمضان میں بھی ہر روز ایک ختم کرتے تھے، منارہ شرقیہ میں معتکف ہوتے تھے، نوافل نماز اور اذکار میں بہت مشغول رہتے تھے، اور اپنے نفس کا برابر محاسبہ کرتے تھے کہ کوئی لحظہ بغیر ذکر الٰہی کے بیکار نہ جائے۔

ابو المواہب کا بیان ہے کہ میں چالیس سال سے برابر ابن عساکر کو دیکھتا آرہا ہوں کہ وہ نماز میں پہلی صف میں رہتے تھے، بشرطیکہ کوئی عذر نہ ہوتا، اور رمضان میں اعتکاف کرتے تھے، املاک کے حاصل کرنے، اور گھر بنانے کا خیال کبھی اُن کے دل میں نہیں گذرا، منصب کی طلب سے بھی روگردانی کرتے، امامت اور خطابت سے بھی انکار کرتے

تھے، حالانکہ یہ خدمات اُن کو پیش کی گئی تھیں، ہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں مشغول رہتے تھے اور کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے تھے، نیز ابو المواہب کا بیان ہے کہ ابن عساکر کی غیر معمولی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے بغداد کے لوگ اُنہیں شعلۂ آتش کہتے تھے۔

ابن عساکر کا بیان ہے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ جو کچھ میرے پاس لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں میرے بعد اُن کا کیا حال ہوگا اس لئے میں نے تحدیث (حدیث بیان کرنا) کا ارادہ کیا، لیکن تحدیث سے پہلے میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور اپنے خاص شیوخ اور رؤسائے شہر سے بھی مشورہ کیا، سب نے کہا کہ آپ سے بڑھ کر اس کام کو کون انجام دے سکتا ہے،

اس لئے میں نے ۵۳۳ھ ہجری سے تحدیث شروع کر دی۔

حافظ عبد القادر کا بیان ہے کہ میں نے ابن عساکر سے زیادہ حفظ رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

ابن نجار کا بیان ہے کہ ابن عساکر اپنے وقت کے امام المحدثین تھے، حفظ، اتقان اور علم میں ریاست اُن پر ختم ہوگئی تھی ابن عساکر کے فرزند قاسم کا بیان ہے کہ میرے والد کی وفات ۱۱ رجب ۵۷۱ھ ہجری کو ہوئی اور اُن کی وفات کے بعد لوگوں نے مرثیہ میں قصائد لکھے اور پڑھ کے سُنائے، باب الصغیر میں اُن کی قبر زیارتگاہ انام ہے (تذکرۃ الحفاظ)

۷۔ ابن بشکوال

ابو القاسم کُنیت، خلف نام ہے، اپنے جد اعلیٰ بشکوال کی انتسبت سے مشہور ہیں، والد کا نام عبد الملک ہے، سلسلۂ نسب کے چند نام یہ ہیں: ابو القاسم خلف بن عبد الملک بن مسعود بن موسیٰ بن بشکوال بن یوسف بن داحۃ الانصاری اندلسی ابن بشکوال اندلس کے محدث اور مورخ تھے، ۴۹۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے، اور اندلس کے علماء اور محدثین سے تعلیم حاصل کی وسیع الروایت تھے، اور اس کی طرف ان کی خاص توجہ تھی، روایت کے طرق اور وجوہ سے اچھی طرح سے واقف تھے، اور علم میں اپنے اہلِ زمانہ کے علماء پر فوقیت رکھتے تھے، حافظ تھے، عالی اور نازل اسانید کی سماعت کی تھی، انہوں نے اپنے شیوخ سے چھوٹی بڑی چار سو کتابوں کی روایت سند کے ساتھ کی ہے، اطراف ملک سے طلباء اُن کے پاس علم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے اور تعلیم سے فارغ ہو کر جاتے تھے، ابن بشکوال اپنے تلامذہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے وہ نہایت خلیق اور متواضع واقع ہوئے تھے، باطنی حالت بہتر تھی، اُنہوں نے مختلف عنوانوں پر پچاس کتابیں لکھی تھیں، اندلس کے شہر اشبیلیہ کے بعض نواح میں ابن العربی کی نیابت میں قاضی بھی بنائے گئے

تھے، بعد ازاں اُنہوں نے اپنے آپ کو علمی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا، اور اسی پیشے سے گزر بسر کرتے رہے ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ ابن الزبیر نے ابن بشکوال کے حالات میں مفصل ایک کتاب لکھی ہے۔ ابن بشکوال کی تصنیفات کی مختصر فہرست حافظ ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں لکھی ہے؛ وہ نہایت قانع تھے اور شہرت سے گریز کرتے تھے، ۸ رمضان المبارک ۵۵۶ھ ہجری میں بعمر چوراسی سال وفات پائی، اور امام یحیٰ بن یحیٰ لیثی کے مقبرے میں دفن کئے گئے۔

۷۔ ابن جوزی

عبدالرحمٰن نام، ابن جوزی کی کنیت سے مشہور ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی الحسن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ بن عبداللہ بن حمادی بن احمد بن جعفر بن عبداللہ بن القاسم بن النضر بن القاسم بن محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق القرشی التیمی البکری البغدادی الحنبلی۔

ابن جوزی کے جد اعلیٰ کے گھر میں جو شہر واسط میں تھا ایک درخت جوزہ (اخروٹ) کا تھا، سوائے اس درخت کے شہر واسط میں کوئی دوسرا درخت جوزہ کا نہ تھا اس لئے صاحب خانہ جوزی مشہور ہو گئے۔ اپنے جد اعلیٰ کی اسی نسبت پر عبدالرحمٰن ابن جوزی کہے جانے لگے اور اسی نام سے مشہور و معروف ہو گئے۔

ابن جوزی عراق کے عالم، حافظ، امام، علامہ اور رواۃ تھے۔ ۵۱۰ھ ہجری میں یا اس سے کچھ پہلے پیدا ہوئے، اور ۵۱۶ھ ہجری میں پہلے پہل حدیث کی سماعت میں شریک کئے گئے، جس وقت ابن جوزی کی عمر تین سال کی تھی ان کے والد کا انتقال ہو گیا پھوپھی نے اُن کی پرورش کی، ان کے اقارب تانبے کا کاروبار کرتے تھے، اسی لئے ابن جوزی نے سماع حدیث میں اپنا نام "عبدالرحمٰن بن علی الصفار" لکھا ہے۔ صفار ٹھٹھیرے کو کہتے ہیں جو تانبے کا کام کرتا ہے۔

ابن جوزی کی مجلس وعظ بہت مشہور تھی اسی لئے وہ واعظ الآفاق کہے جاتے تھے، ان کی مجلس وعظ میں عموماً دس ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا، اور کبھی کبھی ایک لاکھ تک سننے والوں کی تعداد پہونچ جاتی تھی، وزراء، امراء یہاں تک کہ خلفاء بھی پس پردہ ان کی مجلس وعظ میں شریک ہوتے تھے۔

ابن جوزی کے نواسے کا بیان ہے کہ میرے نانا نے برسر منبر فرمایا تھا کہ میری انگلیوں نے کتابوں کی دو ہزار جلدیں لکھی ہیں اور میرے ہاتھ پر ایک لاکھ آدمیوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی ہے اور میرے ہاتھ پر بیس ہزار آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے، ہیں وہ ہر ہفتہ ایک ختم قرآن کرتے تھے سوائے جمعہ اور مجلس وعظ کے گھر سے نہیں نکلتے تھے۔ ان کی تصانیف

کی مجموعی تعداد دو سو پچاس کتابوں سے زیادہ ہے۔

حافظ ذہبی نے ابن جوزی کی مشہور کتابوں کی فہرست اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں لکھی ہے۔

(ابن جوزی کی دو کتابیں المنتظم، اور صفوۃ الصفوۃ، دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن میں طبع ہو گئی ہیں، المنتظم کی دس جلدیں اور صفوۃ الصفوۃ کی چار جلدیں ہیں۔ مؤلف) منہاج القاصدین کا ترجمہ منصورہ لاہور سے جماعت اسلامی نے ۲۸۵ صفحہ میں شائع کیا ہے۔

الموفق عبد اللطیف کا بیان ہے کہ ابن جوزی خوبصورت اور خوش سیرت تھے، ان کے حرکات اور نغموں میں موزونیت تھی نہایت خوش گفتار تھے، ان کی مجلسِ وعظ میں ایک لاکھ بلکہ کچھ زیادہ ہی آدمی شریک ہوتے تھے وہ اپنے وقت کا کوئی حصہ ضائع نہیں کرتے تھے، ہر روز چار کراسے (کاپیاں) لکھ لیتے تھے، ہر علم میں انہیں درک تھا، تفسیر میں ان کا شمار اعیان یعنی بلند پایہ کے لوگوں میں تھا، حدیث کے حافظ تھے، تاریخ کے معلومات میں وسعت رکھتے تھے، فقہ میں وافر حصہ پایا تھا اور وعظ گوئی میں بہت قوی ملکہ رکھتے تھے، ان کی تصنیفات اطراف ملک میں پھیل گئی تھیں۔

ابن جوزی کو طب میں بھی دخل تھا، اس فن میں بھی ایک کتاب لکھی تھی، وہ اپنی صحت کا خاص خیال رکھتے تھے، مزاج میں لطافت پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے اور وہ ترکیبیں کرتے تھے جن سے اُن کی عقلی قوت میں اضافہ اور ذہن میں تیزی پیدا ہو وہ غذا میں مرغ کے چوزے کا گوشت اور شوربا زیادہ استعمال کرتے تھے، اور میوہ جات کے بدلے شربت اور معجونیں استعمال کرتے تھے، اور بہتر سے بہتر سفید پوشاک میں ملبوس رہتے تھے وہ حاضر جواب اور حاضر دماغ تھے، ذہن رسا پایا تھا۔

موفق کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ ابن جوزی نے بلادر (بھلانواں) استعمال کیا تھا جس سے اُن کی داڑھی کے بال گر گئے تھے اور بہت چھوٹے ہو گئے تھے، وہ سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے، ان کی تصنیفات میں غلطیاں بہت ہیں، کیونکہ کتاب لکھنے کے بعد پھر وہ دوبارہ اس میں غور و فکر نہیں کرتے تھے۔

حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ ہاں ابن جوزی کی تالیفات میں اوہام بہت ہیں، جو ان کی جلد بازی کا نتیجہ ہے اُن کے زیادہ تر علوم اُن کتابوں سے ماخوذ ہیں جن کے مصنفین میں پوری طرح سے علمی مشق حاصل نہیں ہوئی تھی اور ناپختگی تھی۔ ابن جوزی اپنی عمر کے آخر زمانہ میں دشمنوں کی سازش سے سخت آزمائش میں مبتلا کئے گئے، اور گرفتار کرکے ایک کشتی میں بٹھا کے شہر واسط بھیج دیئے گئے۔ جہاں ایک گھر میں قید کر دیئے گئے تھے۔ بحالت قید وہ اپنے ہاتھوں سے کپڑے دھوتے اور اپنا کھانا پکاتے تھے۔ پانچ سال کے بعد وہ قید سے رہا کئے گئے۔

ابن جوزی کی وفات جمعہ کے دن ۱۲ ماہ رمضان المبارک ۵۹۷ھ ہجری کو ہوئی، اس وقت اُن کی عمر نوے سال کے قریب تھی اُن کے جنازے میں خلقت کا ہجوم تھا، باب حرب کے مقبرے میں دفن کئے گئے (تذکرۃ الحفاظ)

۸ ۔ سہیلی

ابو القاسم اور ابو زید دو کنیتیں ہیں اور عبد الرحمٰن نام ہے، والد کا نام عبد اللہ ہے، سلسلۂ نسب کے چند نام یہ ہیں:۔

ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن احمد بن اصبغ بن حبین بن سعدون خثعمی، اندلسی مالقی۔

اندلس کے شہر مالقہ سے متصل سُہیل نامی ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اس گاؤں کا نام سہیل اس لئے رکھا گیا تھا کہ ستارہ سُہیل صرف اسی گاؤں کے پہاڑ کے اوپر سے نظر آتا تھا اور دو درجہ تک بلند ہو کر غروب ہو جاتا تھا اور بجز اس گاؤں والے پہاڑ کے اندلس کے کسی حصہ سے یہ ستارہ نظر نہیں آتا تھا اس لئے اس ستارہ سُہیل کے نام پر اس گاؤں کا نام سُہیل رکھ دیا گیا تھا، اور اس گاؤں میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے ابو القاسم عبد الرحمٰن سُہیلی مشہور ہو گئے تھے۔ پیدائش اُن کی اندلس کے شہر اشبیلیہ میں ۵۰۸ھ ہجری کو ہوئی تھی اور ۲۵ رمضان المبارک ۵۸۱ھ ہجری میں مراکش میں وفات ہوئی۔

سُہیلی نے اندلس کے مختلف شیوخ اور علماء سے تعلیم حاصل کی، عربی زبان میں اتنی مہارت پیدا کی کہ وہ اس زبان کے امام تسلیم کئے گئے، دوسرے فنون میں انہیں کافی دستگاہ حاصل تھی، نہایت ذہین و ذکی واقع ہوئے تھے، ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت تھی۔ ابو جعفر بن الزبیر کا بیان ہے کہ سُہیلی کا علم وسیع تھا، نحو، لغت، تفسیر، حدیث، رجال، انساب، علم کلام اور اصول فقہ کے عالم، قدیم و جدید تاریخ کے حافظ تھے، اور عجیب و غریب اختراع و استنباط میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابو القاسم عبد الرحمٰن سترہ سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حیرت ہے کہ اس نابینائی کی حالت میں اُنہوں نے تالیف و تصنیف کا سلسلہ جاری رکھا اور متعدد کتابیں تصنیف کیں، ان میں ایک کتاب الروض الانف ہے جس میں سیرت نبوی کو نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے یہ بہت بہتر اور مفید کتاب ہے اس کتاب کی تصنیف میں سُہیلی نے ایک سو بیس کتابوں سے مواد اخذ کئے تھے، ان کی دوسری کتاب "الاعلام بما ابہم فی القرآن من الاعلام" ہے۔ ایک اور کتاب الفرائض ہے۔ ایک موقع پر سہیلی قاضی بھی بنائے گئے تھے، اس خدمت کو اُنہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا تھا۔

سُہیلی کے شاگرد ابوالخطاب ابن دحیۃ کا بیان ہے کہ سہیلی بہت عفیف النفس واقع ہوئے تھے، اُن کی زندگی تنگدستی سے بسر ہوتی تھی، بقدرِ کفاف جو مل جاتا اسی پر گزارا کرتے تھے۔ جب سہیلی کی پریشان حالی کی اطلاع سلطان مراکش کو ہوئی، سلطان مراکش نے سہیلی کو اپنے پاس طلب کر کے اُن کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور مراحم خسروانہ سے انہیں نوازا۔ سُہیلی تین سال تک مراکش میں مقیم رہے اور یہیں وفات پائی (تذکرۃ الحفاظ)

ساتویں صدی ہجری کے بعض مشہور محدثین

ا۔ مجد الدین ابن اثیر

ابو السعادات کُنیت، مبارک نام، اور مجد الدین لقب ہے۔ والد کا نام ابوالکرم محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد شیبانی ہے (۱)

بماہ ربیع الاول یا ربیع الثانی ۵۴۴ھ ہجری میں "جزیرۃ ابن عمر" میں پیدا ہوئے، اس جزیرے کو رئیس عبدالعزیز بن عمر برقعیدی نے آباد کیا تھا اس کے نام پر جزیرۃ ابن عمر موسوم ہو گیا، اس جزیرے کی چاروں طرف دریائے دجلہ احاطہ کئے ہوئے ہے اور شہر موصل سے اوپر واقع ہے، ابو السعادات مجد الدین ابن اثیر کے نام سے مشہور رہیں، ان کے چھوٹے بھائی ابوالحسن عزالدین علی بھی ابن اثیر کے نام سے معروف اور مشہور رہیں، یہ دونوں بھائی علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے۔

مجد الدین ابن اثیر کی نشوونما اسی جزیرہ ابن عمر میں ہوئی، اس کے بعد وہ شہر موصل میں منتقل ہو گئے۔ مجد الدین علوم و فنون سے فارغ ہونے کے بعد امیر مجاہد الدین قائماز الخادم الزینی نائب سلطنت کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ اور کتابت و انشاء کی خدمت پر مامور کئے گئے، یہ خدمت حکومت کے اعلیٰ منصب میں شمار کی جاتی تھی۔ وہ امیر قائماز کے روبرو سلاطین عالم کے نام مراسلے لکھا کرتے تھے، ایک زمانہ ان پر ایسا آیا کہ ۵۸۹ھ میں وہ گرفتار ہو کر قید خانہ میں ڈال دیئے گئے، اور سبب یہ ہوا کہ جب سلطان عزالدین مسعود اپنے بھائی سیف الدین کی وفات کے بعد تخت نشین ہوئے تو اہل فساد اور دشمنوں نے مجد الدین کے خلاف سازش کی اور خادم قائماز کو جھوٹی اطلاعات دے کر اور غلط الزامات لگا کر پیہم اصرار کر کے اُنہیں گرفتار کرا دیا، لیکن جلد ہی خادم

قائماز کو اس سازش کی اطلاع ہوگئی اور تمام الزامات جو اُن پر لگائے گئے تھے غلط ثابت ہوئے اور وہ جیل سے رہا کر دیئے گئے، اور اپنی سابقہ خدمت پر بحال رکھے گئے اور جب ۵۹۵ھ ہجری میں خادم قائماز کا انتقال ہوگیا تو وہ اس خدمت سے کنارہ کش ہوگئے۔ حافظ ابن کثیر کا بیان ہے کہ سلطان عزالدین مسعود کی زندگی تک شیخ مجدالدین خدمت انشاء و کتابت پر برقرار رہے تھے۔

جب موصل کی حکومت نورالدین ارسلان شاہ ابن سلطان عزالدین مسعود کو ملی اُس نے اپنے مملوک لُولُو کو شیخ مجدالدین کے پاس بھیجا کہ وہ وزارت کا عہدہ قبول فرمائیں لیکن موصوف نے یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا پھر خود سلطان نورالدین ارسلان شاہ اُن کے پاس آیا اور وزارت کا عہدہ قبول کرنے کے لئے کہا اس وقت بھی شیخ موصوف نے معذرت کی اور کہا کہ میں بوڑھا ہوچکا ہوں اور میری علمی خدمت کی شہرت ہوچکی ہے اور وزارت کی حالت میں کچھ سختیاں بھی کرنی پڑتی ہیں جو ظلم کے معنی میں ہوتی ہیں اور یہ اہلِ علم کی شان کے خلاف ہے اس لئے مجھے عہدۂ وزارت کے قبول کرنے سے معاف فرمایا جائے، چنانچہ سُلطان نے ان کی معذرت قبول فرمالی الیکن مورخ ابن خلکان کا بیان ہے کہ شیخ مجدالدین نورالدین ارسلان شاہ کے دربار سے منسلک ہوگئے تھے۔ اور عرصہ تک اس دربار میں کتابت و انشاء کے فرائض انجام دیتے رہے اور نیک نام رہے اور نورالدین ارسلان شاہ بھی ان سے برابر خوش رہا، یہاں تک کہ ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں میں ایسا مرض لاحق ہوگیا جس کی وجہ سے وہ اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو سیدھا کرنے سے معذور رہ گئے۔ جس کے بعد وہ خدمت شاہی سے مستعفی ہو کر خانہ نشین ہوگئے۔ یہیں ان کے پاس امراء، اعیانِ سلطنت اور اکابر ملک اور علماء آتے تھے اور ان سے مشورے کر جاتے تھے۔

شیخ مجدالدین کے چھوٹے بھائی شیخ عزالدین ابوالحسن علی کا بیان ہے کہ جب شیخ مجدالدین بیماری کی وجہ سے خانہ نشین ہوگئے تھے اس زمانے میں اُن کے پاس ایک مغربی شخص آیا اُس نے پُر زور الفاظ میں کہا کہ میں آپ کا علاج کرکے مرض کو دور کردوں گا مجھے اس کا معاوضہ صحت ہونے کے بعد عطا فرمائے، چنانچہ ہم سب راضی ہوگئے اس مغربی شخص نے ایک روغن تیار کیا اور روزانہ شیخ مجدالدین کے ہاتھ پاؤں میں مالش کرنے لگا۔ چند دنوں کے بعد کچھ افاقہ محسوس ہوا اور دونوں ہاتھ اور پاؤں ذرا سیدھے ہونے لگے اور کامل افاقہ کی صورت نظر آنے لگی کہ دفعۃً شیخ مجدالدین نے اپنا علاج ترک کرادیا اور مجھ سے کہا کہ اس مغربی شخص کو معقول رقم دے کے رخصت کردو، میں نے پوچھا کیوں؟ اس کے علاج سے آپ کو فائدہ ہو رہا ہے، شیخ مجدالدین نے جواب دیا، تم جو کچھ کہتے ہو درست ہے، لیکن میں اب اپنی پہلی زندگی کی بہ نسبت راحت میں ہوں، گھر میں دلجمعی سے بیٹھا ہوں، لوگ میرے پاس آتے ہیں اور

مجھ سے مشورہ کر کے اور میری رائے سے لئے جاتے ہیں، پہلے میں جب صحت مند تھا ان کے پاس جاتا تھا اور اپنے نفس کو ذلیل کرتا تھا، اس مرض نے مجھے نفس کی ذلت سے بچا دیا ہے اس لئے میں اپنے اس مرض کو باقی رکھنا چاہتا ہوں اور علاج کرنا نہیں چاہتا، اب میری عمر کے تھوڑے دن باقی رہ گئے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں اس بقیہ چند روزہ زندگی کو آزادی سے بسر کروں اور ذلت سے اپنے آپ کو بچاؤں، گذشتہ زندگی میں جو کچھ لطف حاصل کرنا تھا کر چکا ہوں۔

عزالدین ابوالحسن علی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کی بات مان لی اور مغربی شخص کو معقول رقم دے کے رخصت کر دیا۔ شیخ مجدالدین نے اپنی اس بیکاری کے زمانے میں بھی تالیف و تصنیف کا سلسلہ جاری رکھا، شیخ موصوف نے متعدد اہل علم کو ملازم رکھا تھا جو ان کی تالیف و تصنیف میں مددگار تھے، وہ کتابت کرتے اور دوسری کتابوں سے مواد جمع کرتے تھے۔ الشیخ موصوف نے مختلف علوم میں نہایت مفید اور نادر کتابیں تصنیف کی ہیں، ایک کتاب "جامع الاصول فی احادیث الرسول" ہے، اسے رزین کی کتاب التجرید کو سامنے رکھ کر مرتب کیا ہے، اس میں موطا، الصحیحین، سنن ابی داؤد، النسائی اور الترمذی کو اسانید حذف کر کے ایک جگہ جمع کر دیا ہے، اور متن میں صرف صحابی کا نام رکھا ہے، سنن ابن ماجہ اس میں مذکور نہیں ہے جیسا کہ رزین کی کتاب میں بھی مذکور نہیں ہے۔ رزین کی کتاب میں ایک بڑا نقص یہ تھا کہ احادیث کو ابواب پر جمع نہیں کیا تھا جس سے مسائل کے استخراج میں دقت ہوتی تھی جامع الاصول میں تمام احادیث کو ابواب پر ترتیب دیا ہے، اور صحاح کی جس کتاب کی حدیث ہے اس کتاب کی علامت حدیث سے پہلے لکھدی ہے، مثلاً بخاری کے لئے حرف خ مسلم کے لئے حرف م، موطا کے لئے حرف ط ترمذی کے لئے حرف ت، ابوداؤد کے لئے حرف د اور نسائی کے لئے حرف س علامتیں مقرر کر دی ہیں اگر صحاح کی سب کتابوں سے کوئی ایک حدیث مروی ہے تو ان سب کتابوں کی علامتیں حدیث سے پہلے لکھدی ہیں، نیز جس حدیث میں جو غریب اور مشکل الفاظ آئے ہیں ان کو حل کر کے ان تمام الفاظ کو مع ان کے معنوں کے علیحدہ صفحات میں لکھ دیئے ہیں، اور کتاب کے حواشی میں حدیث سے متعلق ضروری باتیں بھی لکھدی ہیں ان خصوصیات کی بنا پر جامع الاصول حدیث کی بہت مفید کتاب ہو گئی ہے، حکومت سعودیہ عربیہ کی مالی امداد سے پانچ جلدوں میں مصر میں طبع کی گئی ہے، الشیخ موصوف کی بعض دوسری کتابوں کے نام یہ ہیں۔

۲۔ لغت حدیث میں النہایۃ فی غریب الحدیث ہے، طبع ہو گئی ہے۔

۳۔ "کتاب الانصاف فی الجمع بین الکشف والکشاف" یہ تفسیر ثعلبی اور زمخشری سے ماخوذ ہے، چار جلدوں میں ہے،

۴۔ کتاب المصطفیٰ والمختار فی الادعیۃ والاذکار۔

۵۔ کتاب البدیع فی شرح الفصول، نحو میں ہے۔

۶۔ کتاب الشافی فی شرح مسند الامام الشافعیؒ۔

۷۔ دیوان رسائل، وغیر ذلک۔

شیخ مجد الدین کی وفات شہر موصل میں بعمر ۶۲ سال بروز پنجشنبہ آخر ذی الحجہ ۶۰۶ھ ہجری میں ہوئی اور اندرون شہر درب الدرج کی رباط میں مدفون ہوئے۔

شیخ موصوف نے موصل کے ایک گاؤں میں ایک رباط تعمیر کی تھی اس کا نام قصر حرب رکھا تھا اس پر اپنی املاک کا بڑا حصہ وقف کر دیا تھا۔

شیخ موصوف کے چھوٹے بھائی الشیخ عز الدین ابو الحسن علی اپنے بڑے بھائی الشیخ مجد الدین کے حالات میں لکھتے ہیں کہ

شیخ مجد الدین نصرؒ علم اصول، نحو، حدیث اور لغت کے عالم تھے، اور تفسیر، حدیث، فقہ، حساب، غریب حدیث کے عنوانوں پر اُن کی تصانیف مشہور ہیں، ان کے علاوہ مدوّن رسائل بھی ہیں، وہ دین کے سخت پابند تھے، اُن کی دینداری ضرب المثل تھی وہ مستقیم طریقہ پر گامزن تھے، وہ زمانہ کے محاسن میں سے تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ (ازدیباچہ جامع الاصول)

۲۔ عز الدین ابن اثیر

ابو الحسن کنیت، عز الدین لقب اور علی نام ہے۔ ابن اثیر کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، والد کا نام ابو الکرم محمد بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد ہے، اس خاندان کی اصل نیسا پوری ہے۔ عز الدین ابن اثیر کی پیدائش جزیرہ ابن عمر میں ۵۵۵ھ ہجری میں ہوئی اور اواخر شعبان ۶۳۰ھ ہجری میں وفات پائی، یہ مجد الدین ابن اثیر کے چھوٹے بھائی تھے، عز الدین ابن اثیر نے بغداد، دمشق، حلب اور موصل کے اکابر علماء اور شیوخ سے تعلیم حاصل کی، اور فراغت کے بعد علم وفضل کے اعلیٰ درجہ پر پہونچے، وہ اپنے زمانہ کے محدث، لغوی اور مورخ تھے، حافظ ذہبی نے شیخ موصوف کو امام، علامہ، حافظ اور فخر العلماء کے الفاظ سے یاد کیا ہے، صحابہ کرام کے حالات اور اُن کے انساب کے متعلق وسیع معلومات رکھتے تھے، اسی لئے انہیں نسّابہ (بہت زیادہ نسب جاننے والا) بھی کہا جاتا تھا، علامہ عز الدین ابن اثیر کے گھر میں علماء اور فضلاء کا مجمع رہتا تھا جس کی وجہ سے اُن کا گھر دار العلماء

مشہور تھا، تواضع، کرم اور رفضائل کے نمونہ تھے، ایک دفعہ حکومت کی طرف سے سفیر بنا کے ملک شام بھیجے گئے تھے، شیخ موصوف موصل کی تاریخ لکھنی شروع کی تھی مگر نامکمل رہ گئی۔ اُن کی تصنیفات میں اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ اور انساب کے عنوان پر ایک کتاب ہے (تذکرۃ الحفاظ از ذہبی)

۳۔ ابن صلاح

ابو عمرو کنیت، عثمان نام اور تقی الدین لقب ہے۔ والد کا نام عبدالرحمٰن بن عثمان بن موسیٰ ہے، ابو عمرو کے والد کا لقب صلاح الدین تھا جس کی طرف نسبت سے وہ ابن صلاح مشہور ہو گئے، ابن صلاح نسلاً کردی تھے، شمالی عراق کے علاقہ اربل کے قصبہ شہرزور کے قریب ایک گاؤں شرخان میں ۵۷۷ھ ہجری میں پیدا ہوئے اس لئے وہ کردی، شہرزوری اور شرخانی کہے جاتے ہیں، ان کے والد صلاح الدین جلیل القدر عالم، فقیہ اور امام شافعی کی فقہ میں متبحر تھے افتا کی خدمت پر مامور تھے، علم وفضل میں اُن کی کافی شہرت تھی، اپنے فرزند ابن صلاح کی تعلیم و تربیت میں خاص توجہ کی، ابن صلاح نے فقہ اپنے والد سے پڑھی، فقہ شافعی کی کتاب المہذب دو بار پڑھی۔ اس وقت وہ نوجوان تھے ریش و بروت ہنوز نمودار نہیں ہوئی تھی، بعد ازاں ابن صلاح کو اُن کے والد نے شہر موصل کے شیوخ کے پاس حصول تعلیم کے لئے بھیجدیا، جہاں اُنہوں نے فقہ، اصول، تفسیر، حدیث، لغت اور دوسرے علوم حاصل کئے۔ بعد ازاں ابن صلاح نے مزید تعلیم کے لئے علمی سفر شروع کیا جو علمائے سلف کا دستور تھا، اور بغداد، شام، حلب، خراسان اور نیشاپور گئے اور وہاں کے شیوخ اور علماء سے حدیث اور اس کے فنون کی تعلیم حاصل کی، علوم کا مذاکرہ کیا، اور علمی مہارت میں فائق ہوئے اور علمائے راسخین میں ان کا شمار ہونے لگا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر وہ شام میں سکونت پذیر ہو گئے اور علوم کی اشاعت اور تالیف و تصنیف میں مشغول ہو گئے، یہاں اُن کے علم و فضل کا غلغلہ بلند ہوا اور فقہ میں امام، مسلمانوں کے مفتی اور شیخ الاسلام قرار دئے گئے تفسیر و حدیث میں اعلیٰ صلاحیت اور تفوق رکھنے کی وجہ سے طلبہ اطراف ملک سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے بکثرت اُن کے پاس آنے لگے، محدثین اور حفاظ بھی شیخ موصوف سے استفادہ حاصل کرنے لگے، حدیث اور فنون حدیث میں کمال تبحر کی وجہ سے جب علماء کے حلقہ میں لفظ شیخ مطلقاً استعمال ہوتا تو اُس سے مراد ابن صلاح ہی لئے جاتے تھے اسی کی طرف صاحب الفیۃ عراقی نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

وَکُلَّمَا اَطْلَقْتُ لَفْظَ الشَّیْخِ مَا — جب میں لفظ شیخ مطلقاً استعمال کرتا ہوں

اُرِیْدُ اِلَّا ابْنَ الصَّلَاحِ مُبْہِمَا — تو اس ابہام سے میری مراد ابن صلاح ہی ہوتے ہیں

شیخ ابن صلاح نے جس جس مدرسہ میں بحیثیت صدر تدریسی خدمات انجام دی تھیں ان مدارس کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ مدرسہ ناصریہ یہ شہر قدس میں تھا جو ملک الناصر صلاح الدین یوسف بن ایوبؒ کی طرف منسوب تھا یہاں شیخ موصوف نے مدت تک تدریسی خدمت انجام دی۔

۲۔ پھر شیخ موصوف دمشق منتقل ہو گئے اور وہاں مدرسہ رواحیہ میں درس دینے لگے، اس مدرسہ کو ابن زکی الوالقاسم ہبۃ اللہ بن عبد الواحد بن رواحۃ الحموی نے قائم کیا تھا، اور اس بانی مدرسہ نے ایک دوسرا مدرسہ رواحیہ شہر حلب میں بھی قائم کیا تھا۔

۳۔ ملک الاشرف ابن الملک العادل بن ایوب نے دمشق میں دار الحدیث قائم کیا، یہاں کی تدریس کے فرائض شیخ ابن صلاح کو تفویض کئے گئے۔

۴۔ بعد ازاں شیخ موصوف مدرسہ ست الشام زمرد خاتون بنت ایوب میں شیخ التدریس بنائے گئے یہ مدرسہ اندرون شہر بیمارستان نوری کے مقابل واقع تھا، زمرد خاتون شمس الدولۃ توران شاہ بن ایوب کی بہن تھیں، اس خاتون نے ایک دوسرا مدرسہ دمشق کے بیرونی حصہ میں بھی قائم کیا تھا اس مدرسہ کے احاطہ میں اس خاتون اور اس کے مذکور الذکر بھائی اور اس کے شوہر ناصر الدین بن اسد الدین بن شیرکوہ والی شہر حمص کی قبریں ہیں؛ غرض ان تین مدارس میں شیخ ابن صلاح نے اپنی تدریسی خدمات کی اعلیٰ صلاحیت کے جوہر دکھلائے۔ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب العبر میں لکھا ہے کہ شیخ ابن صلاح نے مدرسہ رواحیہ اور دار الحدیث میں تیرہ سال تک تدریسی خدمت انجام دی تھی، شیخ موصوف سے تعلیم حاصل کر کے جو اکابر علماء اور ائمہ فارغ ہوئے حافظ ذہبی نے ان کے نام لکھے ہیں ان میں شمس الدین عبد الرحمٰن بن نوح، کمال الدین سلار، کمال الدین اسحاق، تقی الدین بن رزین اور القاضی وغیرہم داخل ہیں۔

شیخ ابن صلاح نہایت دیندار، متقی، مخلص اور دنیا کی طلب سے بے نیاز واقع ہوئے تھے، اپنی علمی عزت اور وقار کو قائم رکھنے کے لئے نہایت اچھے لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ ان کا قول ہے کہ "علم حدیث نہایت شریف علم ہے جو مکارم اخلاق اور اچھے محاسن کا متقاضی ہے، یہ دنیاوی علم نہیں ہے بلکہ آخرت کے علوم میں سے ہے جو شخص حدیث کی سماعت کا خواہشمند ہے اُسے چاہئے کہ اخلاص اور صحت نیت کو اپنے سامنے رکھے۔

شیخ موصوف ہمیشہ لوگوں کو نیکیوں کی طرف مائل کرتے اور برائیوں سے روکتے تھے، عام و خاص یہاں تک کہ

امراء اور سلطان شیخ ابن صلاح کی بہت زیادہ تعظیم اور تکریم کرتے تھے۔

شیخ ابن صلاح کے شاگرد ابن خلکان کا بیان ہے کہ "شیخ ابن صلاح تفسیر، حدیث، فقہ، اسماء الرجال اور متعلقات حدیث میں فضلائے عصر سے تھے، متعدد علوم میں شیخ موصوف کو کامل دسترس حاصل تھی، ان کے فتاوے درست ہوتے تھے، وہ میرے اساتذہ میں ایک تھے جن سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

امام ذہبی کا بیان ہے کہ تقی الدین ابوعمرو (ابن صلاح) امام، مفتی اور شیخ الاسلام تھے، وہ پُرشوکت اور بارعب اور خوش لباس تھے، سلطان اور امراء کے نزدیک شیخ موصوف عزت و وقار کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔

امام ابوحفص ابن الحاجب کا بیان ہے کہ شیخ ابن صلاح متقی، صاحب عقل و دانش تھے، اصول اور فروع میں انہیں تبحر حاصل تھا۔ طلب علم میں وہ ضرب المثل تھے، عبادت اور طاعت میں وہ منہمک رہتے تھے۔

سخاوی نے اپنی کتاب فتح المغیث کی ابتدا میں لکھا ہے کہ تقی الدین ابوعمرو عثمان بن صلاح الدین، علامہ، فقیہ، امام، حجت، حافظ الوقت، مفتی عراق اور شیخ الاسلام تھے، دینی علوم میں انہیں تبحر حاصل تھا، تمام مذاہب سے واقف تھے، لغت اور عربیت میں انہیں کافی دستگاہ حاصل تھی، اپنے زمانے میں عدیم النظیر تھے، خلق اللہ کو اُن سے بہت فائدہ پہونچا تھا، اور موصوف کی تصانیف پر سب کو اعتماد تھا۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ شیخ ابن صلاح کی وفات (بعمر ۶۶ سال) بروز چہارشنبہ صبح کے وقت ۲۵ ربیع الآخر ۶۴۳ھ ہجری کو دمشق میں ہوئی، ظہر کے بعد اُن کے جنازے کی نماز جامع دمشق میں پڑھی گئی۔

امام ذہبی کا بیان ہے کہ شیخ موصوف کے جنازے میں خلقت کا ہجوم تھا، جنازے کو لوگ اپنے سروں پر لے گئے لیکن قبرستان تک جانے سے پہلے واپس آگئے، کیونکہ خوارزمی افواج نے شہر دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا، صرف دس آدمی جنازہ لے کے مقبرے تک پہونچے اور رباب النصر کے باہر مقابر صوفیہ میں دفن کیا۔

شیخ موصوف کی تصانیف کے نام یہ ہیں:-

(۱) طبقات الفقہاء الشافعیۃ (۲) الامالی (۳) فوائد رحلۃ (یعنی سفرنامہ) (۴) ادب المفتی والمستفتی۔ (۵) صلۃ الناسک فی صفۃ المناسک (۶) شرح الوسیط فی فقہ الشافعی (۷) الفتاویٰ (۸) شرح صحیح مسلم (۹) المؤتلف والمختلف فی اسماء الرجال (۱۰) علوم الحدیث یعنی مقدمہ ابن صلاح۔

امام عراقی کا بیان ہے کہ اہل حدیث نے علم اصطلاح حدیث میں جتنی کتابیں لکھی ہیں ان سب میں بہتر ابن صلاح کی کتاب علوم الحدیث (جو مقدمہ ابن صلاح کے نام سے مشہور ہے) (اردو دیباچہ کتاب علوم الحدیث لابن صلاح)[1]

[1] نوٹ: اس کے بعد نمبر ۲ امام نواوی کا حال ہے جو کتاب میں غلطی سے بعد میں آگیا ہے۔

آٹھویں صدی کے بعض مشہور محدثین

۱ — مزی

(۶۵۴ — ۷۴۲ھ)

ابو الحجاج کنیت، یوسف نام، جمال الدین لقب ہے، والد کا نام الزکی عبد الرحمٰن بن یوسف القضاعی الکلبی ہے۔ مزی ۶۵۴ھ ہجری میں شہر حلب کے بیرونی حصہ میں پیدا ہوئے، اور مقام المزۃ میں نشو ونما پائی اس لئے مزی کی نسبت سے مشہور ہوئے، مزی شافعی مذہب کے پیرو تھے، حافظِ حدیث، حافظِ قرآن اور محدث شام کہے جاتے تھے، حرمین شریفین، حلب، حماۃ، اور بعلبک کے شیوخ سے تعلیم حاصل کی، نہایت خوشخط تھے عربیت میں کافی مہارت رکھتے تھے، اور علم رجال کے علمبردار تھے، حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ فن رجال میں مزی اس قدر معلومات رکھتے تھے کہ آنکھوں نے ان کے جیسے آدمی کو نہیں دیکھا ہے، فن رجال میں ان کی تصنیف "تہذیب الکمال" بڑے پایہ کی کتاب ہے جو دوسو اجزاء پر حاوی ہے، دوسری کتاب اطراف ہے۔ جو اطراف مزی کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب اسی سے زیادہ اجزاء پر مشتمل ہے، مختلف مقامات کے مدارس میں شیخ موصوف نے تدریسی خدمات انجام دی تھیں ان مدارس میں ایک الدار الاشرفیہ ہے، شیخ موصوف کے اوصاف میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ، حجت، صاحب علم کثیر بہترین اخلاق کے حامل، متواضع، حلیم، کم گو اور زیادہ خاموش رہنے والے انسان تھے۔ اکل وشرب اور لباس میں درمیانے طریقے کے پابند تھے، لوگوں کے مصالح اور حاجت روائی میں ہمیشہ رواں دواں رہتے تھے، سماع حدیث میں علامہ ابن تیمیہ کے رفیق تھے، فقہ میں طریقۂ سلف پر عامل تھے، اور فقہی مسائل کو نظری اصول اور کلامی قواعد سے مستحکم بناتے تھے، معقولات اور ماورار معقولات سے بہت دلچسپی رکھتے تھے، علم معقول میں کافی درک رکھتے تھے، اور اس علم میں بھی ان کے مشاغل بہت تھے مگر اس علم میں ان کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ شیخ مزی میرے استاد تھے، معقولی مسائل میں مجھ سے اور شیخ موصوف سے بہت زیادہ مباحثے اور مجادلے ہوتے رہتے تھے، جن کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے، وہ وحدت الوجود کے قائل تھے، جب ان کے شاگرد عفیف تلمسانی کو جو ان کے پاس بہت زیادہ رہتے تھے شیخ مزی کے اس عقیدہ کی اطلاع ہوئی تو وہ مزی سے کنارہ کش ہو گئے اور ان کی مخالفت شروع کر دی۔ ابو الحسن ابن العطار بھی مزی کے سخت مخالفین

ہیں تھے، وہ شیخ موصوف کو سخت اذیتیں دیتے تھے اور انہیں دشنام دہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، لیکن شیخ مزی اپنے مخالفین کی سخت کلامی سنتے رہتے اور بالکل جواب نہیں دیتے تھے، اور ہمیشہ سکوت اختیار کرتے تھے، وہ اپنی کتابیں لوگوں کو مفت دیتے تھے، بڑے محاسن رکھنے والے تھے۔

شیخ مزی کی وفات ۷۴۲ھ ہجری میں ہوئی ہے (تذکرۃ الحفاظ) (کتاب تذکرۃ الحفاظ میں شیخ مزی کا سنہ وفات ۷۲۴ھ ہجری کا چھپ گیا ہے جو غلط ہے۔ مؤلف)

۴ — نواوی

(۶۳۱ - ۶۷۶ھ)

ابو زکریا کنیت، محی الدین لقب اور یحییٰ نام ہے والد کا نام شرف بن مری الحوامی الحوارنی ہے۔ مقام نوی کے رہنے والے تھے اور یہیں ان کی وفات ہوئی اس نسبت سے ابو زکریا یحییٰ نواوی اور نووی مشہور ہوئے، شافعی المذہب تھے، اپنے زمانے کے امام، حافظ حدیث، شیخ الاسلام اور یکتائے روزگار تھے، بماہ محرم ۶۳۱ھ پیدا ہوئے، اور ۲۴ رجب ۶۷۶ھ ہجری میں وفات پائی، ۶۴۹ھ ہجری میں وہ دمشق آئے، رواحیہ میں رہنے لگے مدرسے سے روٹی ملتی تھی اسی پر گذر کرتے تھے۔ حافظہ بہت اچھا تھا ساڑھے چار ماہ میں کتاب التنبیہ زبانی یاد کرلی، اور کتاب المہذب کا چوتھائی حصہ پڑھ کے حفظ کرلیا اس کے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ حج کیلئے گئے۔ بعد فراغت حج مدینہ منورہ میں ڈیڑھ ماہ مقیم رہے، حج کے لئے جب گھر سے چلے تھے راستہ بھر بیمار رہے، شیخ ابوالحسن العطار کا بیان ہے کہ مجھ سے نواوی نے بیان کیا کہ میں ہر روز بارہ سبق مشائخ سے پڑھتا تھا، اور مشکل الفاظ کو معانی اور شرح کے ساتھ اور لغوی الفاظ کو ضبط اعراب کے ساتھ لکھ لیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے اوقات میں برکت دی، ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ طب بھی پڑھوں، قانون شیخ کا مطالعہ شروع کیا، مگر اس سے میرے دل میں تاریکی پیدا ہوگئی، چند دنوں تک کچھ کام نہ کرسکا میں نے قانون کو فروخت کردیا تو میرا قلب منور ہوگیا، ابن العطا کا بیان ہے کہ نواوی شب و روز میں کسی وقت بھی بیکار نہیں رہتے تھے، راستہ چلتے ہوئے بھی پڑھتے جاتے تھے، چھ سال تک ان کی یہ حالت رہی، پھر وہ تالیف و تصنیف میں مشغول ہوگئے۔

نواوی عبادت اور اوراد و اذکار میں برابر مشغول رہتے تھے۔ بہت ہی سادہ زندگی اختیار کی تھی، خورد و نوش بقدر کفاف تھا لباس بھی بہت کم درجہ کا ہوتا تھا اور پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، شیخ رشید ابن معلم نے نواوی کو ملامت کی کہ تم حمام میں نہیں جاتے ہو، کھانا پینا نہایت معمولی ہے اور لباس بھی ادنیٰ درجہ کا پہنتے ہو ایسی حالت

میں تم بیمار ہوجاؤ گے اور جو کچھ تم دینی کام کر رہے ہو وہ نہیں کرسکو گے ، نواوی نے جواب دیا ، دیکھئے حضرت عبداللہ (ابن عمرو) نے اتنے روزے رکھے تھے کہ ان کا بدن نیلا پڑ گیا تھا ، نواوی میوہ جات اور کھیرا ککڑی بالکل نہیں کھاتے تھے ، اور کہتے تھے کہ ان چیزوں کے کھانے سے جسم میں رطوبت پیدا ہوتی ہے ، اور نیند بہت آنے لگتی ہے ، وہ دن رات میں صرف ایک ہی دفعہ عشا کو کھانا کھا لیتے تھے ۔ وہ بمشکل کسی سے ہدیہ قبول کرتے تھے ، نواوی کے والد روٹی کی ٹکیہ اور انجیر لاکے دیتے تھے نواوی یہی کھاکے رہ جاتے تھے ۔ ۶۶۵ھ ہجری میں وہ دارالحدیث کے مشیخہ قرار دیئے گئے تھے ۔

شیخ شمس الدین بن عجز حنبلی کا بیان ہے کہ نواوی امام کامل ، حافظ حدیث ، صاحب اتقان اور تمام علوم میں پختہ تھے کافی تعداد میں کتابیں تصنیف کی تھیں ، بہت زیادہ متقی اور زاہد تھے ، تمام مرغوب اشیاء کو ترک کر دیا تھا ۔

شیخ قطب الدین یونینی کا بیان ہے کہ نواوی علم اور تقویٰ ، عبادت و ریاضت میں یکتائے زمانہ تھے ، ان کی زندگی نہایت سادہ تھی ۔ امام نواوی لوگوں کو نیکیوں کی ہدایت کرتے اور برائیوں سے روکتے تھے ، وہ بادشاہوں کے پاس بھی نصیحت کے لئے جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان کو ڈراتے تھے ۔

امام نواوی بیت المقدس گئے ، اور زیارت کرکے اپنی سکونت گاہ نویٰ پہونچے کہ وہ اپنی والد کی موجودگی میں بیمار ہوئے اور اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کردی اُن کی قبر زیارت گاہ ہے ۔

امام نواوی کی تصانیف میں شرح صحیح مسلم بہت مشہور ہے اور تمام علمائے اسلام میں متداول ہے ، اس کے علاوہ ریاض الصالحین الاذکار ، الاربعین ، الارشاد ، التقریب ، کتاب المبھمات ، تحریر الالفاظ ، العمدة فی تصحیح التنبیہ ، الایضاح ، المناسک ، التبیان ، الروضة ، شرح المہذب ، وغیر ذلک کتابیں ہیں ۔

ابن العطار نے نواوی کے حالات قلمبند کئے ہیں جو چھ کراسوں (دفتروں) میں ہیں ۔

شیخ نواوی کے شیوخ اور تلامذہ کے نام حافظ ذہبی نے تذکرة الحفاظ میں لکھے ہیں بخوف طوالت وہ یہاں نہیں لکھے گئے (تذکرة الحفاظ)

۲۔ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ

(۶۲۵ — ۷۰۲ھ)

ابوالفتح کنیت ، تقی الدین لقب ، محمد نام ہے ۔ ابن دقیق العید کے نام سے مشہور تھے ، والد کا نام علی بن وہب

بن مطیع قشیری منفلوطی، صعیدی ہے، امام ذہبی نے ابن دقیق العید کو امام، فقیہ، مجتہد، محدث، حافظ، علامۃ شیخ الاسلام کے الفاظ سے یاد کیا ہے، مالکی اور شافعی مذاہب کے پیرو اور صاحبِ تصانیف تھے۔

بماہ شعبان ۶۲۵ھ ہجری میں سرزمین حجاز کے قصبہ ینبع کے قریب ایک مقام میں پیدا ہوئے، اور صفر کے مہینے میں ۷۰۲ھ ہجری کو وفات پائی، متعدد شیوخ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

ابن دقیق العید کی تصانیف میں شرح عمدۃ، کتاب المام، کتاب الامام فی الاحکام ہے یہ کتاب اگر مکمل ہو جاتی اور تبیض بھی اس کی ہو جاتی تو اس کی پندرہ جلدیں ہوتیں، ان کتابوں کے علاوہ حدیث میں ایک کتاب ہے، نیز اصولِ فقہ میں مقدمہ المطرزی کی شرح لکھی ہے، ایک اور کتاب الاربعون فی الروایۃ عن رب العالمین ہے اور فقہ مالکی میں مختصر ابن حاجب کی شرح لکھی ہے، جو کتب فقہ میں بے مثال ہے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں کہ میں نے ابن دقیق العید سے انہیں کے الفاظ سے بیس حدیثیں سُنی ہیں، اور ایک حدیث کا انہوں نے املا کرایا تھا، اصول اور معقول میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا، اور منقول کے علل میں بڑی بصیرت رکھتے تھے، وہ دیار مصریہ میں منصبِ قضا پر کئی سال تک فائز رہے تھے، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، وہ طہارت اور پانی کی کے معاملہ میں ہمیشہ وسوسوں میں مبتلا رہتے تھے۔

حافظ قطب الدین حلبی کا بیان ہے کہ شیخ تقی الدین (ابن دقیق العید) اہلِ زمانہ کے امام تھے، علم اور زہد میں اپنے اقران پر فوقیت رکھتے تھے، دونوں مذاہب (مالکی و شافعی) سے اچھی طرح سے واقف تھے، اور ان دونوں کے اصول کے امام تھے، حافظِ حدیث، صاحبِ اتقان اور مہارت علوم میں ضرب المثل تھے، حافظہ قوی تھا، ہمیشہ ذکر و فکر میں مشغول رہتے تھے شب بیدار تھے، تلاوتِ قرآن ذکر و ورد اور تہجد میں رات گذار دیتے تھے، اور تمام اوقات میں یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے، آنکھوں نے اُن کی جیسی ہستی ان کے زمانے میں نہیں دیکھی ہے۔

وہ منصبِ قضا پر بار بار فائز کئے جاتے اور کچھ دنوں کے بعد استعفاء دیدیتے تھے سلطان حسام الدین سے جب وہ ملنے گئے تو وہ ان کے استقبال کے لئے کھڑا ہو گیا، شیخ موصوف اپنے طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آتے تھے اور ان سے اچھا سلوک کرتے تھے۔ شیخ موصوف کے پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ نہایت پرسکون اور پُر وقار زندگی انہوں نے بسر کی، وہ بہت زیادہ عاقل واقع ہوئے تھے اور اذکیائے زمانہ میں سے تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

۳۔ امام ابن تیمیہؒ

(۶۶۱ - ۷۲۸ھ)

ابو العباس کنیت، تقی الدین لقب، احمد نام اور ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہیں، والد کا نام مفتی شہاب الدین عبدالحلیم ابن امام مجتہد شیخ الاسلام مجدالدین عبدالسلام بن عبداللہ بن ابی القاسم الحرانی ہے۔

حافظ ذہبی نے ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام، علامۃ، حافظ، ناقد، مفسر، مجتہد، علم الزہاد، نادرۃ العصر کے الفاظ سے یاد کیا ہے، ربیع الاول کے مہینے میں ۶۶۱ھ ہجری کو پیدا ہوئے، بکثرت مشائخ کے پاس حاضر ہو کر ان سے تعلیم حاصل کی اور محدثین کی بڑی تعداد سے حدیث کی سماعت کی، اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے میں انہوں نے خاص توجہ کی، رجال، علل حدیث، فقہ حدیث، علوم اسلام علم کلام اور دوسرے علوم میں مہارت حاصل کی۔

ابن تیمیہ علم کے دریا تھے، اذکیاء میں ان کا شمار تھا، زہاد کی جماعت میں فرد تھے، بہت بڑے شجاع بہت کریم النفس اور اسخیاء میں تھے، ان کے موافقین اور مخالفین سب ہی ان کے مداح اور ثنا گو تھے، ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً تین سو جلد ہے۔ مسافرین ان کی تصانیف کو اپنے دوران سفر میں ساتھ رکھتے تھے۔ دمشق اور مصر میں علامہ ابن تیمیہ نے حدیث کی روایت کی، وہ کئی دفعہ سخت آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور مصر، قاہرہ اور اسکندریہ کے قلعوں میں قید کئے گئے۔ قلعہ دمشق میں دو بار قید میں رکھے گئے اور اسی قلعہ دمشق میں بحالت قید ۲۰ ذوالقعدہ ۷۲۸ھ ہجری میں وفات پائی، اور اپنے بھائی امام شرف الدین عبدالقادر کے پہلو میں مقابر صوفیہ میں دفن کئے گئے وہ اپنے فتاویٰ میں منفرد واقع ہوئے تھے اور انہیں فتاویٰ کی وجہ سے وہ آزمائش اور قید میں مبتلا کئے جاتے تھے، حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ میں نے ان کے جیسا شخص کسی کو نہیں دیکھا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

(علامہ ابن تیمیہ کی ایک کتاب جو مختصر الفتاویٰ المصریہ کے نام سے ۱۵۵ صفحات پر حاوی ہے، حکومت سعودی کی مالی امداد سے مصر میں طبع کی گئی ہے، ابن تیمیہ پر برصغیر پاک و ہند کے اہل علم مسلمانوں نے بھی بکثرت مضامین لکھے ہیں۔ مؤلف)

۴۔ امام ذہبی

ابو عبداللہ کنیت، محمد نام، شمس الدین لقب ہے، ذہبی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، والد کا نام احمد بن عثمان ہے، ذہبی اپنے زمانے کے امام، حافظ حدیث، مورخ اور صاحب تصانیف تھے، علمائے اسلام کا

اتفاق ہے کہ حافظ ذہبی ثقہ، حجت اور صاحبِ اتقان تھے۔ حافظ ذہبی ۶۷۳ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۷۴۸ھ ہجری کو اُن کی وفات ہوئی حافظ ذہبی کی تصانیف بہت ہیں بعض کتابوں کے نام یہ ہیں، تاریخ اسلام، تذکرۃ الحفاظ چار جلد، رسالۃ فی الرواۃ الثقات، سیر اعلام النبلاء ۱ - ۲ - ۳ اجزاء مطبوعہ باقی اجزاء قلمی حالت میں دارالکتب مصریہ میں محفوظ ہیں، میزان الاعتدال تین جلد، تجرید اسماء الصحابۃ ۲ جلد تذہیب تہذیب الکمال حافظ ذہبی نے اپنے استاذ مزی کی کتاب تہذیب الکمال کو مختصر کرکے تذہیب تہذیب الکمال نام رکھا۔ المشتبہ فی اسماء الرجال یہ کتاب لیڈن یورپ میں طبع ہوئی ہے۔

حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ چار جلدوں میں دو بار دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن میں طبع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں شیخ موصوف نے مشہور صحابہ کرام، تابعین اور پہلی صدی سے نصف آٹھویں صدی تک جتنے مشہور محدثین اور حفاظِ حدیث گذرے ہیں۔ اُن کے حالات، سالِ ولادت اور سالِ وفات، اُن کے شیوخ اور تلامذہ کے نام تفصیل سے لکھے ہیں اور محدثین کے طبقات پر تقسیم کرکے ہر طبقہ کے حالات ترتیب وار تحریر فرمائے ہیں۔ چوتھی جلد کے آخر میں حافظ ذہبی نے اپنے شیوخ کے نام نہایت مختصر حالات سالِ ولادت کے ساتھ قلم بند فرمائے ہیں اگر اُن شیوخ کی وفات حافظ ذہبی کی زندگی میں ہو گئی ہے تو اُن کا سالِ وفات بھی لکھ دیا ہے، اور اپنے ایک شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی الشافعی کے سالِ ولادت لکھنے کے بعد آخر میں لکھا ہے "مات سنۃ ست وخمسین وسبعمائۃ" یعنی اُن کی وفات ۷۵۶ھ ہجری میں ہوئی۔

یہ بندہ عرض کرتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ تقی الدین علی بن عبدالکافی کا سالِ وفات حافظ ذہبی کے کسی شاگرد نے اپنے قلم سے مسودہ تذکرۃ الحفاظ میں بعد کو اضافہ کر دیا ہے، کیونکہ حافظ ذہبی کی وفات شیخ موصوف سے آٹھ سال پہلے ہو چکی تھی۔ نیز یہ بندہ احمد اللہ عرض کرتا ہے کہ امام ذہبی کا روحانی فیض سے یہ بندہ بہرہ ور ہوا وہ اس طرح کہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تعلیم کے زمانے میں تذکرۃ الحفاظ حافظ ذہبی کی مطالعہ کر رہا تھا یہ کتاب اس قدر مجھے پسند آئی کہ میں نے دل میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ امام ذہبی کی روحانی فیض سے اس طرح مستفید فرمائے کہ جس دائرہ میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے اسی دائرہ سے میں وابستہ ہو جاؤں تاکہ اسلامی علوم کی امہات الکتب کا مطالعہ کر سکوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

نویں صدی ہجری کے ایک مشہور محدث

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی

نواب صدیق حسن قنوجی بخاری مرحوم نے حافظ ابن حجر کی کتاب بلوغ المرام کے آخر میں حافظ موصوف کے حالات مختلف کتابوں سے اخذ کر کے لکھے ہیں اُن کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے۔

ابو الفضل کُنیت، شہاب الدین لقب، احمد نام، ابن حجر عسقلانی کے نام سے مشہور ہیں، والد کا نام علی بن محمد بن محمد بن علی الکنانی العسقلانی ہے۔

حافظ ابن حجر ۱۲ شعبان ۷۷۳ھ ہجری میں مصر میں پیدا ہوئے اور سینچر کی رات کو ۲۲ ماہ ذوالحجہ ۸۵۲ھ ہجری میں قاہرہ میں وفات پائی اس وقت اُن کی عمر ۷۹ سال ۴ ماہ دس دن کی تھی، مصر ہی میں اُن کی نشو ونما ہوئی، ابن حجر بچہ تھے کہ ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا، ان کے والد نے جو ممتاز عالم تھے نہایت توجہ سے اپنے فرزند کی پرورش کی، پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے، اور نو سال کی عمر میں نفیہ صدر الدین السقطی شارح مختصر التبریزی سے پورا قرآن حفظ کیا اور تراویح میں قرآن سُنانے کا موقع کئی سال تک نہیں ملا، ۷۸۵ھ ہجری جب وہ مکہ میں النہ کی الخروبی کے جوار میں تھے اُنہیں تراویح میں قرآن سُنانے کا موقع ملا، حافظ ابن حجر نے فقہ کی تعلیم شیخ سراج الدین بلقینی، شیخ سراج الدین بن ملقن، اور شیخ برہان الدین انباسی سے اصول وغیرہ کی تعلیم علامہ عز الدین ابن جماعۃ سے حاصل کی اور ابن جماعۃ کی خدمت میں عرصہ تک وابستہ رہے، یمن تب گئے وہاں مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس سے لُغت، غماری اور محب بن ہشام سے ادب عربی، بدر البشتکی سے عروض، ابو علی زفتاوی اور نور یدحاصلی سے کتابت، اور برہان تنوخی سے قراءات سبعہ کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا اس کی تعلیم کے لئے مشائخ عصر کی طرف رجوع کیا اور ان سے استفادہ حاصل کرنے کے بعد حافظ وقت زین الدین عراقی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلسل دس سال تک ان کے ساتھ رہے، اور ان سے حدیث کی بڑی اور چھوٹی کتابیں پڑھیں اور زین عراقی سے بکثرت امالی بھی قلم بند کئے اور مزید تعلیم کے لئے اسکندریہ، قدس، شام، حلب، حجاز اور یمن کا علمی سفر کیا اور یہاں کے شیوخ سے عالی اور نازل اسانید کی سماعت کی، حافظ ابن حجر کے تمام اساتذہ اور شیوخ اپنے علم اور فن کے ماہر اور یگانہ روزگار تھے، حافظ موصوف کو حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق اس قدر غالب تھا کہ وہ احادیث کی ہر ایک کتاب کو

اپنے شیوخ سے چند دنوں میں پڑھ کے ختم کرنے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ کتاب نسائی کبیر کو چار گھنٹے روزانہ پڑھ کے دس دنوں میں، معجم طبرانی صغیر کو نماز ظہر کے بعد سے عصر کی نماز کے درمیان تک ایک دن میں ختم کیا، یہ معجم طبرانی صغیر پندرہ سو احادیث پر مشتمل ہے، صحیح بخاری کو ہر روز چار گھنٹے پڑھ کے دس دنوں میں سنن ابن ماجہ کو چار مجلسوں میں اور صحیح مسلم کو بھی چار مجلسوں میں پڑھ کے ختم کیا، سوائے مجلس ختم کے جو دو دنوں سے کچھ زیادہ وقت میں پوری ہوئی، اسی طرح مجد لغوی کی کتاب ناصر الدین ابوعبداللہ محمد بن جھبل سے دمشق میں باب الفرج اور النصر کے درمیان نعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں صرف تین دنوں میں پوری پڑھ لی۔

حافظ ابن حجر کے ممتاز شاگرد جلال الدین سیوطی کا بیان ہے کہ حافظ ابن حجر نے آب زمزم اس نیت سے پیا تھا کہ وہ حافظ ذہبی کے مرتبہ تک پہونچ جائیں اللہ تعالیٰ نے انہیں حافظ ذہبی کے مرتبہ تک بلکہ اس سے زیادہ بلند مرتبہ تک پہونچا دیا، حافظ ابن حجر کے دوسرے ممتاز شاگرد سخاوی کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ کبھی بیکار نہیں رہتے تھے، ہمہ دم وہ مطالعۂ کتب، تصنیف و تالیف درس و تدریس اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، بخدا میں نے ان سے زیادہ کسی کو حافظہ والا نہیں دیکھا ہے، حافظ ابن حجر کے استاذ شیخ زین عراقی کی شہادت ہے کہ میرے تلامذہ میں سب سے زیادہ حدیث کا علم رکھنے والے ابن حجر ہیں، اور جب زین عراقی مرض الموت میں مبتلا ہوئے، اُن سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا؟ اُنہوں نے کہا میرے بعد میرے جانشیں ابن حجر ہونگے، پھر میرے فرزند ابو زرعۃ اور پھر ہیثمی ہوں گے۔ اسی طرح دوسرے اساتذہ تقی فاسی اور برہان حلبی کا بیان ہے کہ ہم نے ابن حجر کے جیسا شخص کسی کو نہیں دیکھا ہے، امیر تغری برمش نے حافظ ابن حجر سے پوچھا، کیا آپ نے اپنے جیسا شخص کسی کو دیکھا ہے؟ حافظ موصوف نے جواب دیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فلا تزکوا انفسکم" تم اپنے نفس کی پاکبازی نہ بیان کرو۔

حافظ ابن حجر نہایت ذہین، ذکی، قوی الحافظہ، سخت محنت کے عادی علم کے وارفتہ اور وسیع معلومات کے حامل تھے وہ عقل سلیم اور فکر مستقیم رکھتے تھے، جب وہ تمام متداول علوم و فنون سے فارغ ہوگئے تو اُن کے تمام شیوخ مثلاً بلقینی اور زین عراقی نے حافظ ابن حجر کو درس و تدریس اور افتاء کی اجازت دی، چنانچہ حافظ ابن حجر نے تفسیر کی تعلیم درسگاہ حسینیہ، اور منصوریہ میں، حدیث کی تعلیم درسگاہ بیبرسیۃ، جمالیۃ، کاملیۃ، حسینیۃ، زینیۃ، شیخونیۃ، جامع طولون اور قبۂ منصوریۃ میں، حدیث سُنانے کے لئے محمودیہ میں فقہ کی تعلیم مصر کے

حرزبیة، بدریة، شریفیة فخریة، شیخونیة اور صلاحیة میں دی، افتار کی خدمت دار العدل میں انجام دی اور خطابت کے فرائض جامع ازہر اور جامع عمرو میں ادا کئے اور مدرسہ بیبرسیة کی انتظامی خدمت بھی حافظ موصوف کو سپرد کی گئی، وہ متعدد بار قاضی بنائے گئے اور قاضی القضاۃ کے عہدے پر بھی فائز کئے گئے، اکثر ایسا ہوا کہ وہ منصب قضا سے خود ہی استعفا دیدیتے اور یا حکومت کی طرف سے سبکدوش کر دیئے جاتے اور پھر دوبارہ اسی عہدۂ قضا پر بحال کر دیئے جاتے، مختلف اوقات میں حافظ ابن حجر نے قاضی اور قاضی القضاۃ کی جتنی مدت تک خدمات انجام دیں ان سب مدتوں کو جمع کیا جائے تو اکیس سال سے کچھ زیادہ مدت ہوتی ہے حافظ ابن حجر کے پاس تحصیل علم کے لئے طلبہ کا ہجوم رہتا تھا، ہر مذہب اسلامی کے طلبہ حافظ ابن حجر کی تعلیم سے فیضیاب ہو کر نکلتے اور امام وقت ثابت ہوئے، حافظ ابن حجر کے ممتاز اور مشہور تلامذہ میں حافظ جلال الدین سیوطی اور سخاوی ہیں، حافظ ابن حجر اپنے طلبہ کے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آتے تھے، اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے، حافظ ابن حجر کے فتاوے بھی تمام آفاق میں پھیل گئے تھے اور ان کی تالیفات وتصنیفات بھی ان کی زندگی ہی میں اکناف عالم میں نشر پا چکی تھیں اور بہت مقبول ہو گئی تھیں، وہ ثقہ اور حجت تھے، ان کی ذات میں اتنی خوبیاں جمع ہو گئی تھیں کہ اُن کے زمانہ میں کسی شخص میں اتنی خوبیاں نہ تھیں، جلال الدین سیوطی کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجر کے زمانے میں پورے عالم اسلامی میں کوئی دوسرا شخص حافظ حدیث نہیں تھا، وہ اپنے خورد ونوش، نشست و برخاست اور لباس میں نہایت محتاط و ارفع ہوتے تھے۔ خاطر مدارات، آداب و اخلاق، اور حُسنِ معاشرہ میں بہت نیک نام تھے، اور امانت و دیانت میں مشہور تھے حافظ ابن حجر کی تالیفات وتصنیفات کی تعداد ڈیڑھ سو کتابوں سے زیادہ ہے، بعض کتابوں کے نام یہ ہیں:-

فتح الباری شرح صحیح بخاری ۱۲ جلد، تہذیب التہذیب فی اسماء الرجال، وتقریب التہذیب، لسان المیزان فی الرجال، والاصابة فی الصحابة، ونکت ابن الصلاح، ورجال الاربعة، النخبة وشرح النخبة، وتقریب المنہج بترتیب المدرج، اللباب فی شرح قول الترمذی وفی الباب اتحاف المہرة باطراف العشرة، واطراف المسند المعتلی باطراف المسند الحنبلی، والاحتفال ببیان احوال الرجال، وطبقات الحفاظ والکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف، ونصب الرایة فی تخریج احادیث الہدایة، وہدایة الرواة فی تخریج احادیث المصابیح والمشکوة، والاحکام لبیان ما فی القرآن من الابہام، ونزہة السامعین فی روایة الصحابة عن التابعین، وکتاب الانوار بخصائص المختار، والدرر الکامنة فی اعیان المائة الثامنة، وبلوغ المرام فی احادیث الاحکام، ودیوان الشعر، ودیوان الخطب الازہریة،

والامالی الحدیثیۃ، وغیر ذلک اور ایک ہزار سے زیادہ مجلسوں میں املا کرایا۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری جب مکمل ہوئی تو اس کی خوشی میں حافظ ابن حجر نے دعوت طعام کا انتظام کیا اس دعوت میں شہر قاہرہ کے علماء، اعیانِ سلطنت اور اکابرِ ملت کو مدعو کیا۔ اس دعوت میں پانچ سو دینار خرچ ہوئے تھے، فتح الباری اتنی مقبول ہوئی کہ اطراف ملک کے بادشاہوں نے تین تین سو دینار بھیج کے اس کا ایک ایک نسخہ منگوایا، درحقیقت صحیح بخاری کی یہ شرح ایسی ہے کہ نہ اس سے پہلے اتنی اچھی اور جامع لکھی گئی اور نہ بعد کو اب تک لکھی گئی ہے۔ جب حافظ ابن حجر کی وفات ہوئی تو جنازے میں شرکت کے لئے پورا شہر اُمنڈ کر آگیا تھا، تمام امراء، اعیانِ سلطنت اور خود سلطان نے بھی حاضر ہو کر جنازے کو کندھا دیا، جس وقت ان کی میت نماز جنازے کے لئے رکھی گئی تو آسمان پر بادل چھا گئے حالانکہ کچھ دیر پہلے تک آسمان پر بالکل بادل نہ تھے، اس وقت شاعر عصر الشہاب المنصوری نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

قد بکت السحب علی قاضی القضاۃ بالمطر	قاضی القضاۃ کی موت پر آسمان کے بادل پانی برسا کر رونے لگے
وانہدم الرکن الذی کان مشید آبالحجر	وہ رکن جو حجر (ابن حجر) سے مضبوط کیا گیا تھا آج منہدم ہو گیا

شہر قاہرہ کے علاقہ قرافہ صغری میں تُربت دیلمی کے مقابل دفن کئے گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ابن حجر کی وفات کے بعد مرثیہ قصائد لکھے گئے اور پڑھے گئے، حافظ ابن حجر کے حالات اُن کے شاگرد حافظ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ، اور کتاب طبقات الحفاظ اور کتاب نظم العقیان فی اعیان الاعیان میں اور ابن حجر کے دوسرے شاگرد سخاوی نے اپنی کتاب الذیل الطاہر میں لکھے ہیں، اور دوسرے علماء نے بھی حافظ موصوف کے حالات تحریر کئے ہیں، حافظ ابن حجر کی کتاب الدرر الکامنۃ تہذیب التہذیب اور لسان المیزان اور چند دوسری کتابیں دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں طبع ہو چکی ہیں۔

افاضل علمائے کرام کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ حفاظِ حدیث کی ریاست اور سیادت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی پر ختم ہو گئی ہے اللہ تعالیٰ انہیں فردوس بریں میں جگہ عطا فرمائے۔

آٹھویں صدی یا زیادہ سے زیادہ نویں صدی کے بعد اسلامی علوم و فنون میں جمود پیدا ہو گیا ہے اور اسلاف میں جو علمی حرکت تھی، حصولِ علم کے لئے جو جوش و ولولہ تھا، تالیف و تصنیف میں جو تحقیق و تدقیق ہوتی تھی، مضامین جو تنوع ہوتا تھا، وہ سب اوصاف ایک ایک کر کے زمانہ کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔ اس تاریکی میں جب کبھی کوئی ٹمٹماتا ہوا علمی چراغ نمودار ہوا بھی تو اس کی روشنی ہمارے اسلاف جو نویں صدی ہجری سے پہلے تھے اُن کی ماہتابانی کی روشنی کی جیسی کہاں ہو سکتی ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تقریظ

از جناب محدث عصر مولانا سید شاہ فضل اللہ جیلانی سابق صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن و شارح کتاب الادب المفرد امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ جناب موصوف حرمین شریفین سے مراجعت فرما کر کراچی تشریف لائے تاکہ اپنی صاحبزادیوں کو جو یہاں پہلے سے سکونت پذیر ہیں دیکھ کے مسرور ہوں اسی اثناء میں پاک و بھارت کی جنگ چھڑ گئی جس کی وجہ سے ہندوستان نہ جا سکے موصوف نے اپنے اس قیام کراچی کے زمانہ میں ناچیز کی تالیف تاریخ حدیث اور محدثین کی دونوں جلدیں ملاحظہ کیں اور اس کے بعد آپ نے جو خیالات ظاہر فرمائے وہ یہ ہیں:-

پیش لفظ

علمائے اسلام نے محض جذباتی تعلق سے نہیں بلکہ پورے شعور، عزم اور ارادی توجہ کے ساتھ اپنے نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرکات و سکنات اور آپ کے ارشادات کی حفاظت اُن کے جمع اور اُن کی تدوین و اشاعت کا اہتمام کیا اور اس کے لئے ایک مستقل فن ایجاد کیا، اس کی کوئی نظیر تاریخ ادیان کی ہزارہا برس کی طولانی مدت میں ڈھونڈی نہیں جا سکتی اور جو تاریخی استناد کا رتبہ ذخیرہ حدیث کو حاصل ہے وہ دوسرے مذہبوں کے پیشواؤں کے اقوال کو تو کیا خود اُن کے لائے ہوئے آسمانی صحیفوں کو بھی آج قطعاً حاصل نہیں۔ محدثین کرام رحمہم اللہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور آپ کے افعال و اعمال کی تفصیلات کو شک و شبہ سے پاک رکھنے کے لئے ایسے تقریباً پانچ لاکھ شخصوں کے احوال محفوظ کر لئے جو کسی ایک روایت کے بھی ناقل تھے، دنیا کی تاریخ نے یہ معیار احتیاط و جستجو نہ کبھی دیکھا تھا نہ آج وہ کسی نوشتہ کو اس معیار پر پرکھ کر قابل استناد قرار دے سکتی ہے۔ حدیث و سنت کی خدمت کا یہ سلسلہ بلا کسی فصل کے خود دور نبوی میں شروع ہو چکا تھا اور قرن نبوی سے متصلہ دور میں تو "علم" کے معنی ہی صرف علم حدیث کے سمجھے جانے لگے تھے اور بلادِ اسلامی میں جو علم کی مسندیں آراستہ تھیں وہ دراصل درس حدیث ہی کی مسندیں تھیں خدمتِ حدیث کا یہ سلسلہ اس وقت سے آج تک برابر چلا آ رہا ہے، اور اس کی ضرورت ہر دور میں باقی رہی ہے، خلافتِ راشدہ کے آخری زمانہ میں باطل فرقوں نے سر اٹھایا بعض فرقے نے صرف اہل بیعت کو راوی اول قرار دے کر حدیث کا ایک نیا ذخیرہ تیار کر دیا، اس کے بعد ملوکی ادوار میں اہل ہوا و ہوس نے حصول جاہ و منصب کے لئے بادشاہوں کے اعمال کی تاویل و تصدیق کی خاطر جعلی حدیثوں کا دروازہ کھول دیا، اس لئے یہ ناگزیر ٹھہرا کہ ہر دور میں ایسے محدثین موجود رہیں جو نقل کو اصل سے اور موضوع کو صحیح سے الگ کر کے دکھلاتے رہیں۔

جس دور سے آج ہم گزر رہے ہیں یہ مغرب کے مادی اور علمی و فکری تفوق اور مسلمانوں کے سیاسی و ذہنی مغلوبیت کا دور ہے اس دور میں مستشرقین یورپ نے علوم اسلامی کی ریسرچ کی آڑ میں بلکہ اسلام کی بیخ کنی کا جو کام شروع کیا اس میں ذخیرہ حدیث کو سب سے زیادہ ہدف تنقید بنایا اور بڑی چابکدستی سے ہمارے اس نفیس سرمایہ کو مسلمانوں کی نگاہوں میں نامعتبر بلکہ مضحکہ خیز ٹھہرایا۔ نو تعلیم یافتہ مغرب زدہ مسلمان اس ابلہ فریبی کی زد میں آ گئے اور اپنے اسلاف سے بدظن ہو کر مغرب کی خیرہ چشم خوردہ گیروں کی لاف و گزاف کو حق کا معیار سمجھنے لگے، اس صورت حال نے پھر علمائے حدیث اور

ارباب سیر کو نئے طرز سے دفاع حدیث پر کمربستہ کر دیا، اور وہ پوری جرأت و قوت سے اٹھے، انہوں نے تحقیق کا بھانڈا پھوڑا مستشرقین کی بددیانتی کو عالم آشکارا کیا اور اپنی جنس گرانمایہ کی قدر و قیمت ایک بار پھر بازار علم و فن سے منوالی، علامہ شبلی نعمانیؒ کو اس محاذ کے مجاہدین کے سرخیل ہونے کا فخر حاصل ہے، غرض اس طرح خدمت حدیث کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔

دور حاضر میں حدیث پر سب سے بڑی زد تاخیر تدوین کے الزام سے لگائی گئی اور کہا گیا کہ چونکہ تدوین حدیث رحلت نبوی ﷺ کے نوے ۹۰ برس بعد عمل میں آئی ہے اس لئے اس پر اعتبار مشکل ہے مگر ہمارے علمائے عصر نے اس اعتراض کے پرخچے اڑا دئے اور ثابت کر دیا کہ تاخیر تدوین سے ذخیرہ حدیث ہرگز مشکوک اور مشتبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ گنجینہ حدیث سینوں میں اور کاغذ کے سفینوں میں عہد نبوی ہی سے محفوظ چلا آ رہا ہے اس سلسلہ میں قوی اور کلّا بہ کلّا جواب وہ ہے جو علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور خطبات سیرت (خطبات مدراس) کے خطبہ تاریخیت میں دیا ہے۔ اور تاخیر تدوین کے نفس اعتراض ہی کو تاریخی روشنی میں غلط ثابت کر دکھایا ہے۔ علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں:۔

"تابعین یعنی صحابہ کے تلامذہ کا دور رسالت کے آغاز سے اس طرح شروع ہوتا ہے کہ گو وہ پیدا ہو چکے تھے مگر آنحضرت ﷺ کی زیارت سے محروم رہے یا بہت بچے تھے، اور آنحضرت ﷺ کا فیض نہ حاصل کر سکے، چنانچہ عبدالرحمن بن حارثؒ تابعی تقریباً سنہ ۲ھ میں، قیس بن ابی حازمؒ سنہ ۲ھ میں سعید بن مسیب سنہ ۱۵ھ میں پیدا ہو چکے تھے، یہ دکھانے کے لئے کہ صحابہؓ کے بعد گروہ در گروہ تابعین جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع و حالات اور احکام و قضایا کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں مصروف تھے انکی مجموعی تعداد کیا ہوگی؟ میں صرف ایک مدینہ کے تابعین کی تعداد ابن سعد کے حوالے سے بتاتا ہوں، طبقہ اولیٰ یعنی ان تابعیوں کی تعداد جنہوں نے بڑے بڑے صحابہ کو دیکھا تھا اور ان سے واقعات و مسائل سنے تھے "۱۳۹" ہے، طبقہ دوم یعنی وہ تابعی جنہوں نے مدینہ میں عام صحابیوں کو دیکھا اور ان سے سنا ۱۲۹ ہیں، طبقہ سوم کے وہ تابعین جنہوں نے متعدد یا کسی ایک صحابی کو دیکھا اور ان سے سنا ۸۷ ہیں، اس طرح تابعین کی کل تعداد ۳۵۵ ہے یہ تعداد صرف ایک شہر کی ہے، اسی سے مکہ معظمہ، طائف، بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن، مصر وغیرہ کے ان تابعیوں کا اندازہ لگاؤ جو اپنے اپنے شہروں میں صحابہ کرامؓ کے تلمذ کا شرف رکھتے تھے اور جن کے روز و شب کا مشغلہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی اشاعت و تبلیغ تھی اس اہتمام کا خیال کرو کہ ہر صحابی سے جو کچھ روایتیں ہیں ان میں سے ہر ایک کا شمار کر لیا گیا اور وہ گن لی گئی ہیں اس سے اندازہ کر لو کہ آنحضرت ﷺ کے حالات اور اقوال کی فراہمی میں کس قدر بلیغ اہتمام کیا گیا ہے"۔

اس کے علاوہ اور علمائے کرام نے بھی اسی مستشرقی فتنے کے سدباب کے لئے مستقل کتابیں، تاریخ و تدوین حدیث پر لکھیں، انہیں میں محدثانہ شان کے ساتھ ساتھ متکلمانہ امتیاز مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف تدوین حدیث کو حاصل ہے، مگر جیسا کہ عرض کیا جا چکا خدمت حدیث کا کام نہ کبھی ختم ہوا ہے نہ ہوگا بلکہ نو بہ نو ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل ہر وقت باقی رہے گی خصوصاً انگریزی اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے غیر عربی زبانوں میں ابھی بہت کچھ کام کرنا باقی ہے۔

حدیث کے متفرق موضوعات پر علمائے حاضر نے جو گراں بہا خدمات انجام دی ہیں ان کے اعتراف کے باوجود وقت کا تقاضا تھا کہ اردو میں ایک ایسی جامع کتاب موضوع پر مرتب ہو جاتی جس میں حدیث اور اس کے متعلقات، محدثین اور ان کے کارناموں کی تفصیلات، مختلف زمانوں کے فتنے اور ان کے سدباب کی مورخانہ کوششیں سب کچھ سمو دی جائیں، مگر یہ کام اپنی وسعت اور فنی دقت کے اعتبار سے ہر صاحب علم کے کرنے کا نہ تھا، اس عظیم کارنامے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے ہمارے محترم دوست فاضل گرامی مولانا حکیم سید احمد اللہ صاحب ندوی کے حصہ میں رکھی تھی، مولانا ندوہ کے ٹھوس اور ممتاز عالم ہونے کے ساتھ ساتھ صلاح و تقویٰ کا پیکر ہیں، مشہور عالم علمی ادارہ "دائرۃ المعارف" حیدرآباد دکن کے ایک عضو کی حیثیت سے مولانا نے اپنی عمر کا بڑا حصہ خالص علمی اور تحقیقاتی کاموں میں گذارا ہے اور حدیثیات کا موضوع خاص رہا ہے، سقوط حیدرآباد کے بعد کراچی پہنچ کر علم و فکر کی پوری پختگی کے دور میں مولانا نے "حدیث اور محدثین" کے زیر عنوان کہنا چاہئے کہ حدیث کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تیار کر دیا، اس میں فن حدیث کا تعارف بھی ہے، اور اصطلاحات فن کی تشریح بھی، حدیث و سنت کا مفہوم بھی واضح کیا گیا ہے اور ان کی دینی اہمیت بھی، تاریخ حدیث بھی پیش کی گئی ہے اور تذکرہ محدثین بھی، نویں صدی ہجری تک کی مشہور کتب حدیث کا تعارف بھی ہے اور ان کی اہم شروح کی گنتی بھی، ہر صدی کی خصوصیات بھی بتائی گئی ہیں اور مخصوص سیاسی حالات کے حدیث پر اثرات بھی، اہل کلام اور اصحاب حدیث کے نزاع کی روداد بھی لکھی گئی ہے، اور وضاعین حدیث اور ان کے خلاف علمائے حدیث کی کاوشیں بھی، پھر اسی قسم کے اصلی موضوعات کے علاوہ بہت سی ضمنی مگر انتہائی مفید بحثیں بھی اس کتاب میں آگئی ہیں مثلاً وفا کی حقیقت، علما اور ائمہ کی اہمیت، ترتیب ادلہ کی درسگاہیں، قرآن پاک کے قدیم ہونے کی بحث وغیرہ وغیرہ، غرض اس میں وہ سب کچھ یکجا ہے جس کی ضرورت حدیث کے تعلق سے کسی کو پیش آسکتی ہے۔

ایک فنی تالیف ہونے کی حیثیت سے عبارت کی رعنائی اور زبان کی دلکشی کی توقع خصوصاً ایک محدثانہ مزاج اہل قلم سے بے جا ہوگی، البتہ جس سلاست و صفائی سے مشکل بحثیں سپرد قلم ہوگئی ہیں وہ قابل صد تحسین ہے، زبان اردو ہمارے فاضل ندوی دوست مؤلف کی ممنون رہے گی کہ انہوں نے اس زبان کی دینی گراں مایگی میں ایک وزنی اضافہ فرمایا اور علمائے عصر مشکور رہیں گے کہ ان کے طبقہ کی طرف سے ایک فرض کفایہ بخوبی ادا ہوگیا، والحمد للہ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول اور مقبول فرمائے، آمین۔

فضل اللہ غفرلہ

۸ر اپریل ۱۹۷۲ء

ضمیمہ تاریخ حدیث و محدثین جلد ۲ | تختہ اسمائے محدثین مع تاریخ ولادت و جائے پیدائش و جائے قیام و مقامات سفر و مقام وفات۔

مرتبہ جناب ڈاکٹر سید مجتبیٰ کریم سابق صدر شعبہ طبیعیات جامعہ کراچی پاکستان ماخوذ از تاریخ حدیث و محدثین جلد دوم مؤلفہ حکیم سید احمد اللہ ندوی

دوسری صدی ہجری کے مشہور محدثین

	اسمائے محدثین	نام وطن	سال ولادت و وفات	دیگر حالات
۱۔	امام مالکؒ	وطن اجداد یمن، وطن خود مدینہ منورۃ	(۹۳ – ۱۷۹ھ)	مدینہ چھوڑ کر باہر نہیں گئے
۲۔	یحییٰ بن سعید القطان بصری	شہر بصرہ	(۱۲۰ – ۱۹۸ھ)	
۳۔	وکیع بن الجراح	شہر کوفہ	(۱۲۷ – ۱۹۷ھ)	
۴۔	سفیان ثوری	شہر کوفہ	(۹۷ – ۱۶۱ھ)	
۵۔	سفیان بن عیینہؒ	کوفی ثم مکی	(۱۰۷ – ۱۹۸ھ)	
۶۔	شعبہ بن الحجاج	شہر بصرہ	(۸۳ – ۱۶۰ھ)	
۷۔	عبدالرحمٰن بن مہدی	شہر بصرہ	(۱۳۵ – ۱۹۸ھ)	
۸۔	امام اوزاعی شامی	ملک شام	(۸۸ – ۱۵۷ھ)	
۹۔	لیث بن سعد	ملک مصر	(۹۳ – ۱۷۵ھ)	
۱۰۔	امام شافعی	غزہ۔ مدینہ۔ مکہ۔ عراق ۱۹۵ھ	(۱۵۰ – ۲۰۴ھ)	وفات مصر میں ہوئی
۱۱۔	امام ابوحنیفہؒ	نسلاً فارسی تھے۔ کوفہ میں نشو نما پائی	(۸۰ – ۱۵۰ھ)	

تیسری صدی ہجری کے مشہور محدثین

	اسمائے محدثین	نام وطن	سال ولادت و وفات	دیگر حالات
۱۔	علی بن المدینی (ناقد حدیث و شیخ امام بخاریؒ)		(– ۲۳۴ھ)	وفات سرمن رای میں ہوئی
۲۔	یحییٰ بن معین مشہور ناقد حدیث		(– ۲۳۳ھ)	وفات مدینہ میں ہوئی۔
۳۔	ابوبکر بن ابی شیبہ	شہر کوفہ	(– ۲۳۵ھ)	
۴۔	ابوزرعہ رازی	شہر رے	(– ۲۶۴ھ)	

۵۔ ابوحاتم رازی شہر رے (۔-۲۷۷ھ)

۶۔ محمد بن جریر طبری آملی۔سکونت و وفات بغداد (۲۲۴-۳۱۰ھ) امام ترمذی اور امام نسائی کے طبقہ میں ان کا شمار ہے

۷۔ محمد بن اسحاق ابوبکر (ابن خزیمۃ) نیشاپوری امام الائمہ تھے بغداد۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ جزیرہ۔ مصر اور واسط کا سفر کیا (۔-۳۱۱ھ)

۸۔ محمد بن سعد کاتب واقدی۔ بصری تھے مگر بغداد میں رہتے تھے (۱۶۸-۲۳۰ھ)

۹۔ اسحاق بن راہویہ۔ عراق۔ حجاز۔ یمن اور شام کا سفر کیا (۱۶۱-۲۳۸ھ) وفات نیشاپور میں ہوئی۔

۱۰۔ امام احمد بن حنبلؒ۔ اسلامی ممالک اور شہروں کا سفر کیا (۱۶۴-۲۴۱ھ) پیدائش و وفات بغداد

۱۱۔ امام بخاریؒ بخارا " " (۱۹۴-۲۵۶ھ) پیدائش بخارا

۱۲۔ امام مسلم عراق۔ حجاز۔ شام اور مصر کا سفر کیا (۲۰۴-۲۶۱ھ) پیدائش و وفات نیشاپور

۱۳۔ امام نسائی۔ احمد نام ۔ نساء ملک خراسان میں ایک شہر ہے عرصہ دراز تک مصر میں رہے (۲۱۵-۳۰۳ھ) وفات مکہ اور مدفون درمیان صفا و مروہ

۱۴۔ ابوداود کنیت نام سلیمان عراق۔ شام۔ مصر۔ اور خراسان کا سفر کیا (۲۰۲-۲۷۵ھ) وفات بصرہ

۱۵۔ ترمذی۔ ابوعیسیٰ کنیت محمد نام خراسان۔ عراق اور حجاز کا سفر کیا (۲۰۹-۲۷۹ھ) پیدائش و وفات ترمذ آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے

۱۶۔ ابن ماجہ ۔ رے۔ بصرہ۔ کوفہ۔ بغداد۔ شام۔ مصر۔ حجاز کا سفر کیا (۲۰۹-۲۷۳ھ)

۱۷۔ دارمی۔ ابوعبداللہ نام۔ تمیمی۔ دارمی۔ سمرقندی تینوں نسبتوں سے مشہور تھے۔ حرمین شریف۔ خراسان۔ شام۔ عراق۔ مصر کا سفر کیا (۱۸۱-۲۵۵ھ)

۱۸۔ امام ابن قتیبہ دینوری ابومحمد کنیت عبداللہ نام۔ سکونت بغداد یا پیدائش بغداد یا کوفہ میں قاضی کی حیثیت سے مدت دراز تک دینور میں مقیم رہے (۔-۲۷۶ھ)

چوتھی صدی ہجری کے بعض مشہور محدثین

۱۔ حاکم نیشاپوری ابوعبداللہ کنیت محمد نام۔ دوبار عراق اور حجاز کا سفر کیا۔ نیشاپور وطن تھا (۳۲۱-۴۰۵ھ)

۲۔ دارقطنی علی نام (۔-۳۵۸ھ) عمر ۹۳ سال

۳۔ ابن حبان ابوحاتم ابن حبان۔ شاش اور اسکندریہ کے درمیان کے تمام شہروں کی علمی سیاحت کی (۔-۳۵۴ھ) عمر ستر اور اسی کے درمیان

۴۔ الطبرانی امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی (۲۶۰-۳۶۰ھ) عمر سو سال دس ماہ

۵۔ قاسم بن اصبغ مالکی بیانہ ملک اندلس کا ایک شہر ہے جو قرطبہ سے ۳۰ میل ہے (۔-۳۴۰ھ) وفات قرطبہ میں ہوئی۔

۶۔ ابن السکن وطن بغداد (۲۹۴-۳۵۳ھ) وفات مصر میں ہوئی۔

۷۔ الطحاوی (۲۳۷ – ۳۲۱ھ)

۸۔ ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق نیشاپور۔ مدفون اندرون شہر اسفرائین میں ہوئے (– ۳۱۶ھ)

۹۔ ابن مندہ۔ محمد نام۔ شاش سے اسکندریہ تک سفر کیا۔ جوال تھے یعنی زیادہ سیاحت کنندہ (۳۱۰ – ۳۹۵ھ)

۱۰۔ ابن السنی۔ احمد نام (– ۳۶۴ھ) عمر ۸۰ برس سے زائد

۱۱۔ رامہرمزی۔ حسن نام۔ خلاد فارسی کا، شہر رامہرمز کے تھے۔ (– ۳۶۰ھ)

۱۲۔ ابن عدی۔ عبداللہ نام (۲۷۷ – ۳۶۵ھ)

۱۳۔ المحاملی قاضی۔ الحسین نام۔ ضبی بغدادی نسبت ۶۰ سال تک کوفہ میں قاضی رہے (۲۳۵ – ۳۳۰ھ)

پانچویں صدی ہجری کے بعض مشہور محدثین

۱۔ امام بیہقی۔ احمد نام۔ قریہ بیہق علاقہ خسروجرد ملک خراسان (۳۸۴ – ۴۵۸ھ) وفات ومدفون نیشاپور

۲۔ خطیب بغدادی احمد نام۔ عربی النسل فرات نواح میں حصامہ یا حصاصہ (۳۹۱ – ۴۶۳ھ)

۳۔ ابن عبدالبر قرطبی اندلسی یوسف نام۔ اندلس سے مکہ ومصر آئے اندلس کے مغربی اور مشرقی حصہ۔ دانیہ، بلنسیہ شاطبہ میں سکونت رہی (۳۶۸ – ۴۶۳ھ) پیدائش اندلس

۴۔ ابن ماکولا۔ علی نام۔ بغداد۔ دمشق۔ مصر، ماوراءالنہر، خراسان اور دوسرے اہم مقامات کا سفر کیا (۴۲۲ – ۴۷۵ھ) پیدائش مقام عکبراء۔ جرجان میں قتل ہوئے۔

۵۔ حمیدی اندلسی بغدادی محمد نام۔ وطن اندلس، مصر، شام، عراق کا سفر کیا سکونت بغداد (۴۲۰ – ۴۸۸ھ) منورقہ اندلس میں پیدا ہوئے بغداد میں وفات ہوئی۔

چھٹی صدی ہجری کے بعض مشہور محدثین

۱۔ السمعانی۔ محمد نام (– ۵۱۰ھ) عمر ۴۳ سال

۲۔ بغوی۔ حسین نام (– ۵۱۶ھ) وفات مرو

۳۔ رزین۔ اندلس کے شہر سرقسطہ کے رہنے والے تھے مکہ مکرمہ میں برسوں رہے (– ۵۲۵ھ) وفات مکہ

۴۔ السمعانی۔ عبدالکریم نام۔ نیشاپور، دور دراز ممالک کا سفر کیا۔ اصفہان۔ بغداد، کوفہ۔ دمشق۔ بخارا، سمرقند اور بلخ کا سفر کیا (۵۰۶ – ۵۶۲ھ) وفات مرو

۵۔ ابن عساکر دمشقی علی نام۔ بغداد۔ کوفہ۔ اصفہان۔ مرو۔ ہراۃ کا سفر کیا (۴۹۹ – ۵۷۱ھ)

۶۔ ابن بشکوال خلف نام - اندلس کے علماء اور محدثین سے تعلیم حاصل کی اشبیلیہ (اندلس) میں قاضی بھی تھے (۴۹۴-۵۵۶ھ)

۷۔ ابن جوزی عبدالرحمٰن نام عراق کے عالم (۵۱۰ - ۵۹۷ھ)

۸۔ سہیلی۔ عبدالرحمٰن نام مقام سہیل (اندلس) (۵۰۸ - ۵۸۱ھ) پیدائش اشبیلیہ وفات مراکش۔

ساتویں صدی ہجری کے بعض مشہور محدثین

۱۔ مجدالدین ابن اثیر موصل (۵۴۴ - ۶۰۶ھ)

پیدائش بمقام جزیرۂ ابن عمر جسے دریائے دجلہ احاطہ کئے ہوئے تھا۔ وفات موصل

۲۔ عزالدین ابن اثیر علی نام - اصل نیشاپور۔ بغداد۔ دمشق۔ حلب اور موصل کے علماء سے تعلیم حاصل کی (۵۵۵-۶۳۰ھ)

پیدائش جزیرہ ابن عمر

۳۔ ابن صلاح۔ عثمان نام - بغداد۔ شام۔ حلب۔ خراسان اور نیشاپور (۵۷۷-۶۴۳ھ) پیدائش شرخان

شمالی عراق وفات دمشق

۴۔ نواوی۔ ابوبکر زکریا۔ یحیٰی نام نوٰی کے رہنے والے تھے۔

دمشق میں رواحیہ میں رہنے لگے تھے (۶۳۱ - ۶۷۶ھ)

آٹھویں صدی ہجری کے بعض مشہور محدثین

۱۔ مزی۔ ابوالحجاج کنیت۔ یوسف نام مزّی شہر حلب (۶۵۴ - ۷۴۲ھ) پیدائش مزّی

۲۔ ابن دقیق العید محمد نام پیدائش ینبع سرزمین حجاز وفات مصر (۶۲۵ - ۷۰۲ھ)

۳۔ امام ابن تیمیہ۔ احمد نام وفات دمشق بحالت قید (۶۶۱ - ۷۲۸ھ)

۴۔ امام ذہبی۔ محمد نام (۶۷۳ - ۷۴۸ھ)

نویں صدی ہجری کے ایک مشہور محدث

۱۔ حافظ ابن حجر عسقلانی۔ احمد نام مصر میں نشوونما پائی (۷۷۳-۸۵۲ھ) وفات قاہرہ۔

نقشہ مقامات جہاں محل نشین رہے

BLACK SEA

CASPIAN SEA

RED SEA

بحر اسود

طفلیس

آرمینیا

بحر کیسپین

باکو

طوس

شمال

تاشقند

بخارا

سمرقند

ترمذ

نیشاپور

مرو

مشہد

خراسان

ہرات

قندھار

تبریز

زنجان

طہران

سرماں شاہ

اصفہان

ایران

شیراز

شام

حلب

موصل

دمشق

بغداد

بصرہ

تبوک

حجاز

مدینہ

مکہ

جدہ

طائف

ریاض

خلیج فارس

خلیج اومان

اومان

بحر عرب

حضر موت

یمن

صنعا

عدن

خلیج عدن

بحر احمر

۳۵°

۴۰°

۴۵°

۵۰°

۵۵°

۶۰°

۳۰°

۲۵°

۲۰°

۱۵°


BLACK SEA
ترکی
شام
حلب
موصل
MEDITERRANEAN SEA
دمشق
یافا
بیت المقدس
اسکندریہ
قاہرہ
مصر
سویز
تبوک
حجاز
مدینہ
مکہ
جدہ
طائف
RED SEA
افریقہ

نقشه مملکت اسپین (اندلس)